ایک ہفتہ

شیخ الہند کے دیس میں

مصنف

مناظر ختم نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب: ایک ہفتہ، حضرت شیخ الہند ؒ کے دیس میں

مصنف : حضرت مولانا اللہ وسایا مدظلہ

صفحات : ۱۹۲

قیمت : ۱۵۰ روپے

مطبع : ناصر زین پریس لاہور

طبع اوّل و دوم: اپریل ۲۰۱۲ء

طبع سوم : ستمبر ۲۰۱۲ء

ناشر : عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان

فون نمبر:061-4783486

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

اس کتاب کے مرتب ہونے کا باعث انڈیا کا وہ سفر ہے جس کی تفصیل اس کتاب میں درج ہے۔

میرے مخدوم ابن مخدوم، قائد جمعیت، حضرت مولانا فضل الرحمٰن دامت برکاتہم اس سفر کا وسیلہ بنے۔

آپ کے اس ''نظر کرم'' پر یہ کتاب آپ کے نام منسوب کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہوئے اپنے دل کو خوشیوں سے لبریز پاتا ہوں۔

مصنف!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

☆..................☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم: امابعد!

۱۱ر دسمبر سے ۱۸ر دسمبر ۲۰۱۳ء تک فقیر کا ایک ہفتہ کا سفر انڈیا ہوا۔ مولانا عبید الرحمن انور تلہ گنگ اور دوسرے دوستوں کے حکم پر ماہنامہ لولاک میں اس سفر کی روئیداد قلم بند کرنا شروع کی تو ملک بھر سے دوستوں نے اسے اتنا پسند کیا کہ راقم کا حوصلہ بلند ہو گیا۔ مولانا قاری عبد الملک کراچی، مولانا عبد القیوم حقانی پشاور، مولانا محمد یحییٰ لدھیانوی کراچی، مولانا عبد الجبار سلفی لاہور، برادر جناب عبد الرؤف مانسہرہ اور بہت سارے صاحب علم و قلم دوستوں نے اسے پسند فرمایا۔ کسی نے فرمایا کہ اس سفرنامہ کے ذریعہ ہم نے بھی گویا دیوبند دیکھ لیا۔ کسی نے فرمایا کہ جب قسط ختم ہوتی ہے تو افسوس ہوتا ہے کہ ختم کیوں ہو گئی۔ غرض بہت ہی محبت بھرے مختلف انداز میں دوستوں نے اس سفرنامہ کے لکھے جانے پر تحسین کے کلمات ارشاد فرمائے۔ خیال ہوا کہ اس کے ماہنامہ لولاک میں مکمل ہونے پر تو سال بھی لگ سکتا ہے۔ جب مکمل لکھا جا چکا ہے تو اسے علیحدہ کتابی شکل میں بھی شائع کر دینا چاہئے۔ پہلے اس سفرنامہ کا نام ''انڈیا میں ایک ہفتہ کا سفر'' پھر حضرت مولانا عبد اللطیف طاہر ایڈیٹر ہفت روزہ ختم نبوت کراچی نے اس کا نام ''ایک ہفتہ حضرت شیخ الہند ؒ کے دیس میں'' تجویز کیا۔ جب سفرنامہ مکمل ہو گیا تو کئی دوستوں سے اطلاع ملی کہ ''حضرت شیخ الہند ؒ کے دیس میں سات دن'' اس نام سے تو جمعیت علماء اسلام گلگت کے رہنما مولانا عطاء اللہ شہاب کا بھی سفرنامہ ہے۔ فقیر نے یہ سفرنامہ بھی منگوایا تو ایسے لگا کہ قدرت کی طرف سے تقسیم تھی۔ جو انہوں نے سفرنامہ تصنیف کیا اس کی کسی معمولی بات کا اس میں اعادہ نہیں ہے۔ بالکل دونوں جدا جدا۔ جبکہ نام معمولی تفاوت کے ساتھ ایک جیسا رکھا گیا۔

تو اب ''ایک ہفتہ حضرت شیخ الہند ؒ کے دیس میں'' آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

کمپوزنگ میں برادر حافظ محمد یوسف ہارون، برادر عدنان سنپال اور پروف ریڈنگ میں برادر مولانا عبد اللہ معتصم نے بھرپور محنت فرمائی۔ حق تعالیٰ ان حضرات اور تمام بہی خواہان کو بہت ہی جزائے خیر سے سرفراز فرمائیں۔ اس میں جو کمی کوتاہی ہے وہ اللہ رب العزت معاف فرمائیں۔ لیکن قارئین مطلع فرمائیں کہ تصحیح کرنا بشرط زندگی فقیر کے ذمہ قرض رہا۔ محتاج دعا: فقیر اللہ وسایا

مورخہ ۱۴ر جمادی الثانی ۱۴۳۵ھ، مطابق ۱۵ر اپریل ۲۰۱۴ء

(نوٹ...... موجودہ ایڈیشن سوم کی تصحیح حضرت مولانا عبد اللطیف طاہر صاحب نے رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ کے اعتکاف کے دوران مسجد نبوی شریف میں فرمائی۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء!)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم: امابعد!

درمیان نومبر۲۰۱۳ء کی بات ہوگی۔ ایک دن حضرت مولانا عبدالغفور حیدری مدظلہ کے عزیز اور پرائیویٹ سیکرٹری جناب حاجی نور محمد خان کاکڑ کی کال موصول ہوئی کہ ایک وفد شیخ الہند سیمینار میں شرکت کے لئے جانا ہے۔ اس میں آپ کا نام بھی ہے۔ اپنے شناختی کارڈ کی کاپی بھجوادیں۔ فقیر نے ای میل سے کاپی بھجوادی۔ نہ تو فقیر نے پوچھا کہ وفد کہاں جائے گا؟ داعی کون ہیں؟ فقیر کا نام کس نے تجویز کیا؟ اور یہ خبر بھی نہیں تھی کہ وفد میں کون کون سے حضرات شامل ہیں۔ چند دن گزرے ہوں گے کہ جناب قاری نذیر احمد نے لاہور سے فون پر فرمایا کہ وفد دیوبند جائے گا۔ وہاں امن عالم کانفرنس ہوگی۔ جمعیت علماء ہند داعی ہے۔ پاکستان سے وفد قائد محترم حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہ نے ترتیب دیا ہے۔ اس میں فقیر کا بھی نام ہے۔ خوشی ہوئی۔ ایک تو یہ کہ اس بہانے دیوبند کو پہلی بار دیکھنے کا موقع ملے گا اور دوسری یہ کہ فقیر تو قائد محترم مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی شفقتوں کا پہلے بھی اسیر تھا۔ اس کمال ذرہ نوازی نے مزید کمر جھکادی۔

مزید چند روز گزرے ہوں گے کہ کاکڑ صاحب نے فون پر چند معلومات لیں جو انہیں فارم پُر کرنے کے لئے درکار تھیں۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ اپنا پاسپورٹ بھجوادیں۔ اس کارروائی سے اندازہ ہوا کہ معاملہ آگے بڑھ رہا ہے۔ فقیر دفتر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان کی لائبریری میں ضروری کام کررہا تھا کہ مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی تشریف لائے۔ ان سے پوری تفصیل عرض کی کہ پہلے تو صرف اطلاعات تھیں۔ اب پیش رفت ہورہی ہے۔ آپ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری مدظلہ سے اجازت طلب کریں۔ وہ فرمائیں تو میں پاسپورٹ بھجوادوں۔ تھوڑی دیر بعد مولانا شجاع آبادی خبر لائے کہ ناظم اعلیٰ صاحب نے منظوری دے دی ہے۔ چنانچہ فقیر نے پاسپورٹ ٹی سی ایس سے بھجوادیا۔ یہ دسمبر۲۰۱۳ء کے اوائل کی بات ہوگی۔ ایک دن موبائل پر میسج پڑھا کہ قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی قیادت باسعادت میں وفد ۱۴؍دسمبر کی امن عالم کانفرنس دہلی میں شریک ہوگا۔ اسی روز یا اگلے روز ایک مختصر خبر بھی اخبار میں پڑھنے کو ملی۔ مولانا عزیز الرحمٰن ثانی نے فون کیا کہ وفد ۱۰؍دسمبر کو واہگہ کے راستے ہند جائے گا۔ آپ نے

۹ر دسمبر لاہور آنا ہے۔ ایک پروگرام راوی روڈ جامعہ مدنیہ قدیم کے قریب میں رکھنا ہے۔ اجازت ہو تو اشتہار چھاپ لیں۔ فقیر نے عرض کیا کہ آپ کو کیسے اطلاع ملی تو انہوں نے قاری نذیر احمد کا فرمایا۔ فقیر نے عرض کیا ۸ر دسمبر کو پروگرام رکھ لیں۔ ۹ر دسمبر کو تیاری، ۱۰ر کو روانگی۔

۸ر دسمبر لاہور حاضر ہوا تو خیر سے مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ثانی پشاور کے سفر پر تھے۔ وہ ۹ر کی فجر سے قبل لوٹے۔ اس دن پتہ چلا کہ ویزا ابھی نہیں لگا۔ ۹، ۱۰ر دسمبر لاہور میں گزارے۔ ایک آدھ بیان دوستوں نے رکھ لیا۔ ۱۰ر دسمبر کی شام مولانا قاری نذیر احمد صاحب نے خبر دی کہ ویزے لگ گئے ہیں۔ جو حضرت مولانا عبدالغفور صاحب حیدری دامت برکاتہم اور جناب نور محمد صاحب کاکڑ لے کر اسلام آباد سے لاہور کے لئے روانہ ہو گئے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک دو دوستوں کے ویزے مسترد ہو گئے۔ اب دل نے دھک دھک شروع کر دیا کہ کہیں بجلی خانہ غریب پر نہ گری ہو۔ تاہم قاری صاحب نے بتایا کہ دوستی بس سے سیٹیں ہو گئی ہیں۔ ۱۱ر دسمبر صبح نو بجے لاہور سے بس کے ذریعہ قافلہ روانہ ہو گا۔ اللہ رب العزت بہت جزائے خیر دیں حضرت سید نفیس الحسینی ؒ کے خلیفہ مجاز جناب پیر رضوان نفیس کو وہ ۱۱ر دسمبر کی صبح گاڑی لے کر تشریف لائے۔ سامان رکھا اور چل دیئے۔

فقیر کا سامان زیادہ تو نہ تھا۔ لیکن وزنی تھا۔ احتساب قادیانیت کی جلد ۳۱ سے ۵۳ تک کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دیوبند کی لائبریری کے لئے تھی۔ جلد ۱۵ سے ۵۳ تک ایک ایک نسخہ احتساب قادیانیت ’’التراث الاسلامی لختم النبوت‘‘ کی لائبریری کے لئے تھا۔ قومی اسمبلی کی مطبوعہ کاروائی کے چار سیٹ دارالعلوم دیوبند کی لائبریری، کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کی لائبریری، مولانا شاہ عالم گورکھپوری اور حیدرآباد دکن مجلس تحفظ ختم نبوت کی لائبریری کے لئے ہمراہ لئے تھے۔ بیگ میں تین سوٹ۔ تمنا مختصر۔ مگر تمہید طولانی۔

اراکین وفد کے اسماء گرامی

اب لاہور پاک ہند دوستی بس کے ٹرمینل پہنچے تو سامنے مولانا زاہد الراشدی گاڑی سے اتر رہے تھے۔ بس ٹرمینل میں داخل ہوئے تو حضرت مولانا امجد خان، حضرت مولانا محمد خان شیرانی، حضرت مولانا عطاء الرحمٰن، حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری اور آپ کے صاحبزادہ مولانا احمد جالندھری، حضرت مولانا عبدالغفور حیدری اور آپ کے صاحبزادہ مولانا محمد

طیب، جناب خان نور محمد خان کاکڑ، مولانا سید محمود میاں مہتمم جامعہ مدنیہ جدید رائے ونڈ روڈ لاہور، مولانا ڈاکٹر خالد محمود سومرو، مولانا عبدالواسع ایم این اے، مولانا مفتی عبدالستار سینیٹر، مولانا قمر الدین ایم این اے، مولانا عبدالقیوم ہالیجوی، مولانا گل نصیب خان، حضرت مولانا مفتی امداد اللہ صاحب ناظم تعلیمات جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی، مولانا مفتی گل رحمٰن پشاور، مولانا عبدالقیوم نعمانی اور آپ کے صاحبزادہ مولانا ابوبکر صاحب، مولانا سعید یوسف پلندری آزاد کشمیر، مولانا مفتی مولا بخش مستونگ، مولانا محمد شریف ہزاروی اسلام آباد، مولانا مفتی محمد زاہد ایڈیٹر الجمعیت راولپنڈی، مولانا رشید احمد لدھیانوی، مولانا محمد عامر اور دیگر حضرات یکے بعد دیگرے تشریف لاتے رہے۔ کارواں بنتا رہا۔

حضرت مولانا عطاء الرحمٰن صاحب وفاقی وزیر سیاحت رہ چکے ہیں۔ انہیں خاصہ تجربہ تھا۔ سب کے ٹکٹ کرائے۔ سامان پر سٹیکر لگے۔ سب نے اپنے اپنے پاسپورٹ لیے اور بس میں سوار ہونے لگے۔ بہت ہی محبت کے جذبات سے مولانا عزیز الرحمان ثانی، مولانا قاری نذیر احمد، برادر گرامی پیر رضوان نفیس، حضرت قاری جمیل الرحمٰن اختر سے گلے ملے۔ اجازت لی اور بس پر سوار ہو گئے۔ چند سواریاں اور ہوں گی۔ ورنہ پوری بس وفد کے ارکان پر مشتمل تھی۔

واہگہ بارڈر سے روانگی

فقیر کو مولانا رشید احمد لدھیانوی نے اپنے ساتھ کی سیٹ پر بٹھا لیا۔ خوشی ہوئی۔ مولانا لدھیانوی پہلے کئی بار اپنے اعزاہ کے ملنے کے لئے لدھیانہ جا چکے تھے۔ ان کے تجربات سے فائدہ ہوا۔ وہ معلومات پہنچاتے رہے۔ فقیر کا بیگ تمام قافلہ والوں سے چھوٹا اور سادہ تھا۔ کتب کے کارٹن وزنی تھے۔ جونہی واہگہ بارڈر پر پاکستانی امیگریشن سے فارغ ہوئے۔ پورا سامان چیک کر کے عملہ نے دوبارہ بس میں رکھ دیا تھا۔ پورا وفد امیگریشن سے فارغ ہو کر دوسری سائیڈ پر لگی بس میں سوار ہونے کے لئے گیا۔ اتنے میں اطلاع ملی کہ میر کاروان اور قائد محترم حضرت مولانا فضل الرحمٰن بمع صاحبزادہ مولانا اسعد محمود اپنی گاڑی پر تشریف لائے ہیں۔ آپ کو پریس والوں نے گھیر لیا۔ آپ نے انہیں خطاب کیا۔ مولانا امجد خان مرکزی سیکرٹری اطلاعات اور مرکزی ناظم اعلیٰ جمعیت علماء اسلام حضرت مولانا عبدالغفور حیدری بھی پریس بریفنگ میں جا شریک ہوئے اور پھر حضرت مولانا کی گاڑی بس کے قریب آ کر رکی۔ پورے قافلہ کے ارکان نے

باری باری آپ سے معانقہ اور مصافحہ کا شرف حاصل کیا۔ پاکستانی ایمیگریشن کے عملہ نے آپ کا استقبال کیا۔ آپ کے اور صاحبزادہ مولانا اسعد محمود کے پاسپورٹ پر ایمیگریشن نے مہر لگائی۔ اتنے میں بس میں تمام سواریوں کا سامان رکھا جا چکا تھا۔ فرنٹ سیٹ پر مولانا فضل الرحمٰن اور مولانا محمد خان شیرانی دوسری طرف مولانا اسعد محمود اپنے چچا حضور مولانا عطاء الرحمٰن کے ہمراہ بیٹھے اور بس چل دی۔

اٹاری چیک پوسٹ پر قائد وفد کا اعزاز

پاکستانی چیک پوسٹ کا نام واہگہ ہے اور انڈیا کی چیک پوسٹ کا نام اٹاری ہے۔ درمیان میں بارڈر کی پٹی ہے۔ ہم واہگہ سے اٹاری چیک پوسٹ میں داخل ہوئے۔ چیک پوسٹ کی عمارت کے دروازہ پر بس نے اتارا، انڈین قلی حضرات جو اکثر سردار صاحبان تھے۔ انہوں نے بس سے سامان نکالا۔ چیک پوسٹ پر لائے۔ سامان مشینوں سے گزارا گیا۔ تمام پاسپورٹ ایمیگریشن کے عملہ کی میزوں پر جمع ہو گئے۔ تمام قافلہ کے اراکین بنچوں پر بیٹھ گئے۔ اب اتنے سارے علماء کرام کو ایمیگریشن عملہ نے دیکھا تو ایک دوسرے سے پوچھنے لگے۔ انہیں معلوم ہوا کہ پاکستان کے علماء کا وفد مولانا فضل الرحمٰن کی قیادت میں دہلی جا رہا ہے تو ایمیگریشن کا سب سے بڑا آفیسر دفتر سے باہر آیا۔ عملہ کے ارکان سے کہا کہ مولانا فضل الرحمٰن مسلمانان عالم کے بالعموم اور انڈیا کے مسلمانوں کے بالخصوص سب سے مقبول رہنما ہیں۔ پورے عملہ نے آپ کا استقبال کیا۔ وہ آفیسر مولانا کو اپنے ہمراہ لے گئے۔ مولانا عبدالغفور حیدری اور ایک دو دوست بھی ہمراہ تھے۔ انہوں نے دفتر میں آپ کا اکرام کیا۔ اتنے میں عملہ نے ایمیگریشن کا عمل مکمل کر لیا۔ مہریں لگیں۔ پاسپورٹ ملے۔ سارا سامان اب کسٹم عملہ کے پاس ڈھیر ہو گیا۔ ہر ایک نے اپنا اپنا سامان اٹھایا۔ کسٹم عملہ سے چیک کرایا۔ چیکنگ میں قلی بھی مدد کرتے رہے۔ مولانا قاری محمد حنیف جالندھری، مولانا رشید احمد لدھیانوی کے ناموں کے ساتھ جالندھر اور لدھیانہ کے لاحقوں سے سردار صاحبان کی پنجابیت کی رگ پھڑک اٹھی۔ انہوں نے ان حضرات سے پنجابی میں باتیں شروع کیں تو اصل پنجابی سننے کا لطف دوبالا ہو گیا۔ کسٹم کے عملہ سے فارغ ہوئے۔ فقیر نے انڈیا چیک پوسٹ کے بینک سے پچاس ڈالر کے انڈین روپے حاصل کیے جو تین ہزار سے کچھ کم تھے۔ وہ رقم لی، وضو کیا۔ قلی حضرات نے

بس میں سامان رکھا۔ حضرت مولانا فضل الرحمن بس کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ تمام وفد کو بس میں سوار کرایا۔ خود آخر میں تشریف لائے۔

امرتسر میں وفد کی پیشوائی

لیجئے! بس چل پڑی۔ اٹاری سے امرتسر، بیس، پچیس میل ہے۔ یاد رہے کہ ہمارے بارڈر واہگہ کے قریب بڑا شہر لاہور، انڈیا کے بارڈر اٹاری سے قریب بڑا شہر امرتسر ہے۔ آدھ گھنٹہ میں بس نے اٹاری سے امرتسر پہنچا دیا۔ راستہ میں فصل، درخت، پھل، بود و باش، رنگ و روپ، لباس، وضع قطع، عمارتوں کی شکل و صورت، سبزیوں کے کھیت، گیہوں کے کھلیانوں میں توڑی کے گارا سے لپائی شدہ ڈھیر دیکھ کر ذرہ برابر احساس نہ ہوا کہ پاکستان و انڈیا میں کوئی فرق ہے۔ بس امرتسر پہنچی تو مولانا مرغوب الرحمن مرحوم سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے صاحبزادہ مولانا انوار الرحمن، امیر الہند حضرت مولانا اسعد مدنی کے صاحبزادہ اور جمعیت علماء ہند کے موجودہ سیکرٹری جنرل مولانا سید محمود مدنی کے برادر مولانا سید مودود مدنی وفد کی پیشوائی کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے۔ جمعیت علماء ہند کے جناب طاہر، مولانا حکیم الدین اور دوسرے حضرات بھی تھے۔ معانقے و مصافحے و خیر مقدم کے بعد ظہر کی نماز مسجد میں پڑھنے کا فیصلہ ہوا۔ تمام اراکین وفد کے لئے اعلیٰ گاڑیوں کا اہتمام کیا گیا تھا۔ تین تین حضرات کے لئے ایک ایک گاڑی مختص تھی۔ فقیر کا پورا سفر دلی تک مولانا سید محمود میاں، مولانا محمد امجد خان کے ہمراہ ہوا۔

اب بس ٹرمینل سے چلے تو راستہ میں بڑا پل ہے۔ اس کے پہلو میں قافلہ نے چلنا شروع کیا۔ تو پہلے چوک پر سبھاش چندر بوس کا مجسمہ نصب تھا۔ جنرل ڈائر نے جلیانوالہ باغ امرتسر میں جو ظلم کا بازار گرم کیا تھا۔ سبھاش چندر بوس نے برطانوی دارالعوام میں جا کر بدلہ لیا۔ اس آزادی کے ہیرو لیڈر کا نام زندہ رکھنے کے لئے اس چوک پر اس کا مجسمہ نصب ہے۔ اوم سنگھ کا مجسمہ بھی نظر آیا۔

مسجد خیر دین امرتسر

گاندھی گیٹ سے بازار میں داخل ہوئے۔ اس بازار کا نام ”ہال بازار“ ہے۔ یہاں پر مسجد و مدرسہ ہے۔ مدرسہ کا نام زینت الاسلام ہے۔ ظہر کی نماز ہو چکی تھی۔ وفد نے مولانا فضل الرحمن کی امامت میں باجماعت نماز پڑھی۔ فقیر نماز سے فراغت کے بعد تجدید وضو کے لئے مسجد

کے ہال سے صحن میں آیا تو مدرسہ کے طالب علموں سے پوچھا کہ مسجد خیر دین کہاں ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہی مسجد خیر دین ہے، جو فقیر کے دل کے جذبات تھے۔ ان کا ٹھکانہ نہ رہا کہ کہاں کھڑا ہوں؟ اس مسجد سے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کی وابستہ یادیں، حضرت مفتی محمد حسن امرتسری رحمہ اللہ، مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ، چودھری غلام نبی رحمہ اللہ گوجرانوالہ، غلام نبی جانباز رحمہ اللہ، شیخ حسام الدین رحمہ اللہ احرار رہنما، جلیانوالہ باغ، عیدگاہ اور پھر اس عیدگاہ میں مرزا قادیانی سے مولانا عبدالحق غزنوی رحمہ اللہ کا مباہلہ۔ نامعلوم کیا کیا یادیں دماغ میں تازہ ہوگئیں۔ اسی مسجد کے قریب ثنائی پریس کا بورڈ ابھی تک موجود ہے۔ جہاں سے مرزا قادیانی کے لتے لیے جاتے تھے۔ بس میں تو اب کھو گیا۔ وفد کے ارکان گاڑیوں کی جانب بڑھے۔ وفد کی گاڑیوں پر جمعیت علماء ہند کے پرچم لہرا رہے تھے۔ الحمد للہ! پرچم نبوی کے زیر سایہ بڑھے اور چلے اور سو چلے۔ جمعیت علماء اسلام پاکستان اور جمعیت علماء ہند کا جھنڈا ایک ہے۔ صرف دھاریاں جمعیت علماء ہند کے جھنڈے میں زیادہ ہیں۔ ورنہ دونوں ایک ہیں۔

اب گاڑیوں پر لگے جھنڈے لہرا رہے ہیں۔ شہر میں جہاں سے قافلے نے رخ کیا۔ لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ منظر دیکھنے کے لئے انگشت بدنداں۔ سب سے آگے گاڑی حضرت مولانا فضل الرحمن کی تھی۔ جسے مولانا سید مودود مدنی چلا رہے تھے۔ مولانا فرنٹ سیٹ پر براجمان، پچھلی سیٹ پر مولانا اسعد محمود اور مولانا عامر۔ اس کے بعد قافلہ کی دیگر گاڑیاں شہر سے چلیں۔ جی ٹی روڈ پکڑا، راستہ میں جالندھر کا سائن بورڈ نظر آیا۔ جالندھر، نکودر، کیا کیا اور کون کون سی یادوں نے مچلنا شروع کیا۔ سنا ہے امرتسر میں تقسیم سے قبل تیرہ سو مساجد تھیں۔ جن میں اب پچاس ساٹھ مساجد آباد ہیں۔ باقی متروکہ جائیداد کے طور پر لوگوں نے الاٹ کروالیں۔ امرتسر، جالندھر میں ہندو آبادی بھی ہوگی۔ لیکن زیادہ تر سکھ آباد ہیں۔ بسوں، ٹرکوں کے ۸۰ فیصد ڈرائیور سکھ ہیں۔ پگڑی سمیت مخصوص وضع۔ ہر طرف وہی نظر آتے ہیں۔

۲۰۱۲ء کی مردم شماری کے مطابق ایک ارب اکیس کروڑ انڈیا کی آبادی ہے۔ ۲۰ رفیصد مسلمان ہیں۔ لیکن پورے ملک میں بکھرے ہوئے، بعض دیہاتوں اور قصبات یا بعض شہروں کے بعض محلوں میں اب بھی مسلمانوں کی اکثریت بتائی جاتی ہے۔ ورنہ مسجدیں نوحہ کناں ہیں کہ نمازی نہ رہے۔ انڈیا میں سب سے زیادہ ہندو آبادی ہے۔ کل ۶۵ رفیصد ہیں۔ ۱۵ رفیصد سکھ اور دیگر اقوام ہیں۔

عید گاہ امرتسر میں مرزا قادیانی سے مولانا عبدالحق غزنوی رحمہ اللہ کا مباہلہ ۲۷ مئی ۱۸۹۳ء کو ہوا۔ مولانا عبدالحق غزنوی رحمہ اللہ کا اشتہار خود قادیانی کتاب تبلیغ رسالت ج ۳، ص ۵۲ پر اور مرزا قادیانی کا اشتہار ''سچائی کا اظہار'' میں تفصیلات ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ مرزا قادیانی ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو مرا۔ مولانا عبدالحق غزنوی رحمہ اللہ مرزا قادیانی کے مرنے کے نو سال بعد تک زندہ رہے۔ آپ کا وصال ۱۶ مئی ۱۹۱۷ء کو ہوا۔

امرتسر سے شمال مشرقی سائیڈ پر دھاریوال، بٹالہ اور قادیان واقع ہیں۔ دھاریوال کے مولانا محمد عبداللہ گورداسپوری رحمہ اللہ تھے۔ جو دھاریوال میں خطیب تھے۔ تقسیم کے بعد بورے والا آگئے۔ دھاریوال میں ایک انگریز نے آزادی سے قبل وولن مل لگائی تھی۔ جس میں آل وول اعلیٰ وعمدہ گرم چادریں تیار ہوتی تھیں۔ دھاریوال چادر آج بھی ہندوستان میں مقبول عام ہے۔ سنا ہے وہ مل آج بھی اسی طرح چل رہی ہے۔ امرتسر سے لدھیانہ جاتے ہوئے جالندھر شہر کو بائی پاس سے دیکھا۔

لدھیانہ ختم نبوت کے نعروں سے گونج اٹھا

عصر و مغرب کی نمازیں سڑک پر واقع پٹرول پمپوں پر پڑھیں۔ جب لدھیانہ میں پہنچے تو عشاء کی نماز ہو چکی تھی۔ لدھیانہ میں جامع مسجد مین بازار میں واقع ہے۔ مجلس احرار الاسلام کے بانی رہنما اور صدر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمہ اللہ کے صاحبزادے مولانا محمد احمد رحمانی رحمہ اللہ یہاں خطیب ہوتے تھے۔ اب ان کے صاحبزادے اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمہ اللہ کے پوتے ہیں۔ ان کا نام بھی دادا کے نام پر حبیب الرحمٰن ثانی ہے۔ پاکستان میں حبیب الرحمٰن ثانی لدھیانوی سے مراد مولانا انیس الرحمٰن لدھیانوی مرحوم کے صاحبزادے ہیں۔ اور انڈیا میں حبیب الرحمٰن ثانی لدھیانوی سے مراد مولانا محمد احمد رحمانی مرحوم کے صاحبزادے ہیں۔ وہ اسی لدھیانہ کی مسجد کے خطیب و متولی ہیں۔

پاکستان میں حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ کی زندگی میں ''شاہ جی'' سے مراد آپ ہوتے تھے۔ آپ کے وصال کے بعد بھی احرار اور ختم نبوت کے حلقہ میں لفظ ''شاہ جی'' سے مراد حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ ہی ہوتے ہیں۔ لیکن تنظیم اہل سنت کے حلقہ میں ''شاہ جی'' سے مراد ''مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ'' ہوتے اور اشاعتی حلقہ میں ''شاہ جی'' سے مراد ''سید عنایت اللہ'' ہوتے تھے۔

مولانا رحمانی مرحوم کی قبر مبارک بھی اسی مسجد میں ہے۔ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی مرحوم کے آباء کرام مولانا محمد لدھیانوی ؒ، مولانا عبداللہ لدھیانوی ؒ مولانا عبدالقادر لدھیانوی ؒ جہاں سے انہوں نے اولاً مرزا قادیانی کے خلاف فتویٰ کفر جاری کیا۔ وہ مسجد اس مسجد کے علاوہ ہے۔ یہ مسجد بازار میں ہے۔ وہ محلّہ میں ہے اور آباد ہے اور اب بھی لدھیانوی خاندان ہی کے پاس اس کا نظم و اہتمام ہے۔

مولانا حبیب الرحمٰن ثانی لدھیانوی کے دست راست آپ کے صاحبزادہ عثمان صاحب ہیں۔ جو خوب متحرک اور لدھیانہ کی روایات کے امین ہیں۔ جدید تعلیم یافتہ ہیں۔ اس وقت انڈیا حکومت کے وقف بورڈ کے رکن رکین ہیں۔ پنجاب میں مساجد کی آبادی کے لئے ان کی خدمات قابل رشک ہیں۔ رئیس الاحرار کے پوتے اور پڑپوتے، باپ اور بیٹا نے مجلس احرار الاسلام ہند کو متحرک رکھا ہوا ہے۔ یہاں سے ایک پرچہ شائع کرتے ہیں۔ ختم نبوت کا کام اس علاقہ میں بڑے دھڑلے سے کر رہے ہیں۔ قادیانیت ان کے نام سے متوحش ہو جاتی ہے۔ ان کے نام و کام کے تذکرے بہت سنے۔ خیر سے یہاں انڈیا کی احرار الاسلام کی بھی جمعیت العلماء ہند سے نہیں بنتی۔ تصادم تو نہیں۔ لیکن باہمی یکجہتی کی کیفیت بھی نہیں۔ مولانا حبیب الرحمٰن ثانی نے حضرت مولانا سید محمود مدنی سے درخواست کر کے ۱۱ر دسمبر کا کھانا اپنے ہاں رکھ لیا تھا۔ یہاں سے وفد نے گزرنا تھا تو ظہرانہ کا نظم یہاں کا تھا۔ لیکن وفد اتنا لیٹ ہو گیا کہ بجائے ظہر کے عشاء کے بھی بعد لدھیانہ پہنچا۔ اب جونہی بارہ گاڑیوں کا قافلہ مسجد کے چوک میں پہنچا۔ وہاں پر موجود جم غفیر نے ''ختم نبوت زندہ باد'' کے نعروں سے پوری فضاء کو مرتعش کر دیا۔ پھول نچھاور ہو رہے ہیں۔ نعرے لگ رہے ہیں۔ استقبال ہو رہا ہے۔ ''اللہ اکبر'' کے نعروں نے توحید کے متوالوں کے چہروں کی رونق کو سراپا نور بنا دیا ہے۔

مولانا مفتی زاہد ایڈیٹر ماہانہ ''الجمعیت'' راولپنڈی نے مجھے فرمایا کہ: ''خوب رہا۔ وفد جمعیت علماء اسلام کا، دعوت جمعیت علماء ہند کی اور نعرے لگ رہے ہیں ختم نبوت زندہ باد کے۔ اب بھی امت کی ختم نبوت کے مسئلہ پر بیداری و وارفتگی منکرین ختم نبوت کو سمجھ نہ آئے تو انہیں پھر خدا ہی سمجھے۔''

انڈیا میں سکھوں نے کرپان رکھنا اپنا شعار بنا لیا ہے۔ جو اب آں غزل میں مولانا

حبیب الرحمٰن ثانی نے تلوار رکھنے کا اپنا حق حکومت سے منوالیا ہے۔ وہ تلوار ہر جگہ اپنے ساتھ رکھتے ہیں اور انڈیا میں ''تلواروالے مولوی'' کے نام سے مشہور ہیں۔ انہوں نے استقبالیہ میں خوبصورت فریم شدہ تلوار اور کشمیری شال مولانا فضل الرحمٰن کے حضور پیش کی۔ آپ نے اسے قبول کیا۔ محض اظہار محبت کے یہ لمحات بہت سی یادوں کو جمع کرنے کا باعث بن گئے۔ مولانا فضل الرحمٰن نے امامت کرائی۔ وفد نے نماز عشاء ادا کی۔ عشائیہ میں وفد نے شرکت کی۔ بعد میں ان کے دفتر میں چائے کا دور چلا۔ مستقیم صاحب اور عثمان صاحب فقیر کے قریب آکر بیٹھ گئے۔ ختم نبوت کے کام کی رفتار سے مطلع کرتے رہے۔ وفد کو ختم نبوت پر شاندار کتابوں کا ایک ایک سیٹ پیش کیا گیا۔

چندی گڑھ کے لئے روانگی

مشورہ ہوا کہ چندی گڑھ براستہ سرہند شریف جائیں یا ابھی ڈائریکٹ چندی گڑھ جائیں اور پھر کل صبح سرہند شریف حاضری ہو۔ طے ہوا کہ رات کی بجائے صبح تسلی سے سرہند شریف حاضری ہو۔ چنانچہ عثمان لدھیانوی نے فرمایا کہ آپ چندی گڑھ جائیں۔ کل میں لدھیانہ سے سرہند شریف پہنچ کر آپ کا استقبال کروں گا اور وفد کی آمد سے قبل تمام نظم طے شدہ آپ کو ملے گا۔ لدھیانہ سے وفد چندی گڑھ کے لئے روانہ ہوا۔ راستہ میں جی ٹی روڈ پر پھگواڑہ، کرتار پورہ کے بورڈ آتے رہے۔ رات کا وقت تھا۔ سڑک اچھی تھی۔ ہمارے جی ٹی روڈ کی طرح ہائی وے۔ رات ۱۲ بجے کے بعد چندی گڑھ میں داخل ہوئے۔

تقسیم کے وقت غالباً ۱۹ اضلاع پنجاب کے پاکستان کو ملے۔ چھ ضلع انڈیا کے حصہ میں آئے۔ وہ چھ اضلاع اتنے بڑے ہیں کہ اس وقت نہ معلوم ان کے کتنے ضلع بن گئے۔ ان چھ اضلاع پر مشتمل پہلے صوبہ پنجاب تھا۔ جسے مشرقی پنجاب کہتے تھے۔ اب اس کے بھی دو صوبے بنا دیئے گئے ہیں۔ پنجاب اور ہریانہ۔ لیکن دلچسپی کا امر یہ ہے کہ ان دونوں صوبوں کی صوبائی اسمبلیاں چندی گڑھ میں واقع ہیں۔ گویا چندی گڑھ دونوں صوبوں کا دارالحکومت ہے۔ چندی گڑھ اپنی وضع وہیئت کے اعتبار سے پاکستان کا اسلام آباد سمجھ لیجئے۔ اس طرح کھلی سڑکیں، خوبصورت عمارتیں، پہاڑوں کے درمیان گھرا ہوا۔ وفد کا ''گولڈن ایپل ہوٹل'' میں قیام تھا۔

شہر سے ہٹ کر پہاڑوں کے دامن میں کھیتوں کے درمیان ہوٹل کی عمارت۔ رات تو اندازہ نہ ہوا۔ صبح اٹھ کر جائزہ لیا تو سمجھ میں آیا کہ بہت خوبصورت محل وقوع ہے اور اس کا انتخاب اچھے ذوق کا مظہر ہے۔

مولانا رشید احمد لدھیانوی نے میرا پاسپورٹ پکڑا اپنے ساتھ ہی کمرہ بک کرالیا۔ انہوں نے سامان کی نشاندہی کی۔ ان کا سامان ہوٹل کے عملے نے اٹھایا اور کمرہ میں پہنچا دیا۔ فقیر نے تو اپنا سامان گاڑی میں ہی رہنے دیا۔ رات ایک بجے کے لگ بھگ سوئے۔

۱۲ر دسمبر کی مصروفیات

۱۲ر دسمبر صبح ہوٹل کے کمرے میں نماز باجماعت ادا کی۔ مولانا رشید احمد لدھیانوی امام الصلوۃ بنے۔ فقیر ان کا اکلوتا مقتدی ٹھہرا۔ نماز کے بعد چائے، کافی، کا جملہ سامان ہوٹل میں موجود تھا۔ الیکٹرک چینک تھی۔ فقیر نے کافی تیار کی۔ مولانا لدھیانوی نے نوش فرمائی۔ اچھا بنانے کی تعریف کی تو میری جان میں جان آئی۔ اب پسندیدہ موضوعات پر گفتگو شروع ہوگئی۔ گھنٹہ بھر تبادلہ خیال ہوتا رہا۔ یکے بعد دیگرے غسل کیا۔ وضو، تازہ کر کے ابھی مکمل تیار بھی نہ ہونے پائے تھے کہ انٹرکام پر پیغام ملا کہ دوسری منزل پر واقع ڈائننگ ہال میں ناشتہ تیار ہے۔ ہم چوتھی منزل سے دوسری منزل پر آئے تو وفد کے قریباً جملہ اراکین تشریف لا چکے تھے۔ اپنی اپنی مرضی کا ماحضر سے انتخاب کر کے ناشتہ کیا۔ میری مدد مولانا عبدالقیوم نعمانی کے صاحبزادہ ابوبکر اور حضرت مولانا امجد خان مدظلہ نے کی۔ جو لاکر رکھا، فقیر نے کھالیا۔ ورنہ مابدولت کو تو ان ہوٹلوں کے آداب کا بھی پتہ نہیں۔ ناشتہ پر بھی تبادلہ خیال ہوتا رہا۔ ناشتہ سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں آئے۔ تھوڑی دیر بعد اطلاع ملی کہ گاڑیاں تیار ہیں۔ نیچے آجائیں۔ کاؤنٹر سے پاسپورٹ وصول کئے۔ گاڑیوں میں جا بیٹھے۔

پنجور گارڈن اورنگزیب عالمگیر کی یادگار

چنڈی گڑھ سے پنجور گارڈن جانا تھا۔ جونہی مین روڈ پر آئے، سامنے پہاڑ نظر آئے تو ڈرائیور نے بتایا کہ یہ شملہ کے پہاڑ ہیں۔ جو یہاں سے سوکلومیٹر پر واقع ہے۔ گاڑیاں دوڑتی رہیں۔ راستہ میں بندروں کے غول کے غول سڑک پر دیکھے۔ جو آنے جانے والوں سے بے نیاز اپنی اچھل کود میں مصروف تھے۔ کھلے بندوں ان کا اس طرح آزادانہ گھومنا پھرنا نئی چیز تھی۔ اتنے میں پنجور نامی گاؤں کے باغ میں پہنچے۔ باغ اورنگزیب عالمگیر کا بنایا ہوا ہے۔ ۱۷ویں صدی میں یہ تعمیر کیا گیا۔ جناب فدا خان نے ڈیزائن کیا۔ انہوں نے شاہی مسجد لاہور بھی ڈیزائن کی تھی۔ یہ باغ آج بھی اسی طرح اپنے بنانے والوں کی عظمتوں کا اعلان کر رہا ہے۔ قسم قسم کے پھل دار،

پھول دار، سایہ دار، مسحور کن، بلند و بالا، رنگ برنگے درخت۔ باغ میں قائم عمارتیں فن تعمیر کا شاہکار، آج بھی بڑے ذوق وشوق سے لوگ اس کے نظارے سے دل بہلاتے ہیں۔ ہمارا وفد تمام سیاحوں کی نظروں کا مرکز رہا۔ یہ دیکھ کر حیرت انگیز خوشی ہوئی کہ پرائمری سکول کے طلباء کا ایک گروپ آیا ہوا تھا۔ اس میں مسلمان، سکھ، ہندو، تمام طلباء شامل تھے۔ باہمی اس طرح محبتوں سے سرشار کہ بہت ہی حیران کن۔ اس ماحول میں فقیر کھو گیا۔ ہمارے ہاں تو خیر سے اسلام کے نام سے موسوم فرقے ہی باہمی دست بگریبان۔ خون اتری آنکھوں سے ایک دوسرے سے برتاؤ کرتے ہیں۔ کیا دنیا میں جینے کے یہی لچھن ہوتے ہیں؟۔ باغ میں گھومے، عمارتوں کو دیکھا، اس کے تالاب وفوارے دیکھے۔ بڑوں کی بڑی باتیں۔ مغل بادشاہ واقعی یادگاریں قائم کرنے میں بھی بادشاہ تھے۔

یاد رہے چندی گڑھ کو تین صوبوں کی سرحد لگتی ہے۔ پنجاب، ہریانہ، ہماچل۔ گھنٹہ ڈیڑھ بعد یہاں سے چلے تو دوبارہ چندی گڑھ کے راستہ سے سرہند شریف جانے کے لئے وفد رواں دواں ہوا۔ راستہ میں کھرڑ، پٹیالہ، راجواڑہ کے بورڈ بھی نظر آئے۔ ایک ہوٹل پر چائے کے لئے رکے۔ پچاس کلومیٹر کا سفر ہوگا یہاں سے سرہند شریف کا۔

سرہند شریف مزار مبارک پر حاضری

جب وہاں پہنچے تو ظہر کی نماز ہو چکی تھی۔ سرہند شریف خانقاہ مبارک کی قدیمی تاریخی مسجد میں مولانا فضل الرحمن نے امامت کرائی۔ میرے ایسے جن لوگوں نے تازہ وضو بنانا تھا وہ بعد میں مولانا قاری محمد حنیف جالندھری کی امامت میں ادائے فرض سے سبکدوش ہوئے۔ نماز سے فارغ ہوئے تو موجودہ سجادہ نشین سرہند شریف جناب خلیفہ محمد صادق رضا مجددی کے ظہرانہ میں وفد نے شرکت کی۔ یہاں سے فارغ ہوتے ہی مزارات پر حاضری دی۔ مہمان خانہ سے مسجد کو جائیں تو مسجد کے مین گیٹ میں داخل ہونے کے بجائے گیلری سے سیدھے جائیں۔ صحن سے گزرتے ہی آپ حضرت شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی ؒ کے مزار پر ہیں۔ آپ کے مزار مبارک کے حجرہ شریفہ میں آپ کے دو صاحبزادے خواجہ محمد صادق ؒ اور حضرت خواجہ محمد سعید ؒ بھی مدفون ہیں۔

قائد جمعیت کا حضرت مجدد ؒ کے مزار پر مراقبہ

مولانا فضل الرحمٰن تو حجرہ مبارکہ میں داخل ہوتے ہی حضرت مجدد ؒ کی پائنتی کی جانب سر جھکائے، دونوں ہاتھوں سے اپنے منہ کو چھپائے، دعا کرنے کے انداز میں گردن نیچی کئے ایسے بیٹھے کہ خاصہ وقت گزر گیا۔ آپ کے پاس پہلو میں پہلے مولانا عبدالغفور حیدری بیٹھے تھے۔ وہ اٹھے تو مولانا خالد محمود سومرو بیٹھ گئے۔ سب سے آخر میں مولانا فضل الرحمٰن کیفیت دعا یا مراقبہ سے فارغ ہوئے تو آنکھیں سرخ تھیں اور چہرہ پر احترام ومحبت کی کیفیات۔ اس دوران مولانا امداد اللہ، مولانا قاری محمد حنیف جالندھری، مولانا زاہد الراشدی باری باری دعا کے لئے آتے رہے۔ فقیر بت بنا کھڑا رہا۔ یہاں سے فارغ ہوئے تو حضرت خواجہ محمد معصوم ؒ کے مزار مبارک پر حاضری دی۔ جو حضرت مجدد ؒ کے مزار سے ہٹ کر بجانب قبلہ دو ایکڑ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ خانقاہ سے کچھ دور حضرت مجدد ؒ کے والد گرامی ؒ کا مزار مبارک ہے۔ وہ کچھ فاصلہ پر تھا۔ وہاں نہ جاسکے۔ عصر کی نماز سرہند شریف مسجد میں باجماعت پڑھی۔ اب سجادہ نشین صاحب، مولانا فضل الرحمٰن اور دوسرے چند حضرات کو اپنے گھر لے گئے۔ وہاں چائے پلائی اور اجازت ملی تو وفد روانہ ہوا۔ اب وفد نے سہارنپور جانا ہے۔

لیکن ٹھہریئے! مجھے سرہند میں تھوڑی دیر اور رکنا ہے۔

سرہند شریف مسجد ومزار کے احاطہ میں داخل ہوں تو خانقاہ شریف کے دروازہ پر سامنے سڑک کے اس پار گردوارہ ہے۔ بہت ہی خوبصورت ووسیع اور خاصا پررونق۔ فتح گڑھ کے نام پر گردواروں کا شہر آپ قرار دے لیں تو حرج نہیں کہ بہت ہی کثرت سے گردوارے ہیں۔ ہاں میں بھول گیا کہ جب ہمارا وفد خانقاہ شریف میں داخل ہوا تو مزار مبارک حضرت مجدد ؒ پر سکھ حضرات بھی احترام میں کھڑے تھے اور دعائیں کررہے تھے۔ معلوم ہوا کہ غیر مسلم بھی کثرت سے یہاں دعا کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ سچ ہے کہ اللہ والوں کی محبت لوگوں کے دلوں پر آسمانوں سے اترتی ہے۔

مزار مبارک کا محل وقوع

وہاں صحن میں ایک دروازہ لگا تھا۔ معلوم ہوا کہ حضرت مجدد صاحب ؒ کے اصل مزار پر جانے کے لئے سرنگ کے منہ پر یہ دروازہ ہے۔ یہاں سے نیچے جانا پڑتا ہے۔ جہاں ہم نے دعا

کی وہ گراؤنڈ فلور کا مزار ہے۔ بعینہ اصل کے اوپر۔ اصل تہہ خانہ میں ہے جسے سرنگ کے ذریعہ راستہ جاتا ہے۔ اصل مزارات آج بھی کچے سادہ سنت وشریعت کے مطابق ہیں۔ اس سے آپ کے ماحی بدعت ہونے کی ادا مبارک کو حق تعالیٰ نے مزار شریف کے ذریعے بھی محفوظ رکھا ہوا ہے۔ جہاں ہم نے سلام عرض کیا۔ اس کمرہ کے اوپر بھی کمرہ ہے۔ اس میں بھی مزارات بنائے گئے ہیں۔ عرس کے دنوں میں فرسٹ فلور، گراؤنڈ فلور پر لوگ سلام عرض کرتے ہیں۔ اصل مزار مبارک کچا اور سادہ تہہ خانے میں واقع ہے۔ ہماری وہاں موجودگی میں عصر کی اذان ہوئی۔ آج بھی حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ کے مزار مبارک کی مسجد شریف میں صلوٰۃ وسلام کے بغیر اذان ہوتی ہے۔ خلیفہ صاحب یعنی سجادہ نشین ہمارے وفد کے ہمراہ رہے۔ آپ نے بہت ہی عزت دی۔ یہ سب صحیح العقیدہ ہیں۔ مزار شریف جاتے ہوئے بہت دکانیں ہیں۔ اس میں مکتبے بھی ہیں۔ لیکن وفد کے پاس وقت نہ تھا۔ طائرانہ نظر تو پڑی، تفصیلی جائزہ کا موقع نہ ملا۔ آج حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ کے مزار مبارک پر ہمارے حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب رحمہ اللہ صرف یاد ہی نہیں آئے۔ بلکہ آپ کی یادوں اور حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ کے قدموں کے درمیان کھو گیا۔ بظاہر کہ کھڑا تھا۔ ارے سوچو تو سہی! سعادت مندی کہاں لے آئی؟ آل، اولاد، جماعت، رفقاء کے لئے رب کریم کے حضور بھیک مانگی۔ خوب مانگی اور امید ہے کہ میں نے اپنے حساب سے مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے بے حساب عنایت فرمائی ہوگی۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں افسانہ نہ بن جائے۔ ورنہ دل کی کیفیت تو سوا ہے۔

حضرت مجدد رحمہ اللہ کے مختصر حالات

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی ولادت باسعادت شوال ۹۷۱ھ مطابق جون ۱۵۶۳ء میں ہوئی۔ سرہند شریف آپ کی ولادت سے دوسو برس پہلے سے آباد چلا آرہا ہے۔ اس کا قدیم نام سہرند تھا۔ سہ ہندی میں شیر کو کہتے ہیں۔ رند کے معنی جنگل ہیں۔ سہرند کا قریب المخرج سرہند ہوا۔ یا یہ کہ ایک زمانہ میں یہ شہر غزنویوں اور ہندوؤں کے لئے سرحد کا کام دیتا تھا۔ اس لئے سرہند کہلایا۔ ۱۱۵۱ء میں سلطان محمد غوری نے اسے فتح کیا۔ فیروز شاہ تغلق نے اسے ترقی دی۔ بابر اور ہمایوں بھی سرہند آئے۔ یہاں سے دہلی دوبارہ جا کر تخت وتاج سنبھالا۔ عہد مغلیہ میں ۳۶۰ مساجد، سرائے، کنویں اور مقبرے پائے جاتے تھے۔ حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ نے بھی وسیع

کلمات اپنے شہر کے متعلق استعمال کیے۔ (دعوت وعزیمت ج ۴ ص ۱۲۶) آج باقی مساجد تو اپنی جگہ، خود حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے والد گرامی کے مزار شریف کے قریب کی مسجد کی ویرانی دیکھی نہیں جاتی۔ یہ مجھے ایک دوست نے بتایا۔ کہاں مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ یاد آئے۔ آپ نے تقسیم کے وقت دہلی جامع مسجد سے مسلمانوں کو ترک وطن سے منع کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ: ''تم تو جا رہے ہو۔ ان مساجد کو کن کے سپرد کر کے جا رہے ہو۔ تم چلے گئے تو ان لاکھوں مساجد کا کیا بنے گا؟'' قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا سلسلہ نسب ۳۱ واسطوں سے حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ نسباً فاروقی ہیں۔ شاہ ابوالحسن زید فاروقی نے ۲۸ واسطوں کا ذکر کیا ہے۔ (ایضاً ص ۱۲۸ حاشیہ)

غرض فاروقی المنسب قریشی ہیں۔ آپ کے والد گرامی کا نام مخدوم عبدالاحد رحمہ اللہ ہے۔ حضرت مجدد صاحب کے پندرھویں جد شہاب الدین علی فرخ شاہ کابلی رحمہ اللہ تھے۔ انہیں کے سلسلہ سے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمہ اللہ بھی ہیں۔ حضرت مجدد صاحب کے جد سادس امام رفیع الدین، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سید جلال بخاری (وفات ۷۸۵ھ) اوچ شریف کے امام الصلوٰۃ اور خلیفہ تھے۔ مخدوم سید جلال بخاری رحمہ اللہ نے امام رفیع الدین کو سرہند شریف بھیجا تھا اور انہوں نے آپ کے حکم پر یہاں قیام فرمایا۔ (ایضاً ص ۱۳۰)

حضرت مجدد رحمہ اللہ کے والد گرامی

حضرت مجدد رحمہ اللہ کے والد گرامی حضرت مخدوم شیخ عبدالاحد رحمہ اللہ، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی چشتی صابری رحمہ اللہ سے بیعت تھے۔ حضرت عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ کے بعد حضرت کے خلیفہ رکن الدین رحمہ اللہ سے خلافت حاصل کی۔ ان دو بزرگوں کے علاوہ شاہ کمال کیتھلی رحمہ اللہ سے بھی آپ کا ربط خاص تھا۔ حضرت مخدوم عبدالاحد رحمہ اللہ ظاہری و باطنی علوم کے ماہر تھے۔ علم شریعت بڑی عمر میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ کے حکم پر حاصل کیا۔ آپ نے جون پور، بنگال میں طلب علم کے لئے سفر کیے۔ حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ اپنے والد کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: ''تمام علوم میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ لیکن فقہ و اصول فقہ میں آپ کی نظیر نہ تھی۔ فقہ کے درس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی علوشان، جلالت، و امامت کو نمایاں اور عیاں کرتے تھے۔'' حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''میں نے بارہا اپنے والد سے سنا کہ اہل بیت

کرامؓ کی محبت کو ایمان کی حفاظت اور حسن خاتمہ میں بڑا دخل ہے۔ جب والد صاحب کو سکرات شروع ہوئی تو میں نے آپ کو یاد دلایا۔ فرمایا الحمد للہ والمنۃ! کہ میں اس محبت میں سرشار اور اس دریائے احسان میں غرق ہوں۔

الٰہی بحق بنی فاطمہ، کن بر ایمان خاتمہ

(زبدۃ المقامات ص ۱۳۳)

جو بدنصیب خارجی، سیدنا علیؓ، سیدنا حسینؓ، سیدنا مہدی علیہ الرضوان کے متعلق دلخراش، بیہودہ یاوہ گوئی کرتے ہیں۔ قارئین کرام یقین فرمائیں کہ ان ملاعنہ سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔

حضرت مجدد صاحب ؒ کے والد گرامی کا وصال ۱۰۰۸ھ میں ہوا۔ سرہند شریف مزار مجدد صاحب ؒ سے مغربی جانب ایک میل پر آپ کا مزار واقع ہے۔ حضرت مجدد صاحب ؒ کے چھ بھائی تھے۔ حضرت مجدد صاحب ؒ نے شاہ کمال کیتھلی ؒ کا دور بچپن میں پایا۔ حضرت شاہ کمال ؒ آپ پر کمال درجہ توجہ فرماتے تھے۔ والد صاحب کے ساتھ ان کی خدمت میں جاتے تھے۔ حضرت مجدد صاحب ؒ نے تھوڑی مدت میں تکمیل حفظ قرآن کی سعادت حاصل کی۔ پھر والد صاحب ؒ سے علوم عربی پڑھے۔ مولانا کمال کشمیری ؒ جو سیالکوٹ میں مقیم تھے اور معروف علامہ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی ؒ کے بھی استاذ تھے۔ ان سے بھی حضرت مجدد صاحب نے منتہی کتب پڑھیں۔ شیخ ابن حجر ہیثمی مکی ؒ محدث کے شاگرد شیخ یعقوب صرفی کشمیری ؒ سے حضرت مجدد صاحب ؒ نے علم حدیث حاصل کیا۔ آپ اپنے والد گرامی کی زندگی میں تمام علوم حاصل کر چکے تھے۔ آپ نے درس و تدریس کا بھی سلسلہ قائم کیا۔ آگرہ بھی گئے۔ ابوالفضل وفیضی سے بھی ملاقات رہی لیکن اختلاف ذوق و مسلک کی وجہ سے مناسبت نہ ہوئی۔ تاہم فیضی آپ کے تبحر علمی کا نہ صرف قائل تھا بلکہ استفادہ بھی کرتا تھا۔ (ایضاً ص ۳۰)

آگرہ قیام طویل ہوا تو حضرت مجدد صاحب ؒ کو آپ کے والد گرامی شیخ عبدالاحد ؒ آگرہ سے جاکر سرہند لے آئے۔ اس سفر میں سرہند و آگرہ کے درمیان تھانیسر میں قیام ہوا۔ تو تھانیسر کے حاکم شیخ سلطان ؒ کے ہاں قیام ہوا۔ اشارہ غیبی ہوا یا حضرت مجدد صاحب ؒ کے اخلاق، خصوصیات کی بناء پر حاکم نے حضرت مجدد صاحب ؒ سے اپنی بیٹی

کا عقد کرنے کی سعادت حاصل کی۔ یوں شیخ عبدالاحد رحمہ اللہ اپنے بیٹے حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے ساتھ اپنی بہو کو بھی بیاہ کر سرہند تشریف لائے۔ سرہند پہنچ کر حضرت والد صاحب رحمہ اللہ سے حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ نے علوم ظاہری و باطنی کا اکتساب جاری رکھا۔

حضرت مجدد رحمہ اللہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ کی خدمت میں

والد صاحب رحمہ اللہ سے بھی سلسلہ چشتیہ و قادریہ کا سلوک مکمل کیا۔ والد صاحب رحمہ اللہ کے وصال کے بعد ۱۰۰۸ھ میں حج کے سفر کے ارادہ سے دہلی آئے تو حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ کا اصل نام رضی الدین ابوالموید محمد باقی بن عبدالسلام خلجی رحمہ اللہ ہے۔ مشہور خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ کابلی ثم دہلوی کے نام سے ہوئے۔ آپ ۹۷۱ھ کو کابل میں پیدا ہوئے۔ آپ نے متعدد مشائخ سے کسب فیض کیا اور نقشبندی سلسلے کے امام قرار پائے۔ قلعہ فیروزی دہلی میں بڑی نہر اور بڑی مسجد تھی۔ وہاں وفات تک مقیم رہے۔

سلسلہ نقشبندیہ کا چشمہ فیض

سلسلہ نقشبندیہ ہندوستان میں دو ذرائع سے پھیلا۔ خواجہ عبیداللہ احرار رحمہ اللہ کے بھتیجے خواجہ امیر ابوالعلاء اکبرآبادی رحمہ اللہ کے ذریعے سے جو سلسلہ چلا اس میں چشتیہ و نقشبندیہ باہم مخلوط ہیں۔ دوسرا طریق حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ کا ہے۔ اصلاً سلسلہ نقشبندیہ یہی ہے جو اختلاط سے مبرا ہے۔ خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ کے خلیفہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے ذریعے پورے عالم میں اس سلسلہ کا فیض چلا۔ خواجہ باقی باللہ نے ۱۰۱۴ھ میں دہلی چالیس سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ دہلی مغربی میں قدم رسول کے قریب آپ کا مزار ہے۔ جو زیارت گاہ خلائق ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ، حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ سے کیا ملے، گویا مرشد اپنے مرید کے انتظار میں تھا۔ حضرت خواجہ رحمہ اللہ بڑے دیرآشنا طبیعت کے مالک تھے۔ لیکن یہاں تو اللہ رب العزت کو منظور ہی یہ تھا کہ حضرت خواجہ رحمہ اللہ کے ذریعے حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ سے تجدید کا کام لینا تھا۔ حضرت خواجہ رحمہ اللہ نے خود فرمایا کہ آپ ہمارے پاس چند روز مہمان رہیں، ایک ماہ، ایک ہفتہ ہی سہی۔ حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ نے حامی بھرلی۔ ڈیڑھ ماہ حضرت خواجہ رحمہ اللہ کی خدمت میں رہے۔ پہلے دن شیخ نے توجہ دی تو حضرت مجدد صاحب کا ذکر قلبی کا لطیفہ جاری ہوگیا۔ روز بروز تصوف کے مراتب درجہ بدرجہ طے ہوتے رہے۔ حضرت خواجہ رحمہ اللہ نے ایک روز فرمایا کہ تمہیں نسبت نقشبندیہ کامل طور پر

حاصل ہوگئی۔ آپ سرہند آ گئے۔ دوبارہ شیخ سے ملنے دہلی گئے۔ تو خرقہ خلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔ تیسری بار گئے تو حضرت خواجہ رحمہ اللہ نے دہلی سے باہر نکل کر آپ کا استقبال کیا۔ حضرت خواجہ رحمہ اللہ نے اس بار فرمایا کہ اب امید حیات کم ہے۔ اپنے کم سن بیٹوں اور اہلیہ کی تربیت کا حکم فرمایا اور ساتھ ہی خوشخبری دی کہ آپ ایسا چراغ بنیں گے جس سے ایک عالم روشن ہوگا۔ ایک مرتبہ حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: ''شیخ احمد رحمہ اللہ وہ آفتاب ہیں جن کی روشنی میں ہم جیسے ہزاروں ستارے گم ہیں۔'' حضرت مجدد رحمہ اللہ سرہند میں رہے۔ زیادہ وقت گوشہ نشینی میں گزرا۔ ہندوستان میں دہلی کے بعد لاہور دوسرا بڑا مرکز علمی ہوتا تھا۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ سرہند سے لاہور تشریف لائے۔ مولانا طاہر لاہوری رحمہ اللہ اور دیگر حضرات آپ سے بیعت ہوئے۔ حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ لاہور میں تھے کہ دہلی میں حضرت خواجہ رحمہ اللہ کا وصال ہوگیا۔ آپ لاہور سے سیدھے دہلی گئے۔ سرہند راستہ میں تھا مگر گھر نہ گئے۔ مرشد کے مزار پر گئے۔ حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ کے عزیزان و مریدین سے تعزیت کی۔ چند روز دہلی میں رہے۔ خانقاہ حضرت خواجہ کی رونقیں بحال ہوگئیں۔ پھر سرہند آئے۔ اس کے بعد صرف ایک بار دہلی آئے۔

دین اکبری کا قلع قمع

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا مجددانہ کام دین اکبری کا قلع قمع کرنا تھا۔ گوالیار کی اسیری و نظر بندی کے ابتلاء سے آپ گزرے۔ اس وقت حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ کی مقبولیت کا اس سے اندازہ کریں کہ آپ کے ایک خلیفہ مولانا سید آدم بنوری رحمہ اللہ لاہور تشریف لائے تو دس ہزار علماء، مشائخ و سادات نے آپ کا استقبال کیا تھا۔ اگر مرید کی مقبولیت کا یہ عالم ہے تو شیخ کی مقبولیت کا کیا عالم ہوگا؟۔ آپ کی گرفتاری جہانگیر کے حکم سے ربیع الثانی ۱۰۲۸ھ کو ہوئی۔ آپ کی حویلی، سرائے، کنواں اور کتابیں ضبط کرلی گئیں۔ اور متعلقین کو یہاں سے منتقل کردیا گیا۔ دو برس آپ مقید رہے۔ اس دوران سینکڑوں بت پرستوں نے اسلام قبول کیا۔ اور سینکڑوں قیدی تائب ہوئے۔ قلعہ گوالیار اور شاہی لشکر سے واپسی کے بعد اجمیر شریف میں بھی چند روز رہے۔ آپ کے صاحبزادہ خواجہ محمد سعید رحمہ اللہ اور خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ یہاں آپ سے ملے۔ آپ کے تجدیدی کارناموں کے لئے مولانا علی میاں رحمہ اللہ کی کتاب تاریخ دعوت و عزیمت جلد چہارم کا مطالعہ کریں۔ آپ کا وصال ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ کو ہوا۔ آپ کے صاحبزادہ خواجہ محمد صادق رحمہ اللہ کا آپ کی

زندگی میں وصال ہوا۔ خواجہ محمد سعید ؒ، خواجہ محمد معصوم ؒ آپ کے صاحبزادگان اور دیگر خلفاء کے ذریعے آپ کے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے فیوض و برکات کل عالم کو پہنچے۔

وفد کی سہارنپور میں حاضری

وائے عاشقی! میں کہاں کہاں سے گزر گیا۔ چلئے واپس چلتے ہیں۔ سرہند شریف سے چل کر آگے قافلہ کی منزل سہارنپور تھی۔ شیخ الحدیث، برکۃ العصر، حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی ؒ کے جانشین حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی کے ہاں حاضری تھی۔ اور عشائیہ تھا۔ سرہند شریف سے چلے۔ راستہ میں انبالہ سے گزرے۔ مغرب بھی کسی پٹرول پمپ پر حضرت قائد محترم کی امامت میں پڑھی۔ عشاء کے بعد سہارنپور پہنچے۔ میرے مخدوم حضرت مولانا سید محمود میاں نے راستہ میں بتایا کہ سہارنپور کا اصل نام شاہ ہارون پور تھا۔ وہ اس شہر کے بانی تھے۔ زمانہ گزرنے سے شاہ ہارون پور سے سہارنپور ہوگیا۔ اس طرح آپ نے بتایا کہ لاہور میں ایک گیٹ ''مستی گیٹ'' ہے۔ اس کا اصل نام مسجدی گیٹ تھا۔ اس گیٹ کے ساتھ مسجد ہے۔ مسجد کو پنجابی میں مسیت کہتے ہیں۔ تو مسیتی گیٹ ہوا۔ پھر آگے چل کر ''مستی گیٹ'' ہوگیا۔

رات عشاء کے بعد سٹی منظر میں واقع حضرت شیخ الحدیث ؒ کے مکان پر حاضر ہوئے۔ حضرت مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری استاذ الحدیث، ناظم مظاہر العلوم کی سربراہی میں مدرسے کا عملہ، منتہی طلباء اور خواص استقبال کے لئے جمع تھے۔ ایک ایک گاڑی مکان کے دروازہ پر لگتی، مہمان اترتے۔ مصافحہ و معانقہ ہوتا۔ مہمان گھر کی طرف روانہ ہوتے پھر دوسری گاڑی لگتی۔ جب ہماری گاڑی لگی، فرنٹ سیٹ سے مولانا امجد خان اترے۔ استقبال ہوا۔ اس کے بعد فقیر نے دروازہ کھولا۔ اترنے کے لئے سنبھلا۔ گاڑی سے سر نکالا تو مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری نے پہچان لیا۔ بڑی محبت سے اعلان کرتے ہوئے خوب زور زور سے فرمار ہے ہیں: ''لو ہمارے مولانا اللہ وسایا بھی آ گئے۔'' اب طلباء اور اساتذہ نے فقیر کو گھیر لیا۔ حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی سے ملے۔ فقیر ابھی بیٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ ایک دفعہ پھر ارتعاش پیدا ہوا کہ میر کارواں قائد محترم حضرت مولانا فضل الرحمن تشریف لائے۔ حضرت مولانا طلحہ کاندھلوی نے بازو آپ کے گلے میں حمائل کیے۔ اس منظر کو دیکھ کر محبت کے مارے آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ اب تمام آ چکے تو حضرت مولانا محمد شاہد صاحب نے مجھے فرمایا کہ رائیونڈ سے واپسی پر ''احتساب قادیانیت'' کی باون جلدیں لے کر آیا تھا۔ بارہ ہزار جہاز والوں کو کتاب کا کرایہ دینا پڑا۔ لیکن مکمل سیٹ لیکر آیا تھا۔ آج وہ سیٹ طلباء

کومطالعہ کے لئے جو ختم نبوت پر تخصص کررہے ہیں، ان کو دیتا تھا۔ آپ کا تذکرہ وتعارف ہوا۔ گھنٹہ بھر کتاب کا تعارف ہوا۔ معلوم بھی نہیں تھا کہ آپ آج آئیں گے۔ آپ کو دیکھا تو دل باغ باغ ہوگیا۔

قارئین! قدرت کی طرف سے اس مرکز علم وفضل میں یہ دقیع کلمات فقیر کے لئے انعام الٰہی تھا۔ جب طلباء نے استاذ محترم کے اس خصوصی کرم کو دیکھا تو فقیر سے انہوں نے بھی محبت فرمائی۔ فقیر مارے ندامت کے وضو کا بہانہ کر کے مکان کی شرقی سائیڈ پر علیحدہ ہوگیا۔

حضرت شیخ الحدیث ؒ کے مکان کا نقشہ

قارئین! یہ حضرت شیخ الحدیث کا مکان ہے۔ آج ہم وہاں ہیں جہاں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری ؒ، حضرت مولانا یحییٰ کاندھلوی ؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنی ؒ، حضرت قاری محمد طیب ؒ، حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری ؒ، حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری ؒ، بانی تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاس ؒ، مولانا محمد یوسف کاندھلوی ؒ سے لے کر مولانا ہارون ؒ تک، سید عطاء اللہ شاہ بخاری ؒ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی ؒ سے لے کر مولانا سید اسعد مدنی ؒ تک، غرض برصغیر کی کوئی اہم دینی وعلمی شخصیت ایسی نہیں جس نے یہاں قدم نہ لگائے ہوں۔ آج وہاں اس اعزاز کے ساتھ حاضری، بھلا تصور تو کریں؟ وہی مکان، میرے خیال میں ایک اینٹ کا بھی اضافہ نہیں ہوا۔ وہی پرانا دستی ہینڈ پمپ (نلکا) بس دیکھتے ہی رہ گیا۔ دیوانوں کی طرح محو حیرت ہوں۔ وضو سے فارغ ہوا۔ مولانا محمد شاہد صاحب نے پھر پکارا: ادھر آیئے! فقیر جہاں کھڑا تھا، بیٹھ گیا۔ وہ مسکرا کر خاموش ہوگئے۔ حضرت مولانا زاہد الراشدی رش سے بچنے کے لئے فقیر کے قریب ہوئے۔ دستر خوان لگا۔ برکتوں اور محبتوں کا پرتو لئے ہوئے تھا۔ کھانا سے فارغ ہوئے۔ حضرت مولانا طلحہ کاندھلوی مدظلہ سے اطمینان سے مصافحہ ہوا۔ دعائیں لیں۔ اور مسجد آگئے۔ یہ محلہ کی جامع مسجد جہاں سالہا سال حضرت شیخ الحدیث ؒ نے اعتکاف کیا۔ اس قدیم مسجد میں مولانا قاری محمد حنیف جالندھری نے امامت کرائی۔

قائد جمعیت کا جامعہ مظاہر العلوم میں خطاب

سنن ونوافل، وتر سے فارغ ہوئے تو حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب سہارنپوری

نے اعلان کیا۔تمام اساتذہ طلباء ممبر کے قریب جمع ہو گئے۔اچھا بھلا جلسہ کا سماں بن گیا۔حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب نے علم،علماء،طالب علم،کتاب،مدرسہ،حدیث،مسند حدیث،حضرت شیخ الحدیث ؒ پر اتنی مربوط وجامع گفتگو کی جو خیر الکلام یا کلام الملوک کا مصداق تھی۔ جامع وبے غبار خطاب پر اہل علم جھوم جھوم اٹھے۔یہاں مجھے مولانا قاری محمد عبداللہ بنوں والے بہت یاد آئے،جو فرماتے ہیں کہ:''مولانا فضل الرحمن خطاب کے لئے کھڑے ہوں تو لگتا ہے کہ آپ کے سامنے کتاب کھل جاتی ہے۔'' واقعہ یہ ہے کہ دلیل کی دنیا میں آپ کا کوئی ثانی نہیں۔دعا کے بعد زیارت ومصافحہ والوں نے آپ کو گھیر لیا۔

مظاہر العلوم میں شعبہ ختم نبوت

گاڑیوں میں بیٹھنے کے بجائے مسجد ومدرسہ کی وسیع وعظیم خوبصورت عمارت سے نکلے تو سڑک کے اس پار''شیخ الحدیث منزل''تھی۔جو کئی منزلہ اور فن تعمیر کا شاہکار،نئی،چمکدار اور آب دار۔وہاں چائے پی تو مولانا راشد صاحب گورکھپوری نے تعارف کرایا۔جو تخصص ختم نبوت کے شعبہ میں مدرس ہیں۔اپنی کلاس تخصص میں لے گئے۔کتابوں کو دیکھا۔پاکستان میں شائع شدہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی جملہ اہم کتب موجود تھیں''قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ'' جسے اس فقیر نے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید ؒ کے حکم پر تخریج کر کے ملتان سے شائع کیا تھا۔اس پاکستانی نسخہ کا عکس ہندوستان میں طبع کیا گیا ہے۔اسے دیکھا تو گمان نہیں، یقین ہونے لگا کہ حق تعالیٰ فقیر کی بخشش ضرور فرمائیں گے۔خیر کیا عرض کروں۔بہت خوشی ہوئی۔اتنے میں حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری تشریف لائے۔بہت ہی خوشی کا اظہار فرمایا۔مبارک باد دی۔وفد گاڑیوں میں بیٹھا۔حسرت بھری نظروں سے مظاہر العلوم کے جاہ وجلال،بزرگوں کی محنت اور ان کے قدموں کے نشان پر خود کو کھڑا پا کر جو مسرت حاصل ہوئی، اسے سمیٹتے ہوئے گاڑیوں میں کیا بیٹھے۔بس بٹھا دیئے گئے۔

دارالعلوم دیوبند کی طرف روانگی

گاڑیاں چلیں تو سامنے دارالعلوم دیوبند جانے والی سڑک،پشت کی جانب مظاہر العلوم۔ہاں قبلہ!وہ مظاہر جسے حضرت مولانا احمد علی شارح بخاری ؒ،محدث سہارنپوری ؒ نے قائم کیا۔حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری ؒ کے شاگرد حضرت مولانا پیر مہر علی شاہ

گولڑوی ؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ بھی تھے۔ اس ماحول سے کیونکر رخصتی ہوئی؟ کیفیات بیان۔ کروں بھی تو کیسے؟ کل سے انڈیا میں پھر رہے ہیں اور اب رات گئے دیوبند جارہے ہیں۔ حضرت مولانا سید محمود میاں مہتمم جامعہ مدنیہ جدید، حضرت مولانا سید محمد میاں ناظم عمومی، جمعیت علماء ہند کے پوتے ہیں۔ آپ کا خاندان آگے چل کر حاجی عابد حسین ؒ سے جاملتا ہے۔ جو دارالعلوم دیو بند کے بانی رکن تھے۔ مولانا سید محمود میاں نے حالات وواقعات سہارنپور ودیوبند کے تذکروں پر مشتمل سنائے۔ گاڑیاں شہر کے وسط سے چلی تھیں۔ نکلتے نکلتے پورے شہر کا نظارہ ہوگیا۔ گویا حضرت شیخ الحدیث ؒ کی "آپ بیتی" کا دیدار ہوگیا۔ وہ ریلوے سٹیشن جہاں سے حضرت مدنی ؒ اتر کر آرہے ہیں اور پھر یوں سڑک کے راستے رائے پور جارہے ہیں۔ وائے عاشق! میں کیا بیان کروں؟ کیا ترک کروں؟ دن بھر متحرک رہے تھے۔ اب آرام دہ گاڑی میں بیٹھے اندھیری سڑک پر سفر، لیکن دھکوں سے مزا۔ تو پتہ نہیں کہ کب آنکھ لگ گئی۔ خوب آرام ہوا۔

دارالعلوم دیوبند میں استقبال

اب نعرے لگنے سے بیدار ہوا۔ آنکھ کھولی تو جی ٹی روڈ پر "دارالعلوم دیوبند" کا بورڈ سامنے، دارالعلوم کا مدنی گیٹ۔ ہزاروں طلباء استقبال کررہے ہیں۔ تل دھرنے کو جگہ نہیں۔ سنا ہے دارالعلوم میں بارہ ہزار طالب علم پڑھتے ہیں۔ اب خود سوچئے کہ ۳ منٹ کا سفر ایک گھنٹہ میں ہوا۔ گاڑی کا شیشہ نہ کھولا کہ مصافحے شروع ہوجائیں گے اور کچومر نکل جائے گا۔ ۳ منٹ کا سفر ایک گھنٹہ میں۔ یہ بمبئی کے "روزنامہ صحافت" کے ایک مضمون میں شائع ہوا۔ جواب بھی انٹرنیٹ پر موجود ہے۔

جامع مسجد الرشید دارالعلوم دیوبند سے مدنی گیٹ، قدیم مسجد کے بغل میں واقع سڑک کے پار مہمان خانہ کے سامنے گاڑیاں باری باری آتی گئیں تو جب ہم اترے بہت دوستوں نے محبت سے ہاتھ بڑھائے۔ حضرت مولانا سید محمود مدنی سے نیازمندانہ محبت بھرا مصافحہ ہوا۔ مہمان خانہ کی لفٹ سے دوسری منزل پر گئے تو ایک صاحب "شاہ عالم گورکھپوری" کہہ کر بغل گیر ہوئے۔ ہاں! یہ تو میرے پرانے محسن ومخدوم۔ ان سے عرض کیا کہ گاڑیوں سے سامان آجائے تو کتابوں کے دو کارٹن آپ اٹھالیں تاکہ میرا بوجھ کم ہو۔ باقی ایک چھوٹا سا بیگ جس میں تین جوڑے، ایک شاپر جس میں دوائیاں، چٹکی پروگرام۔ بقیہ سامان سے فراغت ہوئی۔ اب کمرے الاٹ ہونے

گئے۔ ہمارے کمرہ میں مولانا امداداللہ کراچی، مولانا مفتی غلام الرحمٰن پشاور، ڈاکٹر خالد محمود سومرو، مولانا عبدالقیوم ہانچوی، مولانا قمرالدین، مولانا عبدالواسع بلوچستان، مولانا رشید احمد لدھیانوی رحیم یارخان، فقیر راقم، آٹھ افراد ایک کمرہ میں ہوں گے۔ مولانا عطاءالرحمٰن نے نام پڑھے جس کا نام آتا گیا، اٹھتے گئے اور خواب گاہ میں میزبانوں نے پہنچا دیا۔ مولانا رشید احمد اور مولانا عبدالواسع کے درمیان فقیر راقم کا پلنگ تھا۔ وہاں بیٹھا ہی تھا۔ ایک نوجوان بہت محبت سے بغل گیر ہوئے۔ معانقہ کے دوران انہوں نے بتایا کہ میرا نام جنید ہے۔ یہ مولانا جنید صاحب "تراث الاسلامی شعبہ کمپیوٹر" کے سینئر ساتھی اور مولانا شاہ عالم صاحب مدظلہ کے دست راست ہیں۔ ان سے بہت اُنس ہوا۔ لگتا ہے کہ عالم ارواح کی مانوسیت کام آگئی۔ یا یہ کہ اکثر ای میل ان کے ذریعہ ہوتا ہے۔ وہ تعارف کام آگیا۔ بہرحال بہت ہی ذہین ساتھی ہیں۔ اتنے میں ایک اور ساتھی آگے بڑھے۔ مولانا شاہ عالم صاحب نے فرمایا کہ یہ اردو سے تمام کتب ورسائل ہندی میں ترجمہ کے ماہر ہیں۔ وہ بھی محبت واخلاص سے ملے۔ اب مولانا شاہ عالم صاحب نے فرمایا کہ صبح کا کیا نظم ہے؟ فقیر نے عرض کیا: صرف دودن ہیں۔ تھانہ بھون، گنگوہ، نانوتہ، رائے پور، جلال آباد جانے کو دل کرتا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ منظوری مل جائے گی۔ اس پر بہت خوشی ہوئی۔ فقیر نے عرض کیا کہ دارالعلوم دیوبند مدرسہ میں ہی اب تین مساجد ہیں۔ مسجد چھتہ، مسجد قدیم، مسجد الرشید۔ الرشید وسیع وعریض، خوبصورتی میں بے مثال اور فن تعمیر کا شاہکار اور دنیا کی خوبصورت مساجد میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ اس کے تہہ خانہ میں اس وقت دارالحدیث عارضی قائم ہے۔ اس وقت بارہ صد طلباء دورہ حدیث شریف میں شامل ہیں۔ مسجد قدیم سے مراد دارالعلوم دیوبند کی وہ مسجد ہے جو دارالعلوم کے طلباء کے لئے بنائی گئی۔ سو سال سے زائد عرصہ میں یہاں کون کون سے اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں نے سرنیاز جھکایا۔ رہی مسجد چھتہ تو یہ وہی مسجد ہے جہاں ایک استاذ ملا محمود اور ایک شاگرد محمود حسن نے انار کے درخت کے نیچے دارالعلوم دیوبند مدرسہ کی تعلیمی سرگرمیوں کا آغاز کیا تھا۔ دیوبند قصبہ اب آکسفورڈ کی طرح مدارس وجامعات کا مرکز بن گیا ہے۔ ہر گلی میں دینی مدرسہ اور ہر موڑ پر مسجد آپ کو نظر آئے گی۔ ملا محمود استاذ اول کی مسجد ومزار بھی چلتے ہوئے دیکھا۔ وہاں بھی مدرسہ قائم ہے۔ خیر فقیر نے مولانا شاہ عالم صاحب سے عرض کیا کہ کوئی ساتھی صبح نماز سے پہلے مجھے یہاں مہمان خانہ سے وصول کرلے۔ ان مساجد میں سے کسی

ایک میں نماز ہو جائے، پھر دیوبند میں بزرگوں کے مزارات پر جانے کا عمل شروع ہو جائے۔
مولانا جنید صاحب نے فرمایا کہ صبح آپ کو میں لے کر جاؤں گا۔ پہلے مسجد میں نماز پڑھیں گے۔
پھر زیارات کے لئے چلنا ہے۔ چلیں! اب سو جائیں۔ ایک بجے رات سے بھی اوپر وقت ہو گیا
تھا۔ تمام کمرہ کے حضرات گہری نیند میں تھے۔ فقیر بھی سونے کے لئے دراز ہوا۔

۱۳ر دسمبر کی مصروفیات

صبح اذانوں سے قبل جاگ ہو گئی۔ وضو کر کے تیار ہوئے تھے کہ مہمان خانہ کے خادم
کشمیری چائے لائے، وہ نوش کی۔ برادر مولانا جنید صاحب تشریف لائے۔ ان کے ساتھ مسجد
قدیم دارالعلوم دیوبند میں جو مہمان خانہ کے دروازہ کے سامنے سے اس پار واقع ہے۔ وہاں نماز
پڑھی۔ لکھنؤ سے مولانا محمد منظور نعمانی ؒ کے صاحبزادہ علامہ سجاد نعمانی کی یہاں زیارت کی۔
باجماعت نماز پڑھی، الحمدللہ!

بس اب رہنے دیں کہ کیفیات بیان کرنا ممکن نہیں۔ مولانا جنید صاحب لے کر چلے۔
قدیم عمارت دارالعلوم کی بہت کچھ گرائی جا چکی، بہت کچھ باقی ہے۔ جو گرائی جا چکی اس پر جدید
تعمیرات کئی منزلہ، کوہ قامت، خوبصورت، سادہ، مگر سلیقہ کی قائم ہیں۔ باب الظاہر کی جانب کی تمام
قدیم عمارتوں کی جگہ اب جدید عمارتوں نے جلوہ گری کر رکھی ہے۔ جامع مسجد الرشید اور باب الظاہر
کے درمیان پانچ منزلہ عمارت کھڑی کر دی گئی ہے۔ گول عمارت اس کے گراؤنڈ فلور پر دارالحدیث
ہوگا اور اوپر کی پانچ گول منزلوں میں لائبریری ہوگی۔ عمارت کا ڈھانچہ کھڑا ہو گیا ہے۔ باقی کام
باقی ہے۔ جب یہ مکمل ہوگی تو لائبریری میں کئی لاکھ کتابوں کے رکھنے کی گنجائش ہوگی۔ قسمت
والے دیدار و زیارت کا شرف حاصل کریں گے۔ ٹھہریئے! کتاب و لائبریری فقیر کی کمزوری ہے۔
اس کے ذکر پر تھوڑی دیر کے لئے رکتا ہوں!

چلیں اب آگے بڑھیں، سانس بحال ہو گیا ہے۔ مسجد قدیم سے نکلیں جامع مسجد رشید
کی طرف، تو دائیں ہاتھ کی عمارت گرائی جا چکی ہے۔ البتہ باب مدنی قدیم باقی ہے۔ جو چند دنوں
کا مہمان ہے۔ اس باب سے گزرے، یہاں سے حضرت مدنی ؒ گزر کر دارالحدیث میں
پڑھانے کے لئے تشریف لاتے تھے۔ اس گیٹ میں داخل ہوئے تو سامنے کے قدیمی مکان کی
جانب متوجہ کیا گیا کہ یہ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی ؒ کی رہائش گاہ ہے۔ یہاں

اب دارالعلوم کے ناظم تعلیمات اور استاذ الحدیث، حضرت مولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم کی رہائش ہے۔ ان دنوں بمبئی کے سفر پر تھے۔ ملاقات نہ ہو سکی۔ شرح معانی الآثار امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی (م ۳۲۱ھ) کی تصنیف ہے۔ اس کی شرح "نخب الافکار تنقیح مبانی الاخبار" کے نام سے علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ (م ۸۵۵ھ) نے لکھی۔ یہ شرح مغلق عبارت کی وضاحت، رجال حدیث کے تراجم اور حدیث کی صحت وضعف کے بیان میں ممتاز مقام رکھتی ہے۔ معانی الآثار کی ایک شرح "امانی الاخبار" کے نام سے حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ نے بھی لکھی ہے جو چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ مولانا سید ارشد مدنی نے نخب الافکار کی تحقیق وتخریج پر نہایت احسن انداز میں کام کیا ہے۔ شیخ الہند اکیڈمی دیوبند نے اس کی ۱۰ جلدیں چھاپی تھیں۔ اب یہ کتاب مکمل ہو گئی ہے اور "دارالمنہاج بیروت" سے ۲۳ جلدوں میں چھپ کر آ گئی ہے۔ ۲ جلدیں فہرست کی ہیں۔ یہاں مولانا مفتی محمد جمیل خان شہید اور مولانا سعید احمد جلالپوری شہید رحمہ اللہ بہت یاد آ رہے ہیں۔ کیوں؟ تفصیل مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ سے پوچھ لی جائے میں آگے چلتا ہوں۔

حضرت مدنی رحمہ اللہ کی رہائش گاہ کے عقب سے جامع مسجد الرشید کے سامنے سے گزرے تو جگہ جگہ امن عالم کانفرنس کے بینرز نظر آئے۔ دارالعلوم بجائے خود کئی ایکڑوں پر پھیلا ہوا ہے اور مستقل بڑے محلہ سے کم نہیں۔ اس کو دیکھنے کے لئے وقت اور صحت وعقیدت درکار ہے۔ فقیر کے پاس عقیدت تو ہے۔ وقت اور صحت کو اب کہاں سے لاؤں؟ اب یہاں سے چلے تو سامنے مولانا شاہ عالم صاحب مدظلہ تشریف لائے۔ فرمانے لگے پہلے حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے مزار پر چلتے ہیں۔ فقیر نے کہا، خوب رہا۔ یہی مناسب ہی نہیں، بلکہ انسب ہے۔ دارالعلوم کے احاطہ سے باہر آئے۔ ایک محلہ سے گزرے تو بتایا گیا کہ یہ حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا مکان ہے۔ اپنی اصلی حالت پر قائم ہے۔ اب یہاں قرآنی مکتب قائم ہے۔ تھوڑا آگے چلے تو مسجد ہے خوبصورت۔ اس کے ساتھ دو تین کنال کا باغیچہ اس کے وسط میں حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ آرام فرما ہیں۔ اب حضرت مولانا شاہ عالم مدظلہ کے ساتھ یہاں کھڑا ہوں۔ سورۃ فاتحہ، سورۃ اخلاص، ختم نبوت کی احادیث جتنی یاد آئیں، تلاوت کیں۔ ایصال ثواب اور دعا بھی کی۔ حذیفہ، خزیمہ، محمد، عزیر، اسید خوب یاد آئے۔ انس، احمد بھی نہیں بھولے۔ لمۃ اللہ، اس کی والدہ، سلیمان اس کی والدہ بھی یاد ہیں۔ جماعت اور جماعتی

رفقاء تو سانس کا حصہ ہیں، دعاؤں میں کھو گیا۔ کیا ملا؟ کیا مانگا؟ جس ذات تعالیٰ سے مانگا وہی بہتر جانتے ہیں۔ چلیں۔ نہیں ٹھہریں۔

مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے مختصر حالات

ولادت: ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۳ء وفات: ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء۔ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے والد گرامی کا نام مولانا معظم شاہ رحمہ اللہ تھا۔ حضرت کشمیری بمقام دھودواں علاقہ سولاب کشمیر میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب سے چھ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کے علاوہ فارسی کے متعدد رسائل بھی پڑھ لئے تھے۔ مولانا غلام محمد صاحب رحمہ اللہ صوفی پورہ والوں سے فارسی، عربی کی تعلیم حاصل کی۔ آپ نے تین سال ہزارہ میں پڑھا۔ ایبٹ آباد کی مرکزی جامع مسجد میں آپ کا پڑھنا بھی ایبٹ آباد کے علماء میں مشہور ہے۔ سولہ یا سترہ سال کے تھے کہ دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ چار، پانچ سال میں دورہ حدیث مکمل کر کے فارغ ہو گئے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ، مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ ایسے اکابر آپ کے استاذ تھے۔ فراغت کے بعد قطب الارشاد، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ سے بیعت ہوئے۔ آپ نے دہلی مدرسہ امینیہ میں تین سال بطور صدر مدرس کے تعلیم دی۔ پھر وطن عزیز کشمیر گئے۔ آپ نے مشاہیر کشمیر کے ساتھ حج بھی کیا۔ اسی سفر میں طرابلس، بصرہ، مصر، شام بھی تشریف لے گئے۔ واپسی پر بارہ مولا میں مدرسہ فیض عام قائم فرمایا۔ تین سال یہاں گزرے۔ اسی اثناء میں دارالعلوم دیوبند میں مشہور جلسہ دستار بندی ہوا۔ آپ بھی تشریف لے گئے۔ اساتذہ کے اصرار پر یہاں مدرس ہو گئے۔ زہے نصیب کہ یہاں ابوداؤد اور مسلم شریف کے اسباق ملے۔ اس دوران میں گنگوہ کے عالی نسب سادات کرام کے گھرانہ میں آپ کا عقد ہو گیا۔ تجرد کے زمانہ میں مولانا محمد احمد، مہتمم دارالعلوم کے اصرار پر ان کے ہاں سے دس سال تک آپ کے کھانے کا نظم رہا۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے ہوتے ہوئے ان کی سرپرستی و نگرانی میں ابوداؤد اور مسلم جیسی صحاح ستہ کی کتب پڑھا چکے تھے۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ ۱۳۴۵ھ تک یہاں اس عہدہ پر فائز رہے۔ ۱۳۴۵ھ میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تشریف لے گئے۔ ۱۳۵۱ھ تک یہاں کے شیخ الحدیث رہے۔ ۲ صفر ۱۳۵۲ھ میں دیوبند میں گھر پر وصال ہوا۔ اور پھر یہاں تدفین ہوئی۔ جہاں آج فقیر کھڑا ہے۔ حضرت کشمیری رحمہ اللہ، ایسا حافظہ کہ قرون اولیٰ کی یاد تازہ ہو گئی۔

عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے آپ منجانب اللہ مامور تھے۔ حق تعالیٰ نے آپ سے وہ کام لیا کہ اس کا تذکرہ مستقل تصنیف کا متقاضی ہے۔ مولانا محمد علی مونگیریؒ، مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی خدمات بالکل بنیان مرصوص کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان حضرات نے قادیانیت کے خلاف تحریکی انداز میں کام کیا۔ میں باقی حضرات کے کام کی نفی نہیں کر رہا۔ ان کے وجود بھی انعام باری تعالیٰ تھے۔ حضرت مونگیریؒ اکیلے اپنی ذات میں انجمن تھے۔ مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ نے اپنے شاگردوں و متعلقین کی جماعت کو اس کام پر لگا دیا۔ مولانا مفتی محمد شفیعؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مولانا لال حسین اخترؒ، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، علامہ اقبالؒ۔ بھلا توجہ تو کریں کہ کتنے جبال علم اس کام کے لئے میدان عمل میں حضرت کشمیریؒ نے اتارے۔

تحریک ختم نبوت کے چار ستون

مولانا محمد علی جالندھریؒ کی خدمات تو ختم نبوت کے محاذ پر بقول علامہ خالد محمود مجددانہ شان اپنے اندر رکھتی ہیں۔ مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے ذریعہ پوری مجلس احرار اور مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، نہ معلوم کون کون سی شخصیات کو اس میدان میں قدرت نے لایا۔ برصغیر میں حضرت کشمیریؒ، حضرت مونگیریؒ، حضرت جالندھریؒ اور حضرت رائے پوریؒ، فقیر کے خیال میں ان چار ستونوں پر ختم نبوت کے تحفظ کی تحریک کی چھت کھڑی ہے۔ اچھا صاحب......!

حضرت شاہ صاحبؒ کے مزار مبارک کی زیارت سے فارغ ہو کر قریب میں دارالعلوم وقف ہے، وہاں گئے۔ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی اپنی علالت کے باعث دلی کے ہسپتال میں زیر علاج تھے۔ زیارت نہ ہو پائی۔ صبح کا وقت، سردی کا موسم، تمام طلباء اور اساتذہ اپنے اپنے کمروں میں۔ بس صحن میں کھڑے ہوئے۔ ادھر ادھر چاروں سمت نظر دوڑائی اور واپس آگئے۔

التراث الاسلامی ایک اکیڈمی طرز کا ادارہ ہے۔ مختصر جگہ پر بہت سارا کام ہو رہا ہے۔ انہوں نے کمپیوٹر کی دنیا میں ختم نبوت کے محاذ پر جو گرانقدر خدمات سرانجام دی ہیں اور دے رہے ہیں۔ یا ان کے جو منصوبے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جلد انہیں پایہ تکمیل تک پہنچائیں۔ کمپیوٹر کے براعظم پر

ختم نبوت کا پرچم لہرانے والوں کا یہ ادارہ امام قرار پائے گا۔ مولانا شاہ عالم مدظلہ تحریکی شخصیت ہیں۔ نہ آرام سے بیٹھتے ہیں، نہ اپنے ساتھیوں کو بیٹھنے دیتے ہیں۔ کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کے آپ نائب ناظم ہیں۔ دارالعلوم دیوبند شعبہ ختم نبوت کے آپ استاذ ہیں۔ ان کی خدمات کے تعارف کے لئے دفتر درکار ہے۔ بہرحال کمپیوٹر سے انہوں نے خوب ایک جہاں کی سیر کرادی جو ردقادیانیت کے لئے کاوش کررہا ہے۔ فالحمدللہ

آپ کے ہاں ناشتہ ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ اب آپ مہمان خانہ میں چلیں۔ ان مقامات پر جانے کی منظوری اور سواری کا نظم کرتے ہیں۔ آپ خود یا جنہیں ہمراہ لینا ہے۔ تیار کریں۔ ابھی تھوڑی دیر بعد چلتے ہیں۔ فقیر دارالعلوم دیوبند کے مہمان خانہ میں آیا۔ حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری سے عہد کررکھا تھا کہ جہاں جانا ہے اکٹھے جانا ہے۔ وہ خوب سوئے۔ گہری اور میٹھی نیند۔ دروازہ کھٹکھٹایا نہیں بلکہ دروازہ بجایا اور پیٹا اور پیٹتا ہی رہ گیا۔ انہوں نے دروازہ نہ کھولا۔ اب مولانا زاہد الراشدی کے کرہ میں گیا۔ وہ بھی خوب گہری نیند سورہے تھے۔ ان کا دروازہ کھلا تھا اور ان کی آنکھیں بند تھیں۔ بس خداوے اور بندہ لے کر انہیں بے تحاشہ جگانا شروع کیا۔ اب اس بدتمیزی کو سوچتا ہوں تو تعجب ہوتا ہے کہ کیسے یہ ہوگیا؟ لیکن سوچئے کہ کہاں جانا ہے؟ عشق میں محذورات بھی مباحات بن جاتے ہوں گے۔ یہ صحیح کہا یا غلط۔ مفتی صاحبان جانیں۔ البتہ میری دستک ان کے کندھوں پر کامیاب رہی۔ آپ نے آنکھیں کھولیں اور دیکھتے ہی یک دم رضائی ادھر پھینکی۔ خود آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ بیٹھے اور اگلے لمحہ تیار۔

دارالعلوم دیوبند میں شعبہ ختم نبوت

اب رہبر ساتھ تھے۔ دوسری طرف سے ہوتے ہوئے دارالعلوم میں تخصص ختم نبوت کی کلاس میں جا پہنچے۔ دوستوں سے ملاقات ہوئی۔ ماحول کو دیکھا۔ کلاس روم کی زیارت کی۔ اگلے مرحلہ میں پیغام ملتے ہی نیچے اترے اور گاڑی میں بیٹھ گئے۔ چل سو چل۔

قبرستان شاہ ولایت بڈھانہ

بڈھانہ یہاں پر مولانا عبدالحی بڈھانوی ؒ کے صاحبزادہ اور شاہ اسحاق دہلوی ؒ کے داماد مولانا عبدالقیوم صاحب ؒ کا مزار مبارک ہے۔ اس جگہ مقبرہ اور احاطہ کو شاہ ولایت بڈھانہ کہتے ہیں۔ مولانا عبدالقیوم صاحب ؒ حضرت سید احمد شہید ؒ کے ساتھیوں میں سے تھے۔

قبرستان میں قبروں کے نشان ہیں۔لیکن قبریں مٹ چکی ہیں۔ایک میدان سا لگتا ہے۔مزار شریف پر البتہ چوڑی دیواروں کا کمرہ سا بنا ہے۔جو بالکل مورچہ ٹائپ تعمیر کا ہوتا ہے،وہی نقشہ ہے۔حضرت سید احمد شہید ؒ،سید اسماعیل شہید ؒ،مولانا عبدالحئی ؒ،شاہ محمد اسحاق ؒ،مولانا سید احمد ؒ کی سوانح اور پھر سید نفیس الحسینی ؒ کا اسے شائع کرنا۔یہاں پر کیا کیا یاد آیا۔لیکن یہاں کے قبرستان کی شکستہ حالی دیکھی نہ جاتی تھی۔دعا کی اور چل دیئے۔مولانا شاہ عالم سے ملنے کے لئے دوست آئے ہوئے تھے۔بہت اصرار کیا کہ چائے کا کپ ہوجائے۔لیکن ہمارے میزبان نہ مانے۔

کاندھلہ میں

اب یہاں سے فارغ ہوکر کاندھلہ گئے۔پروفیسر ڈاکٹر مولانا نورالحسن کاندھلوی سراپا انتظار تھے۔آپ نے ابھی چند سال ہوئے حضرت نانوتوی ؒ پر کتاب شائع کی ہے۔بدایوں کے ایک مولوی صاحب کا ''تحذیر الناس'' پر اعتراض کا مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ نے جواب لکھا۔اس کتاب میں پہلی بار اس کا عکس شائع کیا۔جو شکستہ خطی کے باعث پڑھا نہیں جاتا۔اس کا ایک نسخہ کراچی تھا۔فقیر وہاں سے اس مخطوطے کی کاپی لایا۔چوک اعظم کے قریب کے ایک درویش منش عالم دین مولانا محمد اسحٰق صاحب ہیں۔وہ اس کو خوش خط نقل کرنے کا کام کررہے ہیں۔اسی سلسلہ میں رمضان شریف میں عشرہ بھر دفتر ختم نبوت ملتان کی لائبریری میں رہے......فقیر کا تو بس مولانا نورالحسن صاحب سے غائبانہ تعارف تھا۔البتہ ہمارے حضرت پیر رضوان نفیس کا ان سے رابطہ ہے۔حضرت مولانا زاہد الراشدی کا بھی خاصہ تعارف تھا۔وہ کام آگیا۔گئے تو وہ سراپا انتظار تھے۔بہت محبتوں سے ملے۔ان کے والد گرامی حضرت مفتی مولانا افتخار الحسن کاندھلوی،حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری ؒ کے خلیفہ مجاز ہیں۔اس وقت ہندوستان میں حضرت رائے پوری ؒ کے تین خلفاء زندہ سلامت ہیں۔ایک حضرت مفتی افتخار الحسن صاحب کاندھلوی اور دوسرے مولانا مکرم حسین سنسارپوری اور مولانا عبدالقیوم مقیم رائے پور۔پاکستان میں حضرت رائے پوری ؒ کے خلفاء میں سے حضرت حاجی عبدالوہاب رئیس التبلیغ واحد خلیفہ ہیں،جو زندہ ہیں۔ان کے علاوہ پاکستان میں اس وقت کوئی خلیفہ زندہ نہیں۔اگر کوئی خود کو حضرات رائے پوری ؒ کا خلیفہ کہتا ہے،تو غلط بیانی کرتا ہے۔حضرت مفتی افتخار الحسن کاندھلوی سے ملانے کے لئے پروفیسر نورالحسن لے کر گئے۔جہاں ہماری گاڑی رکی تھی اس کے قریب مکان دکھایا کہ یہ

مکان حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ کا تھا۔ اوہو! کیا ہوا؟ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے آپ بیتی میں کاندھلہ آنے جانے کے ضمن میں بہت کچھ لکھا، جو آج نظروں کے سامنے تھا۔

حضرت مولانا مفتی افتخار الحسن سے ملے۔ کیا خوبصورت وجیہہ چہرہ۔ انہوں نے دعاؤں سے نوازا۔ مولانا انوار الحسن کے مکان پر آئے۔ انہوں نے ۱۸ اصد مخطوطات جمع کر رکھے ہیں۔ ان کی لائبریری نوادرات کا مرقعہ ہے۔ آپ ایک فائل لائے جس میں ہندوستان کی کوئی ایسی گراں قدر شخصیت نہیں جن کا خط اصلی، طرز تحریر کا نمونہ غرض کوئی نہ کوئی تبرک ان کے پاس محفوظ نہ ہو۔ مولانا زاہد الراشدی تو اس کی ورق گردانی میں محو ہوئے۔ فقیر قریب سے شرف زیارت حاصل کرتا رہا۔ پروفیسر صاحب خالصتاً علمی ذوق کے فاضل اجل ہیں۔ بہت سارے نوادرات شائع کر چکے۔ باقی طبع ہی خدا کرے چھپ جائیں تو محفوظ ہو جائیں گے۔ دل تو بیج رہا ہے۔ لیکن میرے ایسے ہمادشما اس کے علاوہ کر ہی کیا سکتے ہیں؟ اپنے کاز کے جو کام ہیں۔ وہ پورے نہیں ہو رہے۔ چلیں دیر ہو گئی۔ چائے پی، اجازت لی۔ چلو کاندھلہ کی زیارت ہو گئی۔

کاندھلہ کی دھرتی ہند کا بخارا

کاندھلہ کی سرزمین، مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ جو تبلیغی جماعت کے بانی، مولانا محمد یوسف رحمہ اللہ تبلیغی جماعت کی بنیاد، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ، آپ کے والد گرامی مولانا محمد یحیٰی رحمہ اللہ، مولانا محمد ادریس رحمہ اللہ یہ سب کاندھلہ کی مٹی کے سپوت ہیں۔ مجھے اجازت دیں کہ میں کاندھلہ کی دھرتی کو ہند کا بخارا قرار دوں۔ اب یہاں سے چلے تو بتایا گیا کہ سامنے کا یہ راستہ شاملی کو جاتا ہے۔ شاملی کے میدان جہاد کی حدود کو جناب پروفیسر انوار الحسن سے بہتر جاننے والا شاید اس وقت روئے زمین پر کوئی نہ ہو۔

یہاں سے ہوتے ہوئے اب ہم تھانہ بھون پہنچ گئے۔ شہر سے باہر کھیتوں کے کنارے آغاز آبادی سے بھی پہلے ایک عمارت تھی۔ اس کے ساتھ میں چار چھ کنال کی چاردیواری میں چند درخت ہیں۔ سایہ دار اور پھل والے بھی۔ چاردیواری کے گیٹ سے داخل ہوئے۔ ایک نیا کمرہ جس کی ابھی تک چھت نہیں ڈلی اور تعمیر رکی ہے۔ اس کے آگے پرانا شیڈ دار برآمدہ۔ بتایا کہ یہاں حضرت شاہ اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ خلوت میں تصنیفی کام کرتے تھے۔ اس برآمدہ کے جنوب میں پختہ چاردیواری جو کہ ساڑھے تین چار فٹ اونچی ہو گی۔ اس کی سفیدی ہو رہی ہے۔ اس چار

دیواری کے مغرب کی جانب دروازہ ہے۔اس کے اندر تین قبور مبارکہ ہیں۔قبلہ کی جانب پہلی قبر سادہ کچی مٹی کی ڈھیری کی مانند ہے جس پر پتھر یا بورڈ بھی آویزاں نہیں۔ یہ حضرت حکیم الامت، مجدد ملت حضرت شاہ محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک ہے۔آج بھی شریعت کی پاسداری کا مظہر ہے۔حق تعالیٰ نے آپ سے جو احیاء سنت کا کام لیا۔اس کی عند اللہ مقبولیت کی دلیل یہ مزار مبارک بھی ہے۔ جمعہ کا دن تھا۔ چند طالب علم پھر رہے تھے۔اس باغ میں نئی مسجد بھی بنی ہے۔ہم جمعہ کے بعد دیر سے یہاں پہنچے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کی چار دیواری کے ساتھ چبوترہ نما مصلیٰ ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ یہاں نوافل ادا کرتے تھے۔ہم نے ظہر کی جماعت کرائی۔ دعا ہوئی اور ایک بار پھر محبت سے پورے ماحول پر نظر دوڑائی۔ نہ معلوم حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے وقت میں یہاں کون کون سے حضرات تشریف لائے۔کن کن کے قدم یہاں لگے؟ ہم نے تو کن کن کے قدم اٹھائے اور باہر آگئے۔اس باغ کی چار دیواری کے ساتھ قصبہ کو جو سڑک جارہی ہے اس پر مشرق کی جانب چلے تو آگے بائیں ہاتھ پر کچی چار دیواری کے نشان نظر آئے۔کہیں دیوار کے آثار بھی تھے۔اس میں گھنے بیری کے خوشنما و شاداب درخت جو بور سے لدے ہوئے تھے۔اس چار دیواری میں بیری کے درختوں کے سایہ میں ایک اور چبوترہ تھا۔اس میں دو قبور مبارکہ ہیں۔ ایک حضرت حافظ ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے ان کے ساتھی حافظ عبداللہ نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ یہ دونوں حضرات انگریز سے ایک معرکہ میں یہیں قریب ۳ ستمبر ۱۸۵۷ء کو شہید ہوئے تھے۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات

۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۳ء کو ولادت ہے۔۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۳ء کو وصال ہے۔ ہندوستان میں مغل حکمرانی سے بھی قبل راجہ بھیم نے ضلع مظفر نگر میں ایک قصبہ قائم کیا۔تھانہ بھیم اس کا نام تجویز ہوا۔زمانہ گزرنے کے ساتھ تھانہ بھیم سے تھانہ بھون ہوگیا۔صدیوں پہلے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اجداد کرام نے یہاں قیام کیا۔آپ فاروقی النسل تھے۔آپ کے ننھیال علوی تھے۔آپ کے اجداد کرنال سے اور ننھیال جھنجھانہ سے یہاں آ کر آباد ہوئے۔آپ کے والد کا نام شیخ عبدالحق تھا۔جو ایک کشادہ دست تھے۔میرٹھ کی ریاست میں مختار بھی رہے۔انہوں

نے اپنے بیٹے اشرف علی کو دینی تعلیم پر لگایا۔ فارسی کتب میرٹھ میں پڑھیں۔ حافظ حسین علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے حفظ کیا۔ تھانہ بھون میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے عربی اور فارسی کی کتب پڑھیں۔ پھر نصاب کی تکمیل حضرت مولانا منفعت علی رحمۃ اللہ علیہ سے دیوبند میں کی۔ دارالعلوم دیوبند میں ۱۲۹۵ھ میں داخل ہوئے اور ۱۳۰۱ھ میں فراغت حاصل کی۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے۔ ان کے ہاں سے بھی کسب فیض کیا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں بھی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ہوتا ہے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے دیگر طلباء کے ساتھ آپ کی بھی دستار بندی کی۔ زہے نصیب! کانپور میں مدرسہ فیض عام میں پڑھایا۔ اس دوران حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق خاطر قائم ہوا۔ پھر جامع العلوم کانپور کی بنیاد رکھی۔ چودہ سال یہاں پڑھایا۔ اس کے بعد اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر ۱۳۱۵ھ میں تھانہ بھون حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ شریف میں آگئے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش سے قبل حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مکہ مکرمہ ہجرت کر لی تھی۔ پھر مکہ مکرمہ حاضری کے وقت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کے لئے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سفارش کرانا چاہتے تھے۔ خود حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں بیعت کر لیا۔ پھر وقت آیا کہ آپ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ بھی بنے۔ ادھر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی برابر رابطہ رہا۔ آپ کی توجہات بڑھیں۔ خود حضرت گنگوہی کانپور قیام کے دوران میں بعض متوسلین کو اصلاح کے لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھیجتے۔ آپ کانپور سے تھانہ بھون آئے۔ آپ کے مرشد (حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کی دکان معرفت پر رش بڑھا۔ ہزاروں آپ (حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) سے بیعت ہوئے۔ ۱۲۹ حضرات آپ سے مجاز صحبت ہوئے۔ ان میں سے ستر مجاز بیعت یعنی خلفاء ہیں۔ ان میں قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ، مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ، مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مسیح اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ ایسے ایسے حضرات جو اپنے زمانہ میں یگانہ روزگار تھے۔ ہندوستان میں حضرت معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت فریدالدین پاکپتن رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سید جلال بخاری اوچ شریف رحمۃ اللہ علیہ، حضرت نظام الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مجدد

الف ثانی کے بعد حضرت تھانوی سے قدرت حق نے جو تصوف کا کام لیا۔ وہ بھی دیانت دارآدمی نظرانداز نہیں کرسکتا۔ وقت کی پابندی، مریدین کی اصلاح کے ایسے جدید اسلوب اختیار کئے کہ دنیا عش عش کراٹھی کہ آپ واقعی حکیم الامت تھے۔ آپ کی تصنیفات کی طرف توجہ کی جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ علامہ جلال الدین سیوطی بھی کثیر التصانیف بزرگ گزرے ہیں۔ لیکن حضرت تھانوی نے بھی ریکارڈ قائم کیا۔ حق تعالیٰ آپ کی تربت کو بقعۂ نور بنائے۔ "الخطاب الملیح فی تحقیق المہدی والمسیح" اور رسالہ "قائد قادیان" آپ کی ردقادیانیت پر تصانیف ہیں۔ جنہیں احتساب قادیانیت کی پانچویں جلد میں شائع کرچکا ہوں۔ حضرت تھانوی سے نیازمندی کا یہ تعلق اور پھر آج خانقاہ شریف پر آپ کے قدموں میں حاضری۔ کتنی ہی سعادت کی گھڑیاں تھیں۔ جو بیت گئیں اور پل جھپکتے بیت گئیں۔

حضرت حافظ محمد ضامن شہید کے مختصر حالات

تھانہ بھون میں نامی گرامی شخصیات پیدا ہوئیں۔ تھانہ بھون نے جس طرح جنگ آزادی میں بہادری سے حصہ لیا۔ انگریز نے اپنی پسپائی کا بدلہ لینے کے لئے سکھ فوج کے ساتھ چڑھائی کی۔ توپوں سے گولہ باری کرکے شہر اجاڑ دیا گیا۔ یہ سب کچھ حافظ محمد ضامن کی شہادت کے بعد ہوا۔ حافظ صاحب کی شہادت کے بعد حضرت حاجی صاحب نے بھی تھانہ بھون چھوڑ دیا اور حجاز مقدس کو تشریف لے گئے تھے۔ (حضرت تھانوی کی آمد سے قبل یہ شہر آہستہ آہستہ آباد ہوا۔ پھر حضرت تھانوی نے آکر اس شہر کے در و دیوار کو اللہ رب العزت کے نام سے رونق بخشی)

حضرت حافظ محمد ضامن، مولانا شیخ محمد، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی۔ یہ تینوں حضرات حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانوی سے بیعت تھے اور تینوں حضرت کے خلفاء تھے۔ مولانا شیخ محمد تھانوی ان میں بزرگ اعلیٰ تھے۔ ان تینوں حضرات کو "اقطاب ثلاثہ" کہا جاتا تھا "خانقاہ امدادیہ" کا بورڈ آج بھی مسجد تھانہ بھون کے گیٹ پر آویزاں ہے۔ مسجد آباد ہے۔ جب ہم اس میں داخل ہوئے تو اس وقت تبلیغی جماعت آئی ہوئی تھی۔ مین دروازہ سے مسجد کے جنوب میں واقع برآمدہ سے مغرب کی جانب جائیں، تو بائیں ہاتھ پر برآمدہ میں ایک دروازہ ہے۔ اس میں داخل ہوں تو تین ساڑھے تین فٹ چوڑی اور ۸، ۷ فٹ لمبی جگہ ہے۔

اس دروازہ پر لکھا ہے کہ "خلوت گاہ حافظ محمد ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ" اور اسی بورڈ کے ساتھ ایک اور بورڈ برآمدہ میں ہے۔ جس پر لکھا ہے کہ "خلوت گاہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ"۔ مسجد کی جنوبی دیوار کے ساتھ چار، پانچ فٹ چوڑی اور بارہ فٹ لمبی قطعر کے دروازہ پر لکھا ہے کہ "خلوت گاہ حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ"۔ مسجد کا برآمدہ بھی ہے اور صحن بھی۔ شمال کی جانب صحن میں بھی کمرے ہیں۔ یہ خانقاہ امدادیہ ہے اور یہاں تین قطب رہتے تھے۔ پھر بعد میں اکیلے چوتھے "قطب الارشاد" نے اس جگہ کو آباد کیا: "العظمة لله ولرسوله وللمؤمنين" حضرت حافظ محمد ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ، مولانا شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت حاجی امداد اللہ تینوں حضرات میاں جی نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ میاں جی نور محمد جھنجھانہ کے تھے۔ مگر تھانہ بھون کے قریب قصبہ لوہاری میں آگئے۔ حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان سے یہاں بیعت ہوئے۔ میاں جی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سید احمد شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت جہاد کی تھی۔ چنانچہ میاں جی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے شیخ کی اتباع وحکم پر حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت جہاد کی۔ پھر سرحد میں سید صاحب کے ساتھ شریک جہاد بھی رہے۔ پھر ان دونوں حضرات کے کہنے پر تھانہ بھون کے قریب لوہاری میں لوٹ آئے۔ حق تعالیٰ نے پھر ان سے کام لیا کہ میاں جی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خلافت لی۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ و حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اور پھر پورا قافلہ مقبولان بارگاہ الٰہی کا تیار ہوا جس کا فیض آج بھی نظروں کے سامنے ہے۔ حضرت حافظ محمد ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک سے تھانہ بھون، خانقاہ امدادیہ مسجد میں حاضری ہوئی ہے۔ فقیر نے تینوں جگہ دعا کا شرف حاصل کیا۔ یہ خلوت گاہیں آج بھی اسی حالت میں ہیں۔ انگریز کی گولہ باری سے جو سہ دری کے کواڑ متاثر ہوئے، آج بھی اس طرح ہیں۔ البتہ رنگ کیا ہوا ہے۔ یہاں ہماری گاڑی کو ورکشاپ جانا پڑا۔ ہمیں کچھ زیادہ وقت تھانہ بھون گزارنے کا موقع مل گیا۔ تھانہ بھون سے چل کر گنگوہ شریف حاضر ہوئے۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات

تھانہ بھون سے گنگوہ حاضری ہوئی۔ گنگوہ میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ،

حضرت ابوسعید گنگوہی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تین شخصیات اپنے زمانہ کی نامور شخصیات تھیں۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ کی ولادت ۸۶۰ھ اور وفات ۹۴۴ھ ہے۔ چوراسی سال عمر پائی۔ اٹھائیس واسطوں سے آپ کا شجرہ روحانی آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی تک پہنچتا ہے۔ آپ کے اور شیخ جلال الدین رحمہ اللہ کبیرالاولیاء کے درمیان تین واسطے ہیں۔ اسی طرح شیخ ابوسعید گنگوہی رحمہ اللہ کے جدامجد شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ تھے۔ شیخ ابوسعید گنگوہی رحمہ اللہ نے شیخ نظام الدین بلخی رحمہ اللہ سے خلافت حاصل کی۔ جو ایک واسطہ سے شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ کے سلسلہ سے جڑتے ہیں۔ گنگوہ کی آبادی اب تو متصل ہوگئی ہے۔ پہلے اس کے دو حصے تھے۔ ایک کو گنگوہ شہر کہتے تھے۔ دوسرے حصہ کا نام سرائے تھا۔ تینوں شخصیات گنگوہ کے حصہ سرائے سے تعلق رکھتے تھے۔ پہلے کہیں پڑھا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے والد گرامی بھی حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ سے بیعت تھے۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ اور حضرت ابوسعید گنگوہی رحمہ اللہ کے مزارات پر تو حاضری نہ ہوسکی۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے مزار مبارک پر

البتہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے مزار مبارک پر حاضری سے سرفراز ہوئے۔ مین روڈ کے چوک سے سرکلر روڈ پر شمال مغرب میں کشادہ سڑکوں پر سفر کرتے ہوئے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے مزار اقدس پر حاضر ہوئے۔ پانچ چھ کنال پر مشتمل چاردیواری میں بلند وبالا درختوں کے نیچے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ آرام فرما ہیں۔ آپ کے ساتھ میں آپ کی صاحبزادی کا مزار مبارک ہے جو اپنے وقت کی نامور محدثہ تھیں۔ حضرت شاہ عبدالغنی مجددی رحمہ اللہ سے ان کو سند حدیث کی اجازت ملی تھی۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے قدموں میں آپ کے صاحبزادہ مولانا حکیم مسعود احمد صاحب رحمہ اللہ آرام فرما ہیں۔ ایک آدھ قبر اور بھی ہے۔ ان مزارات کے ساتھ ابتداء میں داخل ہوتے ہی مسجد ہے۔ اس مسجد کے حجرہ میں حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ بانی تبلیغی جماعت، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ اور پتہ نہیں کون کون بزرگ تشریف لائے۔ مزارات پر حاضری دی۔ مولانا زاہد الراشدی، حضرت شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان رحمہ اللہ کے صاحبزادہ ہیں اور وہ مولانا حسین علی رحمہ اللہ واں بھچراں سے مجاز تھے۔ مولانا راشدی صاحب میں وہی رنگ ہے۔ فقیر مزارات پر جس ماحول کا متمنی تھا وہ ان کی وجہ سے بن نہ سکا۔ خلوت کا مزہ اپنا

ہے۔ تاہم دل حزیں کو جگہ جگہ تسکین کے سرچشموں پر لے کر تو گیا، کہیں کہیں دل پگھلا بھی، لیکن ایک آنچ کی کسر رہ گئی۔ محبت و اخلاص سے یہاں حاضری کی کیفیات کی تفصیل کیا عرض کی جائے۔
حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو دیوبندی مسلک کے حوالہ سے ''رأس المال'' کہا جاتا ہے۔ بقول حضرت قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ ''آپ دارالعلوم کے بانیوں میں سے تھے اور سربراہ بھی۔'' آپ کی تحقیقات کے خلاف تحقیقات، دیوبندی مسلک سے اعتزال کی راہ ہے۔ آپ دیوبندی ذوق کا معیار ہیں۔ آپ کو ہند کا ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی کہتے ہیں۔ آپ علم و فضل کا وہ پہاڑ ہیں جس کی چوٹی اس دور میں سر کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ آپ کے مزار کے مشرق کی دیوار کے ساتھ کسی سرکاری ادارہ کی بلڈنگ ہے۔ اس کی باؤنڈری وال بلند کی جارہی تھی۔ مزار مبارک سادہ، کچی مٹی کی ڈھیری ہے اور بس۔ جیسے عام قبرستانوں کی کچی قبریں ہوتی ہیں۔

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ۶ ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ مطابق ۱۸۲۹ء اپنے ننہال کے ہاں گنگوہ میں سوموار کے دن پیدا ہوئے۔ آپ کے ننھیال کا گھر شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس سے تیس قدم کے فاصلہ پر ہے۔ جہاں آپ پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب وادی کی جانب سے گیارھویں پشت پر حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ آپ کے وصال کے تین سو سال بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔ جنہوں نے آگے چل کر حضرت مولانا عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ شریف کے در و دیوار کو رونق بخشی اور ایک بار پھر گنگوہ کی عظمت رفتہ کا چار دانگ عالم میں چرچا کر دیا۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی کا نام مولانا ہدایت احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ مولانا ہدایت احمد نے دینی تعلیم حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان سے حاصل کی اور آپ کی روحانی تربیت شیخ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مرہون منت ہے۔ بتیس سال کی عمر میں ان کا وصال ۱۲۵۲ھ ہجری میں ہوا۔ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت سات سال کے ہوں گے۔ پہلے آپ کے دادا قاضی پیر بخش رحمۃ اللہ علیہ پھر ماموں مولانا محمد تقی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی کفالت کی۔ بچپن میں ہی بچوں کے کھیل کود سے دلچسپی نہ تھی۔ والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا سے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی۔ میاں جی قطب بخش رحمۃ اللہ علیہ سے آپ نے فارسی کی

کتب پڑھیں۔ اسی طرح مولانا محمد تقی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ سے بھی فارسی کی کچھ کتب پڑھیں۔ ابتدائی صرف ونحو مولانا محمد بخش رامپوری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں۔ حزب البحر اور دلائل الخیرات کی اجازت بھی مولانا محمد بخش رامپوری رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو حاصل ہوئی۔ انہیں کے مشورہ پر آپ عربی کی مزید تعلیم کے لئے دہلی گئے۔

مولانا مملوک علی نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جو مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی تھے۔ وہ اس وقت دہلی میں پڑھاتے تھے۔ اس وقت دہلی میں شاہ عبدالغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا مملوک علی نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی درسگاہوں کا خوب عروج تھا۔ مولانا مملوک علی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا رشید الدین خان رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور وہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ مولانا مملوک علی رحمۃ اللہ علیہ اپنے قصبہ نانوتہ گئے تو مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو تعلیم کے لئے اپنے ہمراہ لائے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ رامپور سے دہلی آئے تو مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ پڑھنا شروع کر دیا۔ گویا شمس وقمر دونوں کا اکٹھ ہو گیا۔ ذہین شاگرد کو لائق استاذ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک فاضل استاذ بھی ذہین شاگرد کو پا کر خوشی محسوس کرتا ہے۔ اب مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلیم کیا حاصل کی کہ ان کے فیض سے پورا ہندوستان نہیں، پورا عالم جگمگا اٹھا۔ (یاد رہے سر سید احمد خاں علی گڑھی بھی مولانا مملوک علی نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے)

علماء جانتے ہیں کہ میر زاہد، قاضی، صدرا، شمس بازغہ کتنی مشکل کتابیں ہیں۔ لیکن مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ان کتابوں کو ایسے پڑھتے تھے جیسے حافظ منزل سناتا ہے۔ فر فر پڑھتے تھے۔ کہیں ترجمہ کی ضرورت ہوتی تو استاذ بتا دیتے۔ باقی طلباء نے کہا کہ یہ بے سمجھے پڑھتے ہیں۔ مولانا مملوک علی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میرے سامنے کوئی طالب علم بے سمجھے نہیں چل سکتا۔ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا مملوک علی نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ مولانا مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اکتساب کیا۔ مفتی صاحب، حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد اسحٰق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث مولانا شاہ عبدالغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کے ہم سبق تھے اور یہ جوڑی اپنی ذہانت اور

تقویٰ وطہارت کے لحاظ سے ہر استاذ کی آنکھوں کا تارا بنی رہی۔ شاہ عبدالغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ نقشبندیہ کے متمسک تھے۔ آپ کے والد ماجد کا نام شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ شاہ عبدالغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب وسلسلہ سلوک آٹھویں پشت پر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے جا کر ملتا ہے۔ گویا حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کے بزرگوار تھے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے معقولات کی اکثر کتب، تفسیر، فقہ، اصول فقہ، معانی وغیرہ حضرت مولانا مملوک علی نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں۔ صحاح ستہ مکمل حضرت شاہ عبدالغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں۔ شرف تلمذ مفتی صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ، مولانا شاہ احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ، مولانا قاضی احمد دین رحمۃ اللہ علیہ پنجابی سے بھی رہا۔ آپ کی ذہانت کا اس سے اندازہ کریں کہ آپ کی مدت تعلیم دہلی میں چار سال فقط ہے۔ اس قلیل عرصہ میں اتنی زیادہ تعلیم کا حاصل کرنا آپ کی کمال ذہانت کی دلیل ہے۔ تعلیم ومطالعہ کے لئے سولہ گھنٹے مقرر کر رکھے تھے۔ آرام، کھانے، پینے اور نمازوں کے لئے آٹھ گھنٹے تھے۔ اب جو شخص چوبیس گھنٹوں میں سے سولہ گھنٹے مطالعہ کتب کے لئے وقف رکھے گا اس کے انہماک مطالعہ کا آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔ آپ کے ماموں تین روپے ماہوار آپ کو بھیجتے تھے۔ پورے مہینہ کا تمام خرچہ بمع کھانا آپ اسی سے پورا کرتے تھے۔ آپ کے استغناء کا یہ عالم تھا ایک شخص نے کیمیا بنا کر دکھلا دیا اور نسخہ بھی دے دیا۔ نسخہ آپ نے کتاب میں رکھ چھوڑا۔ تعلیم مکمل ہونے کے سالہا سال بعد کسی نے پوچھا تو کتاب سے نکال کر دے دیا۔ اس نے نقل کر کے بنایا تو کیمیا بن گیا۔ آپ نے وہ نسخہ پھاڑ دیا۔ فرمایا کہ مجھے اس سے کیا سروکار ہے۔ میرے یہ کس کام کا ہے؟

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ زمانہ طالب علمی میں چھوٹے درجہ کے طلباء کو پڑھاتے بھی تھے۔ اس پہلی کلاس میں پڑھنے والے ایک طالب علم کا نام ملا محمود رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ جو دارالعلوم دیوبند کے پہلے استاذ تھے۔ جن سے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے انار کے درخت کے نیچے پڑھنا شروع کیا تھا۔ دیوبند کے پہلے استاذ محمود رحمۃ اللہ علیہ اور پہلے شاگرد بھی محمود رحمۃ اللہ علیہ تھے اور مجھے بھی مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ اور جانشین نے دیوبند لے جا کر ان کے قدموں میں پہنچایا۔ ملا محمود دارالعلوم دیوبند کے پہلے استاذ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے شاگرد تھے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے انچاس سال پڑھایا۔ آپ کے شاگردوں کی آخری جماعت میں آپ کے

آخری شاگرد مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ جو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی تھے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے شاگرد ملا محمود رحمۃ اللہ علیہ سے آخری شاگرد مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ تک آپ کے علم کی بہاروں کو جمع کیا جائے تو علم کی دنیا میں ایک ابدی موسم بہار آ جائے۔ مولانا محمد تقی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ماموں تھے اور والد گرامی و دادا مرحوم کے بعد آپ کے کفیل بھی تھے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی عمر جب اکیس سال کو پہنچی تو ماموں نے اپنی صاحبزادی کا آپ سے نکاح کر دیا۔ اس عمر میں تحصیل علم کے بعد قرآن مجید گھر پر خود یاد کیا۔

آپ کے ساتھی مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال مبارک تھا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونا ہے۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال مبارک تھا کہ شاہ عبدالغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونا ہے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک بار حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کے لئے گنگوہ سے تھانہ بھون حاضر ہوئے تو بیعت ہو گئے۔ مختصر مدت کے لئے آئے تھے۔ ہمراہ کپڑے بھی نہ تھے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں قیام کرو، تو رک گئے۔ جب زیب تن کپڑے میلے ہو جاتے، دھو کر وہی پہن لیتے۔ چالیس دن قیام کیا۔ بیعت کے وقت حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کر دیا تھا کہ تصوف کے ذکر واذکار، معمولات ومجاہدہ میرے بس میں نہیں۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''اچھا کیا مضائقہ ہے۔'' لیکن بیعت کے بعد پہلی رات حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تہجد کے لئے اٹھے تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بھی ساتھ اٹھ گئے۔ نوافل کے بعد ایک کونہ میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر شروع کیا تو دوسرے کونے میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ذکر کے لئے بیٹھ گئے۔ آپ کو خوب حسن الصوت کی سعادت سے حق تعالیٰ نے نوازا تھا۔ ذکر کیا تو در و دیوار بھی نام الٰہی سے گونج اٹھے۔ فجر کی نماز کے بعد حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم نے تو ایسا ذکر کیا جیسے کوئی بڑا مشاق کرنے والا ہو۔ حضرت حاجی صاحب کی بیعت کے بعد اثرات بیعت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے کہ: ''پھر تو مر مٹا'' مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرۃ الرشید میں لکھا ہے کہ: ''مقام فنا سے بھی فنا عن الفناء کی طرف چلے۔ گویا اپنی فنائیت سے بے خبر اور محض فانی بن گئے۔'' ایک خط میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی حالت کی اطلاع دیتے ہوئے فرمایا کہ مدح وذم میرے لئے برابر ہو گئے ہیں۔ یعنی کوئی تعریف کرے تو اس سے طبیعت میں فرحت نہیں ہوتی۔ کوئی برائی کرے تو

طبیعت میں تکدر نہیں ہوتا۔ یہ مقام فنائیت کی انتہا ہے۔

کاش! امراء ایسے کاٹھ کے گھوڑے اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلتے۔ آج کل تمام فسادہی انا پرستی نے برپا کررکھا ہے۔ ہم تم کی گھما گھمی نے نئی نقالوں کی دنیا آباد کررکھی ہے۔ اللہ رب العزت رحم وکرم کا معاملہ فرمائیں۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ﷫ نے چالیس روز خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں قیام کیا۔ جس دن گنگوہ کے لئے واپسی تھی۔ اسی روز ہی خلافت سے سرفراز کردیئے گئے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ﷫ کے بعد کثرت سے علماء کرام نے حضرت حاجی امداد اللہ ﷫ سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی ﷫ نے کیا تعبیر کی کہ: ''حضرت گنگوہی ﷫ نے جس مرحلہ پر بیعت کی، بیعت کے بعد اس مرحلہ میں صاحب نسبت ہوگئے اور چلتے چلتے یہاں پہنچے کہ جو سفر بیعت تھا وہی سفر حصول خلافت ہوگیا۔ یہی قلیل زمانہ سعی تھا اور یہی چند یوم ظفر وکامیابی کے ایام ثابت ہوئے۔'' گنگوہ واپس ہوئے تو حالت بدل چکی تھی۔ نہ کھانے کا ہوش، نہ پینے و پہننے کا۔ ہر وقت استغراق اور محویت میں ہوتے۔ تمام شب گریہ وزاری کی نذر ہو جاتی۔ اس جذب وکیفیت سے ذکر جہر کرتے۔ معلوم ہوتا کہ ساری مسجد کانپ رہی ہے۔ خود پر جو کیفیت گزرتی ہوگی وہ اور کوئی کیا جانے؟ گنگوہ واپسی کے بعد حضرت حاجی صاحب ﷫ بھی گنگوہ تشریف لائے اور آپ کے مہمان رہے۔ حضرت گنگوہی ﷫ نے ایک جگہ چھ ماہ تدریس بھی کی۔ پھر چھوڑ دی۔ اب آپ نے فیصلہ کرلیا کہ مجھے گنگوہ میں ہی رہنا ہے۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی ﷫ کا خلوت خانہ عرصہ تین سو سال گزرنے کے بعد جوں کا توں تھا۔ آپ نے اس کی صفائی ومرمت کا اپنے ہاتھوں اہتمام کیا اور اس میں فروکش ہوگئے۔ گویا حق تعالیٰ نے صدیوں بعد اس خانقاہ شریف کو آباد کرنے کا پردہ غیب سے اہتمام کردیا۔ اس خانقاہ شریف کی رونقیں لوٹ آئیں۔ اب پڑھنے کے لئے طلباء آنے لگے۔ آپ کے درس کو وہ قبولیت ملی کہ ''العظمة لله ولرسوله وللمؤمنين''

مولانا گنگوہی ﷫ کا سلسلہ نسب دادی کی جانب سے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی ﷫ سے جا کر ملتا ہے۔ حضرت حاجی صاحب ﷫ سے بیعت کے بعد سلسلہ روحانی بھی حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی ﷫ سے جا کر مل گیا ''قدوسی حجرہ خلوت'' مسجد کی پشت کی جانب

تھا۔ جہاں قطب عالم شیخ عبدالقدوس رحمہ اللہ سالہا سال ریاضت مجاہدہ کرتے رہے۔ نہ جانے تین سو سال کے عرصہ میں کتنے لوگ خانقاہ میں آئے۔ لیکن وہ اس حجرہ کے اہل نہ تھے۔ اب جو اہل آیا تو یہ امانت اس کے سپرد ہو گئی۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ عرصہ تک خلوت نشینی کی طرف مائل رہے۔ خلوت کی ریاضت نے پگھلا کر جب خالص سونا بنا دیا تو اب طبیعت لوگوں سے ملنے میں انسیت محسوس کرنے لگی۔ اب آپ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے لگے۔ اتباع شریعت اور سنت کی تابعداری آپ کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔ خلاف شریعت وسنت کام پر خاموش رہنا یا مصلحت کا شکار ہونا آپ کی عزیمت کے خلاف تھا۔ اس لئے آپ سے جو تعلق جوڑتا، شریعت کی تابعداری اس کی گھٹی میں پڑ جاتی۔ اس دوران میں آپ نے طب بھی شروع کر دی۔ اس سے بھی خلق خدا کی خدمت کی۔ غرض روحانی وجسمانی طور پر لوگ آپ کی ذات گرامی سے نفع حاصل کرنے لگے۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے بعد آپ کی سفارش پر حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کو حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ نے اپنی بیعت میں قبول فرما لیا۔ وہ بھی خانقاہ امدادیہ سے وابستہ ہوئے۔ خلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔ تحریک آزادی میں "اکابر ثلاثہ" حضرت گنگوہی رحمہ اللہ، حضرت نانوتوی رحمہ اللہ، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمہ اللہ نے تحریک آزادی میں مثالی کردار ادا کیا۔ تینوں حضرات کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو گئے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے تھانہ بھون سے سفر کیا اور "پنجلاسہ" پاکپتن، ٹلمبہ کے راستہ کراچی سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ جب حاجی صاحب "پنجلاسہ" میں تھے تو حضرت گنگوہی رحمہ اللہ آپ سے ملے۔ حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ آپ سے ملاقات کے لئے دل بے قرار تھا۔ حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جانے سے پہلے آپ کو ملوں گا۔ مخبر کی اطلاع پر پولیس نے چھاپا مارا۔ حاجی صاحب رحمہ اللہ نے تھوڑی دیر پہلے میزبان سے فرما دیا کہ چارہ کاٹنے والی مشین کے کمرہ میں مصلیٰ بچھا اور پانی رکھ دیا جائے۔ آپ نے وضو کیا مصلیٰ پر نماز کے لئے کھڑے ہوئے۔ مالک مکان نواب حاجی محمد عبداللہ صاحب سے فرمایا کہ باہر سے کمرہ کا دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دیں۔ کنڈی لگا کر فارغ نہ ہوئے ہوں گے کہ پولیس نے محاصرہ کر لیا۔ تمام کمروں کی تلاشی کرتے کرتے اس کمرہ میں آئے۔ دروازہ کھولا تو مصلیٰ موجود، آدمی کوئی نہیں۔ نواب صاحب سے پوچھا کہ مصلیٰ کیوں رکھا؟ انہوں نے کہا کہ میں نوافل یہاں

ادا کروں گا۔ اس لئے مصلیٰ بچھایا تھا۔ پولیس مطمئن ہو کر خالی لوٹ گئی۔ پولیس کو گاؤں سے نکال کر حاجی عبداللہ پھر کمرہ میں آئے تو حاجی صاحب رحمہ اللہ التحیات کی حالت میں بیٹھے تھے۔ نواب عبداللہ کے آنے پر سلام پھیرا۔ نواب صاحب نے عرض کیا حضرت پولیس آئی تھی؟ حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا ہاں آئی تھی۔ نواب صاحب نے عرض کیا حضرت آپ کہاں تھے؟ فرمایا یہیں تھا۔ عرض کیا: حضرت آپ نظر نہیں آئے۔ فرمایا کہ وہ (انگریز) اندھے ہو جائیں تو اس میں امداد اللہ کا کیا قصور ہے؟

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تین دن روپوش رہے۔ پھر باہر آ گئے۔ رہائش بدلتے رہے۔ لیکن گرفتار نہ ہوئے۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ گرفتار ہوئے۔ کیس چلا، لیکن بری ہو گئے۔ بایں ہمہ زندگی کے آخری سانس تک انگریز گورنمنٹ آپ کی نگرانی کرتی رہی۔ مخبر بھی آتے جاتے رہتے۔ لیکن جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ ایک دفعہ یہ خبر مشہور ہوئی کہ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کو پھانسی کی سزا کا حکم ہو گیا ہے۔ حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ، حکیم ولایت حسین رحمہ اللہ، مولانا مظفر حسین کاندھلوی رحمہ اللہ تھانہ بھون سے باہر جا کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر خاموش رہی۔ اچانک حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ نے مراقبہ سے سر اٹھایا اور فرمایا کہ رشید احمد رحمہ اللہ کو کوئی پھانسی نہیں دے سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے بہت سا کام لینا ہے۔ چنانچہ گرفتاری، کیس، پھر برأت سے وہی ظہور میں آیا جو عرصہ پہلے حاجی صاحب رحمہ اللہ نے فرما دیا تھا۔

حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جانے سے پہلے آپ کو ملوں گا۔ مولانا گنگوہی رحمہ اللہ گرفتار ہو گئے اور آپ کی رہائی سے قبل حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ حجاز روانہ ہو گئے۔ ایک خادم نے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ وہ وعدہ ملاقات کا کیا ہوا؟ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حاجی صاحب رحمہ اللہ وعدہ خلاف نہ تھے۔ چنانچہ دوسرے ذرائع سے معلوم ہوا کہ جانے سے قبل سنگین پہرہ میں آپ رات کو آئے۔ علیحدگی میں گھنٹوں ملاقات ہوئی اور پھر چلے گئے۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی گرفتاری رام پور سے ہوئی تھی۔ غلام علی نامی ایک شخص جو علی پور ضلع سہارنپور کا رہنے والا تھا۔ اس نے مخبری کی تھی۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ کو رام پور سے سہارنپور جیل لایا گیا۔ پندرہ دن جیل میں رہے۔ پھر عدالت کے حکم پر گنگوہ کے باشندہ ہونے کے ناتے اپنے ضلع مظفر نگر بھیج دیا گیا۔ سنگینوں کے پہرہ میں دیوبند کے راستہ مظفر نگر کو چلے۔

دیوبند کے راستہ پر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ آ کھڑے ہوئے۔ دور سے سلام وزیارت اور مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوا۔ اس کیس سے براءت اور جیل سے رہائی کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے مسند تلقین وارشاد کے ساتھ تدریس کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ ایک سال میں صحاح ستہ کو ختم کرانے کا آپ نے اہتمام کیا۔ ۱۲۹۵ھ سے ۱۳۱۴ھ تک انیس سال یہ سلسلہ چلتا رہا۔ تین سو سے زائد حضرات نے آپ سے دورہ حدیث شریف کی تعلیم حاصل کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اخیر عمر میں آپ نے پڑھانے کا سلسلہ اس لئے ترک کر دیا کہ آنکھوں میں پانی اتر آیا تھا اور بینائی جاتی رہی تھی۔ آپ نے ہند، برما، افغانستان تک کے طلباء کو حدیث شریف کی تعلیم دی۔ آپ کی فیضان صحبت کا اثر تھا کہ آپ کے شاگردوں میں سے کوئی شخص بے وضو شریک درس نہیں ہوسکتا تھا۔ آپ فرماتے تھے: "مجھے حنفی مسلک سے خاص محبت ہے اور اس کی حقانیت پر کلی اطمینان ہے۔" لیکن کیا مجال ہے کہ کسی فقیہ یا امام کی تنقیص کا کوئی پہلو گفتگو سے مترشح ہو۔ آپ کی کسر نفسی کا یہ عالم تھا کہ سبق کے دوران ایک دفعہ اچانک بارش شروع ہوگئی۔ طلباء کرام نے اپنی کتابیں اور تپائیاں اٹھائیں اور مسجد میں جا بیٹھے۔ آپ نے اپنے کندھے کی چادر کو نیچے بچھایا اور طلباء کرام کی جوتیاں اس میں باندھ کر گٹھ سر پر رکھ لیا اور انہیں بارش سے بچا لیا۔ طلباء کرام کو پتہ چلا تو وہ نادم ہوئے۔ آپ نے فرمایا نہیں اس میں پریشانی کا کون سا موقع ہے۔ تم تو مہمانان رسول ﷺ ہو۔ حدیث پڑھنے آئے۔ تمہاری خدمت ومدارت تو میرے لئے سعادت کی بات ہے۔

طالب علموں سے کوئی غفلت کا معاملہ کرتا تو اسے آپ ایسی سنجیدگی سے لیتے کہ ایسا معاملہ کرنے والے کی اصلاح ہو جاتی۔ مدرسہ مصباح العلوم کے ایک مدرس نے آپ سے ہدایہ جلد ثانی پڑھی تو آپ نے فرمایا کہ یہ چودھویں دفعہ پڑھا رہا ہوں۔ آپ نے تین حج کئے تھے۔ ایک حج میں مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ، حکیم ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد مظہر نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ایسے جلیل القدر حضرات ایک ساتھ تھے۔ دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور کے آپ عمر بھر سرپرست رہے۔ دارالعلوم دیوبند کے چھ ماہ بعد مظاہر العلوم کی بنیاد رجب ۱۲۸۳ھ میں رکھی گئی۔ مولانا سعادت علی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا مظہر نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بانی تھے۔ مولانا احمد علی سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ

اس کے سرپرست تھے۔ ۱۲۹۷ھ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا احمد علی سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔ اس سال کو مدارس ہند کا ''عام الحزن'' قرار دیا گیا۔

۱۳۰۱ھ میں دارالعلوم دیوبند کا چوتھا سالانہ دستار بندی کا جلسہ ہوا۔ جس میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے شرکت فرمائی۔ اس میں مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایسے فضلاء کی دستار بندی ہوئی۔ مولانا رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ مہتمم، مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ آپ کا وعظ سننے کو دل کرتا ہے۔ مولانا رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ جو تکلف و تصنع سے بے نیاز سادگی و خلوص کے پیکر اور شاہ عبدالغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین تھے۔ آپ نے مدرسہ کی سالانہ روداد میں حضرت گنگوہی کے وعظ کا یوں ذکر کیا ہے: ''وعظ کیا گویا سامعین کو مے محبت الٰہی کے خم کے خم پلا دیئے۔ درودیوار تک مست تھے اور عجیب کیفیت ظاہر تھی کہ کہیں دیکھی، نہ سنی۔ اللہ، اللہ! اس کے خاص بندوں کے سیدھے سیدھے الفاظ اور سادہ بیان اور ڈھیلی ڈھیلی زبان میں کیا کیا تاثیرات ہیں۔ بشر کیا، شجر و حجر بھی مان جاتے ہیں۔ مولانا نے تو دقیق مضامین علمیہ بیان نہیں فرمائے۔ یہی وضو اور نماز کے مسائل بیان کئے اور اخلاص کے بیان میں کسی تقریب سے ایک دفعہ با آواز بلند ''اللہ'' کہا۔ معلوم نہیں کس دل اور کیسے سوز و گداز سے اللہ کا نام لیا کہ تمام مجلس وعظ لوٹ گئی اور آہ و زاری کی آواز سے مسجد گونج اٹھی۔ ہر شخص اپنے حال میں مبتلا تھا۔ اس وقت بعض اشخاص نے مولوی صاحب کو دیکھا کہ کمال وقار سے ممبر پر خاموش بیٹھے ہیں اور اہل مجلس کی طرف متوجہ ہیں۔ یقین ہوتا ہے کہ اگر مولوی صاحب ایسے متوجہ نہ ہوتے تو اہل جلسہ کو دیر تک افاقہ نہ ہوتا۔ مگر اللہ رے حوصلہ کہ خود ویسے ہی مشتغل رہے:

سینہ میں قلزم کو لے، قطرہ کا قطرہ ہی رہا

(تذکرۃ الرشید ص ۲۵۱، ۲۵۲)

مولانا علی رضا رحمۃ اللہ علیہ، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ فرماتے تھے میں برسوں حضرت کی خدمت میں رہا۔ آپ کا کوئی فعل خلاف سنت نہیں پایا۔ حتیٰ کہ مستحبات اور جانب اولیٰ کو بھی ترک نہ فرماتے۔ لیکن مباح سے آگے نہ بڑھتے۔ مگر مباح سے آپ کو خوشی نہ ہوتی۔ البتہ سنن مستحبات واجبات و فرائض پر عمل کر کے آپ کو ایسی خوشی ہوتی اور مزاج میں ایسا انشراح اور لطافت و بشاشت پیدا ہو جاتی تھی کہ ہر دیکھنے والا محسوس کر سکتا تھا۔ بدعات کو دیکھ کر آپ آنسو بھر لاتے۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا عشق رسالت مآب ﷺ

مدینہ طیبہ کی کھجور کے استعمال کے بعد گٹھلیاں ضائع نہ فرماتے۔ ان کو پسوا کر سفوف بنا لیتے اور اس کو کبھی کبھی پھانک لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا: ''لوگ زمزم کے ثمن اور مدنی کھجور کی گٹھلیاں پھینک دیتے ہیں۔ یہ خیال نہیں کرتے کہ ان چیزوں کو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی ہوا لگی ہے۔'' مولانا عاشق الٰہی رحمہ اللہ کو ایک بار مدینہ طیبہ کی مٹی مبارک عطاء کی اور فرمایا اس کو کھا لو۔ مولانا عاشق الٰہی رحمہ اللہ نے عرض کیا کہ مٹی کھانا تو حرام ہے۔ فرمایا: ''میاں! وہ اور مٹی ہوگی۔'' حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا جی چاہتا تھا کہ ہر شخص حرمین شریفین سے اسی طرح محبت و پیار رکھے۔ جس طرح خود ان کو تھا۔ ایک مرتبہ غلاف کعبہ کا ایک تار مولانا محمد اسماعیل کو دیا اور فرمایا: ''اس کو کھا لو۔'' حضرت گنگوہی رحمہ اللہ بہت خوش الحان تھے۔ جب ذکر بالجہر کرتے تھے تو لوگ وجد میں آجاتے تھے۔ اتباع شریعت پر ایسے کاربند تھے کہ خیر القرون کے حضرات کی یاد تازہ کر دی۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے خلفاء کی فہرست پر ایک بار نظر ڈالیں، چند نام پیش خدمت ہیں۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ، حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمہ اللہ، شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ، مولانا مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، حضرت مولانا محمد یحیٰی کاندھلوی رحمہ اللہ ان ناموں پر غور کریں اور پھر سوچیں اگر یہ خلفاء تھے تو شیخ کتنا بڑا کامل ہوگا؟ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے پاس تبرکات میں سے مقام ابراہیم کا ایک ٹکڑا بھی تھا۔ کبھی اسے صندوقچی سے نکالتے، پانی میں رکھتے اور وہ پانی خدام کو پلا دیتے تھے۔ اسی طرح بیت اللہ شریف کی چوکھٹ کا ایک ٹکڑا بھی آپ نے سنبھال رکھا تھا۔

استغناء کا یہ عالم تھا کہ امیر حبیب اللہ والئی افغانستان نے پانچ ہزار روپے ہدیہ ارسال کیا۔ آپ نے واپس کر دیا۔ جو آفیسر ہدیہ لائے ان کے اصرار پر ساتھ یہ رقعہ تحریر فرمایا: ''بحیثیت مسلمان مجھے آپ سے تعلق ہے اور میرا اول آپ کو ہمیشہ دعا دیتا ہے۔ خصوصاً موجودہ حالت محبت اسلام اور قدر و منزلت کی خبریں سن کر بہت خوش ہوتا ہوں۔ حق تعالیٰ برکت عطاء فرماوے گا۔ آپ کی نذر پہنچی۔ مگر چونکہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور حق تعالیٰ نے مجھے بہت کچھ دے رکھا ہے۔ جمع کر کے کیا کروں گا۔ اس لئے واپس کرتا ہوں۔ کسی دوسرے مصرف خیر میں خرچ کر دیا جائے اور مجھے بہر حال دعا گو سمجھئے۔'' ۱۱ اگست ۱۹۰۵ء جمعہ کے دن ساڑھے بارہ بجے وصال فرمایا۔ حق تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے...... گنگوہ شریف سے چلے تو ہمارا اگلا پڑاؤ جلال آباد تھا۔

حضرت مولانا مسیح اللہ خان ؒ جلال آبادی کے مختصر حالات

جلال آباد حضرت مولانا مسیح اللہ خان ؒ کی وجہ سے شہرت رکھتا ہے۔ سرائے برلہ ضلع علی گڑھ کے مشہور شیروانی خاندان میں ۱۳۳۰ھ کو مولانا مسیح اللہ خان ؒ پیدا ہوئے۔ چھ جماعتوں تک سکول کی تعلیم حاصل کی۔ طبعی رجحان کے باعث آپ کے والد صاحب ؒ نے آپ کو دینی تعلیم پر لگا دیا۔ مشکوٰۃ شریف تک کتب اپنے علاقہ میں پڑھیں۔ پھر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو گئے۔ ۱۳۴۹ھ میں دورہ حدیث شریف پڑھا۔ مزید دو سال دارالعلوم میں ہی تکمیل کے اسباق پڑھے۔ تعلیم کے دوران میں حضرت حکیم الامت ؒ سے بیعت ہو گئے تھے۔ تعلیم کے مکمل ہونے کے تھوڑے عرصہ بعد حضرت تھانوی ؒ نے خلافت سے بھی ممنون فرما دیا۔ حضرت تھانوی ؒ کے آپ بہت محبوب خلفاء میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت تھانوی ؒ نے آپ کو مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں تدریس کے لئے بھیج دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس مدرسہ نے اتنی ترقی کی کہ ملک کی اہم جامعات میں اس کا شمار ہونے لگا۔ اسی مدرسہ میں ہی آپ نے ۱۷ رجمادی الاوّل ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۳ رنومبر ۱۹۹۲ء کو وصال فرمایا۔ شب جمعہ سوا بارہ بجے کا وقت تھا۔ جمعہ کے دن بعد از جمعہ اسی مدرسہ میں جنازہ ہوا۔ ڈھائی لاکھ آدمی نے جنازہ میں شرکت کی۔ مولانا عنایت اللہ صاحب ؒ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مدرسہ کے عقب میں واقع قطعہ خاص جہاں پہلے آپ کے ایک خلیفہ مفتی سعید احمد صاحب ؒ اور حضرت مولانا مسیح اللہ ؒ کی اہلیہ کی قبور موجود تھیں۔ ان کے درمیان کی جگہ پر آپ کی تدفین عمل میں لائی گئی۔ اس وقت بھی آپ کی قبر کچی ہے۔ البتہ قبر کے حلقہ کو پختہ بھی کیا گیا ہے اور قدرے اونچا بھی۔ اسی پختہ حلقہ میں آپ کی کچی قبر مبارک ہے۔ آپ کے مقبرہ کے کونہ میں دروازہ سے (جو مشرق کی جانب ہے) داخل ہوں تو سامنے ایک مسجد بھی زیر تعمیر ہے۔ اس احاطۂ قبرستان کے ساتھ مدرسہ کی پشت کی دیوار ہے۔ مدرسہ کی بلڈنگ دو منزلہ ہے۔ ہمارے پاس وقت نہ تھا۔ مدرسہ مفتاح العلوم تو حاضر نہ ہو سکے۔ البتہ مزار مبارک مولانا مسیح اللہ خان ؒ پر ایصال ثواب کی سعادت حاصل کی۔ اب ہماری اگلی منزل نانوتہ شریف حاضری کی تھی۔ نانوتہ قصبہ سے باہر پختہ سڑک کے کنارے کھیت میں ایک چاردیواری ہے۔ اسے "باغ نو" کہتے ہیں۔ اس میں سایہ دار درخت ہیں۔ ان درختوں کے درمیان حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی ؒ اور حضرت مولانا محمد منیر نانوتوی ؒ کی قبور مبارکہ ہیں۔ زہے نصیب کہ یہاں بھی ایصال ثواب اور زیارت کے لئے حاضر ہوئے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ کے مختصر حالات

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا مملوک علی نانوتوی رحمہ اللہ کے فرزند ہیں۔ مولانا مملوک علی نانوتوی رحمہ اللہ سے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ، مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے بھی پڑھا۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ ۱۳ / صفر ۱۲۴۹ھ کو پیدا ہوئے۔ حفظ قرآن اور ابتدائی تعلیم نانوتہ میں حاصل کی۔ آپ کے والد مولانا مملوک علی رحمہ اللہ مدرسہ عالیہ دہلی میں صدر مدرس تھے۔ والد صاحب، مولانا محمد یعقوب رحمہ اللہ کو اپنے ہمراہ دہلی لے گئے۔ والد گرامی سے تعلیم حاصل کی۔ حدیث حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحمہ اللہ اور مولانا شاہ عبدالغنی رحمہ اللہ سے پڑھی۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ اجمیر شریف میں بھی پڑھاتے رہے۔ محرم ۱۲۸۳ھ میں دارالعلوم دیوبند کی بناء قائم ہوئی۔ اسی سال کے آخر میں مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ بھی پہلے صدر مدرس کے طور پر یہاں تشریف لائے اور پھر وفات کے سال تک یہاں پڑھاتے رہے۔ اٹھارہ سال کے عرصہ میں جتنے حضرات فارغ ہوئے آپ سب کے استاذ ہیں۔ جن میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی رحمہ اللہ، مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ، مولانا احمد حسن امروہی رحمہ اللہ، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمہ اللہ، حضرت تھانوی رحمہ اللہ ایسے حضرات بھی شامل تھے۔

مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ اور مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ ہم عصر تھے۔ چھ سات ماہ کا عمر میں تفاوت ہے۔ مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ آپ سے بڑے تھے۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی سوانح لکھی ہے۔ جس کا نام "سوانح قاسمی" ہے۔ اس میں آپ فرماتے ہیں: "فقیر اور مولوی صاحب (مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ) کے علاوہ قرب نسب کے بہت سے روابط اتحاد تھے۔ ایک مکتب میں پڑھا۔ ایک وطن، ایک نسب۔ ہم زلف ہوئے۔ ایک استاذ ایک وقت میں علم حاصل کیا اور بعض کتابیں مولانا سے بھی پڑھیں۔ ایک پیر کے مرید ہوئے۔ دو مرتبہ حج میں ہم سفر رہے اور ایک زمانہ دراز تک ساتھ رہے۔" (سوانح قاسمی) دارالعلوم دیوبند کے پہلے مفتی بھی مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ تھے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ، مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی طرح مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ بھی حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کے خلیفہ تھے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ ایک بار امامت صلوٰۃ کے لئے مصلیٰ پر کھڑے

ہوئے۔ کسی نے کہا، مولوی صاحب (مولانا یعقوب رحمۃ اللہ علیہ) آ گئے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ صف میں واپس آ گئے۔ مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ مصلی پر گئے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ مولانا کی پنڈلیاں غبار آلود ہیں تو آگے بڑھ کر اپنے کرتہ سے غبار صاف کیا۔ ادھر اگر احترام و محبت کا یہ عالم تھا تو ادھر بھی معاملہ کم نہ تھا۔ ایک بار حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے گئے تو شلوار میں بندھن کی بجائے بان کی رسی ڈال لی۔ ظاہر ہے وہ سخت ہوتی ہے۔ تکلیف ہوتی ہے۔ تو مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بھانپ گئے۔ وجہ دریافت کی۔ آپ نے فرمایا جلدی تھی، بندھن نہ ملا تو بان ڈال لیا۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کھونٹی سے میرا بندھن لے لیں۔ مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ اس میں تو ایک روپیہ بھی بندھا ہے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا وہ بھی رکھ لیں۔ چنانچہ آپ نے ایسے کیا۔ اس سے دونوں حضرات کی بے نفسی سمجھی جا سکتی ہے۔ مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ خوش طبع بھی تھے۔ ہندوؤں کے سادھو، سر، ابرو، پلکوں اور داڑھی مونچھ کے سب بال اتر واتے ہیں۔ آپ ان کے متعلق فرماتے تھے کہ یہ ''فارغ البال'' ہیں۔

صرف مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہیں بلکہ آپ کے صاحبزادہ مولوی معین الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی خوب خوش طبعی سے حصہ پایا تھا۔ واقعہ مشہور ہے کہ: ''ایک دفعہ سردی میں بخار نے وبائی شکل اختیار کر لی۔ کسی عقیدت مند نے مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک سے مٹی لے جا کر مریض کو باندھی تو ٹھیک ہو گیا۔ اب رش لگ گیا۔ مٹی اٹھا، اٹھا کر لوگ لے جانے لگے تو قبر مبارک زمین برابر ہو گئی۔ صاحبزادہ صاحب نے مٹی نئی ڈلوا دی وہ بھی لوگ اٹھا کر لے گئے۔ انہوں نے پھر ڈلوا دی۔ لوگ پھر اٹھا کر لے گئے۔ یہ بہت پریشان ہوئے تو والد گرامی (مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) کی قبر مبارک پر آئے اور عرض کیا: ''آپ کی تو کرامت ہو گئی اور ہماری مصیبت ہو گئی۔ یاد رکھو اب کے کوئی اچھا ہوا تو ہم مٹی نہ ڈالیں گے۔ ایسے ہی پڑے رہیو۔ لوگ جوتا پہنے تمہارے اوپر ایسے ہی چلیں گے۔'' پس اس دن سے کسی کو آرام نہ ہوا۔ جیسے شہرت آرام کی ہوئی تھی اب یہ شہرت ہو گئی کہ اب آرام نہیں ہوتا۔ پھر لوگوں نے مٹی لے جانی بند کر دی۔

ایک بار میرٹھ مطبع مجتبائی میں مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد یعقوب

نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ٹھہرے ہوئے تھے۔ نیچے کی منزل میں مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ اور بالا خانہ پر مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ کی رہائش تھی۔ ایک رنڈی اپنی چھوکری کو لے کر مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئی کہ یہ بیمار ہے۔ میرا سارا کاروبار اس کے سر ہے۔ آپ تعویذ دیں کہ صحت یاب ہو۔ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرمایا کہ وہ بالا خانہ پر ہیں۔ ان سے تعویذ لے لو۔ وہ اوپر پہنچی اور مولانا یعقوب رحمۃ اللہ علیہ سے پوری بات کر کے تعویذ چاہا۔ آپ نے تعویذ دے دیا۔ دعا کی، بہر حال اس سے جان چھڑائی۔ نیچے اترے تو پوچھا کہ اس کو کس نے اوپر بھیجا تھا؟ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہو گئے۔ مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، بڑے متقی نکلے؟ اپنے تقویٰ کی اس قدر حفاظت اور میرے پاس خلوت میں بازاری عورت کو بھیج دیا۔ اپنے نفس پر کس کو اعتماد ہے؟ خوب جلال دکھایا۔ ادھر خدا کے فضل سے اس بچی کو آرام ہو گیا۔ اس کی ماں مٹھائی لائی اور سیدھی بالا خانہ پر مولانا کے پاس گئی اور ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ آپ کی دعا سے میری چھوکری ٹھیک ہوئی۔ آپ شکرانہ کی یہ مٹھائی رکھ لیں۔ آپ نے فرمایا رکھ دو۔ وہ رکھ کر چلی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ حرام کے مال کی ہے۔ اغنیاء تو قطعاً استعمال نہیں کر سکتے۔ غرباء کی مرضی ہے جس کا دل چاہے لے لے۔ آپ نے شریعت و طریقت دونوں کو جمع کر دیا۔ (ملخص ارواح ثلاثہ ص ۲۲۰) مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ۳ ربیع الاول ۱۳۰۲ھ کو نانوتہ میں وصال فرمایا۔

مولانا محمد منیر نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ دوسری قبر مبارک حضرت مولانا محمد منیر نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ ان کے ہاں بھی ایصال ثواب کیا۔ حضرت حاجی عابد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد دار العلوم دیو بند کے حضرت مولانا محمد منیر نانوتوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم رہے ہیں۔ جب آپ دار العلوم دیو بند کے مہتمم تھے۔ تب ایک بار سالانہ روئیداد مدرسہ چھپوانے کے لئے دہلی گئے۔ اڑھائی صد روپے ساتھ لئے۔ دہلی پہنچے۔ اتفاق سے روپے چوری ہو گئے۔ آپ واپس نانوتہ آئے۔ اپنی زمین فروخت کی۔ اڑھائی صد روپے لئے۔ دہلی گئے۔ روئیداد چھپوائی دار العلوم آ گئے۔ کسی طرح مدرسہ کے حضرات کو اس واقعہ کا علم ہو گیا۔ ان سب حضرات نے سوچا کہ شرعاً آپ پر ضمان نہیں ہے۔ یہ رقم آپ کو واپس ملنی چاہئے۔ تمام حضرات کی رائے کہ آپ مانیں گے نہیں۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے فتویٰ لے لیں تو شاید آمادہ ہو جائیں۔ چنانچہ انہوں نے

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو واقعہ لکھا اور حکم شرعی دریافت کیا۔ آپ نے جواب دیا کہ مولوی (منیر احمد نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) صاحب امین تھے اور روپیہ بلا تعدی کے ضائع ہو گیا۔ لہٰذا ان پر ضمان نہیں ہے۔ اہل مدرسہ نے آپ سے درخواست کی کہ اب رقم لے لیجئے اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ بھی دکھایا۔ مولانا منیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ دیکھ کر فرمایا: ''کیا میاں رشید احمد نے فقہ میرے لئے ہی پڑھی تھی اور کیا یہ مسائل میرے لئے ہی ہیں۔ ذرا اپنی چھاتی پر ہاتھ رکھ کر تو دیکھیں۔ اگر ان کو ایسا واقعہ پیش آتا تو کیا وہ بھی روپیہ لے لیتے؟ جاؤ لے جاؤ۔ اس فتویٰ کو میں ہرگز نہ مانوں گا۔'' (ارواح ثلاثہ ص ۲۵۳)

کتنی اجلی سیرت کے یہ لوگ تھے۔ حق تعالیٰ ان پر کروڑوں رحمتیں فرمائیں۔ مولانا منیر احمد نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے اہتمام دارالعلوم دیوبند کا زمانہ ۱۸۹۴ء، ۱۸۹۵ء ہے۔ آپ کے متعلق حضرت قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: ''حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے رشتہ کے بھائی اور جہاد شاملی میں ردیف کی حیثیت رکھتے تھے۔ نہایت ہی باخدا بزرگ اور صاحب دیانت وتقویٰ لوگوں میں سے تھے۔'' آپ کا سن وفات لکھا نہ جا سکا۔ یہاں سے فارغ ہوئے تو نانوتہ مغرب کی نماز با جماعت پڑھی۔ یہاں سے جھنجھانہ جانے کے لئے وقت نہ تھا۔ مسافت بھی تھی اور دارالعلوم واپس پہنچنے کا تقاضہ بھی۔ یہاں سے چلے۔ دیوبند حاضر ہوئے۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن کا خطاب دارالعلوم دیوبند میں

۱۳؍دسمبر ۲۰۱۳ء جمعہ کو دارالعلوم دیوبند کی جامع مسجد الرشید میں جمعیت علماء ہند کے امیر، امیر الہند حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب مدظلہ کے صاحبزادہ اور شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسہ مولانا سید محمد سلیمان منصوری پوری نے خطبہ جمعہ اور امامت کے فرائض انجام دیئے۔ جمعہ کے بعد حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کا دارالعلوم دیوبند کی جامع مسجد میں خطاب ہوا۔ پاکستان میں عربی کے خطبۂ جمعہ سے قبل خطاب ہوتا ہے۔ انڈیا میں یہ ترتیب نہیں۔ وہاں اذان اول سے قبل مسجدیں نمازیوں سے بھر جاتی ہیں۔ ادھر اذان ہوئی، سنتیں پڑھیں۔ اذان ثانی ہوئی اور خطبہ جمعہ ہوا۔ نماز پڑھ کر فارغ ہو گئے۔ اب اگر بیان ہوتا ہے تو وہ نماز جمعہ کے بعد ہوگا۔ چنانچہ اسی ترتیب سے جمعہ کے بعد حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہ کا بیان طے تھا۔ نماز جمعہ سے فراغت کے بعد آپ منبر پر تشریف لائے۔ چاروں سمت لوگ زیارت کے لئے سراپا

دیدار ہوگئے۔ آپ نے حجازی لے میں بڑے انشراح کے ساتھ خطبہ پڑھا۔ تمام حاضرین وسامعین چشم پرنم سے عش عش کر اٹھے۔ آپ نے خطاب سے قبل خطبہ میں ہی پورے اجتماع کو مٹھی میں کرلیا تھا۔ حق تعالیٰ نے آپ کو جن صلاحیتوں سے سرفراز کیا ہے۔ آج آپ کا بیان ان کے اظہار کی شاندار تقریب تھی۔ آپ نے خطاب شروع کیا تو گویا آپ کی خطابت نے علم کے سمندر میں غوطہ زنی شروع کی۔ ایسی ایمان پرور، دلآویز گفتگو اور تکلم کا انداز موتیوں کی نمائش لگ رہا تھا۔ ہر بات اتنی مدلل جامع اور نرالی کہ گویا خزانہ علم کا منہ کھول دیا گیا ہے۔ سامعین ہر بات پر محو دسراپا مسرت وانبساط تھے۔ آپ کا خطاب لگتا تھا جیسے بلندی کی طرف محو پرواز ہے۔ چارسو ہو کا عالم تھا۔ ہر شخص خطاب کی سماعت کے لئے دل ودماغ سمیت حاضر تھا۔ جس علمی جلالت شان سے آپ نے خطاب کیا۔ اس سے کہیں زیادہ لوگوں نے دلوں کی محبتوں سے سنا۔ وفد کے ہر شخص نے پاکستان کے وفد کے قائد کا یہ احترام دیکھا تو سراپا شکر ہوگئے۔ "وتعز من تشاء" نص قرآنی ہے۔ حق تعالیٰ نظر بد سے بچائیں۔ آج دارالعلوم دیوبند میں اپنے جانشین کی اس قیادت وسیادت، شاندار بیان، روح پرور منظر، ایمان افروز کیف کو مفکر اسلام مولانا مفتی محمود صاحبؒ دیکھتے تو انہیں کتنی خوشی ہوتی؟ دیانتداری کی بات ہے کہ فقیر نے جس شخص سے اس بیان کی بابت سنا، وہ سنا۔ جس کا عشر عشیر بھی آپ کے سامنے نہیں رکھ سکا۔ حالات حاضرہ میں اسلامیان عالم کے لئے آپ کا بیان ایک چشم کشا حقیقت تھی۔ جس کے سامنے سامعین خوشی کے مارے گردنیں خم کئے ہوئے تھے۔

امن عالم کانفرنس دیوبند

جمعیت علماء ہند کے زیر اہتمام ۱۳، ۱۴ ردسمبر ۲۰۱۲ء کو دیوبند میں امن عالم کانفرنس رکھی گئی تھی۔ ۱۳ ردسمبر مغرب کے بعد دیوبند کے ایک شادی ہال میں کانفرنس کا پہلا اجلاس تھا۔ حضرت مولانا زاہد الراشدی اور فقیر نے مغرب نانوتہ میں پڑھی۔ وہاں سے بھاگم بھاگ عشاء سے کچھ دیر قبل سیدھے کانفرنس میں حاضر ہوئے۔ یہ اجلاس صرف بیرونی مہمانان اور جمعیت علماء ہند کے صوبائی اور مرکزی عہدہ داران پر مشتمل تھا۔ ڈیڑھ دو صد کے قریب حاضری ہوگی۔ اس اجلاس میں پاکستان، بنگلہ دیش، نیپال، رنگون، سری لنکا، مالدیپ گویا تمام سارک ممالک کے علماء کے نمائندہ وفود تشریف لائے ہوئے تھے۔ علاوہ ازیں برطانیہ، جنوبی افریقہ کے وفود بھی شامل

تھے۔ سٹیج پر پہلے اجلاس میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب، حضرت مولانا محمد خان شیرانی پاکستانی وفد سے تشریف فرما ہوئے۔ اس اجلاس کے مہمان خصوصی اور آخری خطاب حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کا ہوا۔ تلاوت ونظم کے بعد جمعیت علماء ہند کے مرکزی امیر، امیر الہند نے خیر مقدمی کلمات ارشاد فرمائے۔ پھر حضرت مولانا سید محمود مدنی ناظم عموی جمعیت علماء ہند نے اجلاس کی غرض وغایت بیان کی کہ حضرت شیخ الہند ؒ کے وصال کو سو سال پورے ہونے پر جمعیت علماء ہند نے اس مناسبت سے امن عالم کانفرنس کا اہتمام کیا۔ آج ۱۳ اردسمبر مغرب کے بعد سے عشاء تک پھر عشاء کے بعد سے ساڑھے دس بجے تک اس کے یہ خصوصی اجلاس ہوں گے۔ امن عالم کے لئے آپ حضرات تجاویز دے سکتے ہیں۔ ۱۴ اردسمبر صبح ۹ ربجے سے پونے گیارہ بجے تک پھر اسی ہال میں خصوصی اجلاس ہوگا۔ آپ حضرات کی تجاویز کی روشنی میں مشترکہ اعلامیہ تیار کیا جائے گا۔ گیارہ بجے سے ڈیڑھ بجے تک دیو بند کی عیدگاہ میں جلسہ عام ہوگا۔ جس میں ملکی اور غیر ملکی مہمانان کے بیانات ہوں گے اور پھر ۱۵ اردسمبر کو صبح ۹ ربجے سے ڈیڑھ بجے دن دہلی کے لیلا رام گراؤنڈ میں اجلاس عام منعقد ہوگا۔ سٹیج پر پندرہ بیس مہمانان گرامی ہوں گے۔ تمام مقامات پر حضرت مولانا فضل الرحمٰن نمایاں رہے۔ آپ اس بارات کے دولہا لگتے تھے۔ جہاں آپ تشریف لاتے سب کی نظروں کا مرکز ہوتے۔ سٹیج سے نیچے پہلی صف پاکستانی وفد کے لئے مختص تھی۔ اس کے بعد پھر سارک ممالک کے مندوبین ووفود کی نشستیں تھیں۔ جمعیت علماء ہند کی پوری قیادت، ہند کی اہم اہم شخصیات، مشائخ، دارالعلوم کے شیوخ واساتذہ غرض اتنی بھرپور نمائندگی وحاضری تھی کہ جی خوش ہوگیا۔

حضرت مولانا سید محمود مدنی

آپ امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی ؒ کے صاحبزادے، جانشین اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی ؒ کے پوتے ہیں۔ اس وقت ہند کے مسلمانوں میں حضرت مولانا سید محمود مدنی کا بے پناہ احترام پایا جاتا ہے اور یہی حیثیت شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ کے صاحبزادہ حضرت مولانا سید محمد ارشد مدنی کو حاصل ہے۔ وہ دارالعلوم دیو بند کے ممتاز اساتذہ میں شامل ہیں اور بڑے محترم مانے جاتے ہیں۔ حضرت مولانا سید ارشد مدنی بمبئی کے سفر پر تھے۔ آپ کی زیارت نہ ہوسکی۔ مولانا سید محمود مدنی، صلاحیتوں، معاملہ فہمی، انتظام اور

بیدار مغزی میں آپ انہیں ہند کا مولانا فضل الرحمٰن صاحب سمجھ لیجئے۔ پاکستان میں مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی قیادت اور ہند میں مولانا محمود مدنی کی سیادت اور پھر جہاں اس خطہ کے عوام کے مسائل پر غور کرنے کے لئے دونوں جمع ہو جائیں۔ آپ اس کو نور علیٰ نور قرار دے سکتے ہیں اور یہی کیفیت اس اجلاس کو حاصل تھی۔ اجلاس میں بہت عمدہ عمدہ تجاویز آئیں۔ دہشت گردی، انتہاء پسندی اور فرقہ واریت کی لعنت سے جان چھڑانے کے لئے تمام اجلاس متفق تھا۔ سارک کے ممالک کے عوام وخواص کا باہمی احترام اور قدر مشترک پر بھی تجاویز آئیں۔ حضرت مولانا محمد خان شیرانی نے بہت عمدہ گفتگو فرمائی۔ آپ نے فرقہ واریت اور پھر اس میں تشدد کے عنصر کی شمولیت کی مذمت کرتے ہوئے جو فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے۔

حضرت مولانا محمد خان شیرانی کا بیان:

”ہر اختلاف مذموم نہیں اور نہ ہی ہر اتحاد محمود ہے۔ بلکہ اختلاف واتحاد کے حدود ہیں۔ ان حدود کی رعایت کرتے ہوئے اعتدال کا راستہ اختیار کرنا، دین ہے۔ مرتد کی سزا شریعت میں متعین ہے۔ مرتد کو مہلت دی جائے گی۔ اس کے شکوک کو دور کیا جائے گا۔ لیکن اگر وہ باز نہیں آتا۔ ارتداد سے توبہ نہیں کرتا تو بھی پبلک میں سے کسی کو حق نہیں ہے کہ وہ اس کو سزا دے۔ بلکہ اسے سزا دینا اسلامی ملک کے قاضی کی ذمہ داری ہے اور اس پر عمل درآمد حکومت کی ذمہ داری ہے۔ لیکن اگر عدالت اسلامی نہیں، یا مملکت اسلامی نہیں یا کہ اسلامی تو ہیں لیکن کسی مجبوری یا بداعمالی یا کسی دنیا کی حالت کے تغیر پذیر تناظر کی رو سے اس پر عمل درآمد نہیں ہو رہا۔ تب بھی پبلک کو سزا دینے کی قطعاً اجازت نہیں۔ پبلک، فرد یا ادارے ایسا کرتا/کرتے ہیں۔ تو وہ اسلام کی تعلیمات کے علی الرغم عمل کے مرتکب گردانے جائیں گے۔

اب قابل توجہ یہ امر ہے کہ ارتداد جیسے جرم کی سزا ہم دینے کے حق دار نہیں۔ پبلک ایسا اقدام نہیں کر سکتی تو کیا کسی مسلکی یا فرقہ وارانہ اختلاف کی بنیاد پر کسی کو سزا دینے کے ہم حق دار ہیں؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ اسلام کو بدنام کر رہا ہے۔ اس کا یہ عمل پورے معاشرہ کے لئے سخت مہلک ہے۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو وہ قطعاً اسلام کا خیر خواہ نہیں بلکہ اسلام کو بدنام کرنے والا ہے۔ پھر کیا اس پر بھی کبھی سوچا گیا کہ اگر کسی سے اختلاف ہے تو اس کو انفرادی طور پر سزا دینے کا ہم حق نہیں رکھتے۔ ایک بچہ، معصوم، عورت، بیمار اور بوڑھے کو حالت جنگ میں

بھی قتل کی اسلام اجازت نہیں دیتا تو فرقہ واریت کے علم بردار حملہ آور فرد کو بیمار، بوڑھے، بچے، عورت کو قتل کرنے کا کس نے اختیار دیا ہے؟ غرض کسی بھی طرح فرقہ وارانہ قتل کے مرتکب افراد کے عمل کو اسلام کی تعلیم یا نیک عمل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بلکہ یہ خالصتاً فساد فی الارض قرار دیا جائے گا۔ جہاد عبادت ہے اور اس کے احکام ہوتے ہیں۔ اگر احکام کے پورے نہ ہونے کے باوجود کوئی اپنے طرز عمل کو جہاد کا نام دیتا ہے تو وہ اسلام کی تعلیمات کو مسخ کرتا ہے۔ ہر شخص جہاد کے نام پر قانون کو ہاتھ میں لے تو یہ جہاد نہیں، فساد ہوگا۔ ایک یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ فتویٰ کو نعرہ قرار دیا جارہا ہے اور یا یہ کہ نعرہ بازی کو فتویٰ قرار دیا جارہا ہے۔ یہ دونوں باتیں درست نہیں۔ دونوں کے حدود ہیں۔ ان کو پامال کرنا دین اسلام کو بدنام کرنے کا بدترین راستہ ہے۔ اس سے اجتناب ضروری ہے۔"

حضرت مولانا عبدالغفور حیدری، مولانا رشید احمد لدھیانوی، مولانا قاری محمد حنیف جالندھری، مولانا زاہد الراشدی نے بھی مختصر اور جامع تجاویز دیں۔ مولانا قاری محمد حنیف صاحب نے وحشت گرد تنظیموں سے اظہار لاتعلقی اور پورے خطہ میں محبت کے پرچار کے لئے مثبت تجاویز دیں۔ عشاء کی نماز کے لئے وقفہ ہوا۔ اجتماع میں اکثریت مسافر حضرات پر مشتمل تھی۔ اس اجلاس کے مہمان خصوصی حضرت مولانا فضل الرحمٰن نے امامت کے فرائض سرانجام دیئے اور سارک ممالک کے تمام وفود میں شریک پوری دینی قیادت آپ کی امامت میں صف بستہ ہوگئی۔ عشاء کے بعد اجلاس کا دوسرا سیشن شروع ہوا۔ سب سے آخری خطاب حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کا ہوا۔

مولانا فضل الرحمٰن کا بیان

آپ نے فرمایا کہ "جنگ عظیم دوم کے بعد استعماریت کا جو دور شروع ہوا، کیا مسائل کے حل کے لئے جنرل اسمبلی، اقوام متحدہ، بین الاقوامی اداروں کے احکامات نے حالات کو سنبھال لیا ہے؟ کیا پوری دنیا میں امن ہوگیا ہے؟ اگر اس وقت بھی پوری دنیا میں امن قائم کرنے کے تقاضے موجود ہیں تو پھر پوری دنیا کو تسلیم کرلینا چاہئے کہ آپ نے مشرق و مغرب، طاقتور اور زیردست کے لئے جو علیحدہ علیحدہ پیمانے بنا رکھے ہیں۔ وہ کبھی بھی دنیا کو سکون مہیا نہیں کرسکتے۔ اس سے مسائل بڑھے ہیں۔ امن قائم نہیں ہوا۔ آج پوری دنیائے مغرب مل کر مسلمانوں اور

اسلام کے ساتھ جو امتیازی سلوک کر رہے ہیں۔ ان کے اس طرز عمل نے دنیا کو جہنم کدہ بنا دیا ہے۔ آج اس سے بڑھ کر کیا دہشت گردی ہو سکتی ہے کہ میرے ملک میں میرے ملک کے جمہوری اداروں کا بنایا ہوا قانون غیر مؤثر ہو جائے۔ مغرب مل کر کہے کہ اس قانون کو ختم کرو۔ اس کو ختم کرو۔ میرے ملک پر حکم چلے مغرب کا، حکم چلے امریکا کا اور ان کا حکم بھی طاقتور کے لئے اور ہو۔ زبردست کے لئے اور ہو۔ ان کا حکم میرے مذہبی اور اعتقادی مسائل میں بھی مداخلت کرے۔ الجھاؤ پیدا کرے۔ امریکہ، یورپ، مسلمان کے نزدیک کائنات کی سب سے محترم شخصیت آنحضرت ﷺ کی عزت وناموس کے تحفظ پر اپنے تحفظات رکھتے ہوں اور تحفظات بھی معاندانہ اور جانب دارانہ ہوں تو مجھے بتایا جائے کہ دنیا میں کیونکر امن قائم ہو؟ ملٹی نیشنل کمپنیاں، این جی اوز نے اس خطہ کے گلی کوچہ میں عریانی، فحاشی، اسلام دشمنی کو مشن بنالیا ہے۔ وہ اس خطہ کی ثقافت پر حملہ آور ہیں۔ وہ اس خطہ کی روایات کو دفن کرنے کے درپے ہیں۔ تو پھر دنیا میں کیونکر امن قائم ہوگا؟

آج اس امن عالم کانفرنس میں سوچیں کہ ''نائن الیون'' کے بعد حالات نے صرف ہند نہیں، صرف پاکستان نہیں بلکہ پورے ریجن کے لئے نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ ناٹو کو برقرار رکھنے کے لئے نیا عذر تلاش کرلیا گیا ہے۔ اسلام کو نشانہ پر رکھ لیا گیا ہے۔ آپ، ہم اور پورے خطہ کے ذمہ داران آج ایک سوچ کے ساتھ یہاں پر جمع ہیں۔ ہم نے اپنے خطہ اور ریجن کے بارے میں سوچنا ہے۔ اپنے اپنے ملک اور اپنے اپنے گھر کے بارے میں سوچنا ہے۔ اسلام کے بارے میں سوچنا ہے۔ اسلام سلامتی کا دین ہے۔ شریعت اسلام امن کی داعی ہے۔ ہمارے نبی علیہ السلام کو معلم بنا کر مبعوث کیا گیا۔ آپ کی تعلیمات مکارم اخلاق کی بلندیوں کو چھوتی ہیں۔ سیاست دینی ''النظام الصالح لاداء حقوق الخالق والمخلوق'' کا مصداق ہیں۔ یہ تمام چیزیں باہم تلازم کا درجہ رکھتی ہیں۔ ناٹو ختم نہیں ہوا۔ اس نے اپنا ماٹو تبدیل کر لیا ہے۔ ہم دین کے داعی ہیں۔ ہم صلح وآشتی کے پرچارک ہیں۔ ہم محبتوں کو تقسیم کرنے والے ہیں۔ ہم دشمنی نہیں، دوستی کے علمبردار ہیں۔ تاکہ پوری انسانیت، یہ ریجن، برصغیر، آپ کے ممالک، میرا ملک، آپ کے گھر، میرا گھر، سب راحت وسکون، امن وسلامتی سے وقت گزار سکیں۔'' جب مولانا نے تقریر ختم کی۔ دعا کے بعد تمام سامعین وشرکاء کے چہروں پر طمانیت وسکون کے جذبات تھے۔ سب نے

آپ سے مصافحہ کا شرف حاصل کیا۔ پاکستانی وفد کے لئے رات کے کھانے کا اہتمام حضرت مولانا سید محمود مدنی کے مکان پر تھا۔ رات گئے جا کر آرام کیا۔

۴ار دسمبر کی مصروفیات

فجر کی نماز دارالعلوم کی قدیم مسجد میں پڑھی۔ حضرت مولانا زاہد الراشدی اور فقیر کو مولانا جنید صاحب نے لیا اور ہم نماز کے بعد قبرستان قاسمی میں حاضر ہوئے۔ یہ قبرستان علم وفضل، تقویٰ وولایت کے کتنے عظیم لوگوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اس پر فقیر کیا عرض کر سکتا ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ کے ساتھ جانب مغرب حضرت مولانا قاری محمد طیب ؒ، حضرت نانوتوی ؒ کے قدموں میں حضرت شیخ الہند ؒ، ان کے ساتھ جانب مغرب حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی ؒ۔ آپ کے ساتھ پہلو میں جانب مغرب حضرت مولانا سید اسعد مدنی ؒ۔ ان حضرات نے یہاں لا کھڑا کیا۔ تمام قبرستان کے مکینوں کے لئے ایصال ثواب کیا۔ دعا مانگی۔ واپس آ گئے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ کے مختصر حالات

حضرت نانوتوی ؒ کا سن پیدائش ۱۲۴۸ھ ہے۔ تاریخی نام خورشید حسن ہے۔ آپ کے والد محترم کا نام شیخ اسد علی ؒ تھا۔ حضرت نانوتوی ؒ کا سلسلہ نسب سیدنا صدیق اکبرؓ سے ملتا ہے۔ ناظرہ قرآن مجید اور معمولی لکھنا پڑھنا گھر پر جلد ہی سیکھ لیا۔ والد صاحب نے آپ کو نانوتہ سے دیوبند بھجوا دیا۔ مولانا نے یہاں پر عربی کی ابتدائی کتب پڑھیں۔ پھر سہارنپور اپنے نانا جی کے پاس آ گئے۔ یہاں مولانا محمد نواز سہارنپوری ؒ سے آپ نے فارسی وعربی کی ابتدائی کتب پڑھیں۔ محرم ۱۲۶۰ھ حضرت مولانا مملوک علی نانوتوی ؒ کے ہمراہ دہلی آ گئے۔ مولانا مملوک ؒ سے عربی کتب پڑھیں اور دورہ حدیث شریف شاہ عبدالغنی مجددی ؒ سے پڑھا۔ چند مطابع میں تصحیح کتب کا کام کیا۔ حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری ؒ ان دنوں بخاری شریف کا حاشیہ لکھ رہے تھے۔ انہوں نے بخاری شریف کے آخری پانچ چھ پارے آپ کے سپرد کئے۔ جو آج تک ہندوستان وپاکستان میں بڑے سائز کے بخاری شریف کے نسخہ کے ساتھ چھپ رہے ہیں۔ جب اہل علم نے ان پاروں پر اس شرح کو دیکھا تو حضرت احمد علی محدث سہارنپوری ؒ کے انتخاب کی داد دی۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ نے بچپن میں ایک

خواب دیکھا تھا کہ میں بیت اللہ شریف کی چھت پر کھڑا ہوں اور میرے قدموں سے نہریں نکل کر چہار سو پھیل رہی ہیں۔ مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تعبیر یہ فرمائی تھی کہ تمہارے سے علم دین کا فیض چہار سوئے عالم بکثرت جاری ہوگا۔ آپ کے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو لسان عطا فرماتا ہے۔ جیسے حضرت شاہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی لسان حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کو بنایا۔ اسی طرح مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو میری لسان بنایا ہے۔ جو میرے دل میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ وہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبان پر جاری فرما دیتے ہیں۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے عملاً جنگ آزادی میں حصہ لیا۔ میدان کارزار میں بھی اترے۔ آپ کو دوران جہاد گولی بھی لگی۔ جس سے خون اتنا نکلا کہ آپ کے کپڑے تربتر ہو گئے۔ لیکن حق تعالیٰ نے آپ کو زندہ سلامت رکھا۔ آپ تھانہ بھون کے معرکہ میں سپہ سالار مقرر کئے گئے تھے۔ مولانا اپنے دور کے بہت ہی بہادر عالم دین تھے۔ اس معرکہ کے بعد آپ کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوئے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حجاز مقدس ہجرت اختیار کی۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ گرفتار ہوئے۔ مقدمہ چلا اور بری کر دیئے گئے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے وارنٹ جاری ہونے کے بعد تین دن تک روپوشی اختیار کی۔ تین دن کے بعد باہر آ گئے۔ جگہ بدلتے رہے۔ لیکن روپوشی ختم کر دی۔ ساتھیوں نے وجہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا کہ تین دن روپوشی سنت ہے۔ اس سے زیادہ سنت کے خلاف ہوگا۔ جب حالات اعتدال پر آئے تو آپ نے رفقاء کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد جب انگریز نے اپنے اقتدار کو مزید پکا کرنے کے لئے راہیں اختیار کیں اور مختلف حیلوں سے اہل اسلام، اہل ہند کو کمزور کرنے کے لئے اس نے منصوبے بنائے۔ ٹڈی دل کی طرح انگلستان سے پادریوں نے ہند میں آ کر وہ دھاچوکڑی قائم کی کہ الامان، اس دور میں مستقل بنیادوں پر اہل اسلام کے ایمان اور اسلام کے ثبات و بقا کے لئے جن حضرات نے اقدام کئے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اس قبیلہ عشق و وفا کے سرپرست اعلیٰ تھے۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی۔ حضرت حاجی عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم کے پہلے مہتمم تھے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس تھے اور دارالعلوم دیوبند کے پہلے سرپرست حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۷ء کو دارالعلوم کی بنا رکھی گئی۔ پہلے استاذ ملا محمود دیوبندی تھے اور پہلے شاگرد محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ مسجد چھتہ کے صحن میں انار کے درخت کے نیچے درس کا آغاز کیا گیا۔ دارالعلوم دیوبند کے پہلے سرپرست حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، دوسرے سرپرست حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، تیسرے سرپرست حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ، چوتھے سرپرست حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ، پانچویں سرپرست حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہوئے۔ اس کے بعد اس عہدہ کا استعمال ترک کر دیا گیا۔ دارالعلوم کے پہلے مہتمم حضرت حاجی عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ، دوسرے مہتمم حضرت شاہ رفیع الدین دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ، تیسرے مہتمم حاجی محمد فضل حق دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ، چوتھے مہتمم حضرت مولانا منیر احمد نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، پانچویں مہتمم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مقرر ہوئے۔ حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی تھے۔ چھٹے مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، ساتویں مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ بنے۔ آپ کے بعد حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن بجنوری رحمۃ اللہ علیہ اور آج کل حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب مہتمم ہیں۔ غرض حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے گرامی قدر رفقاء نے دارالعلوم کی بنیاد رکھ کر اسلامیان ہند پر ہی نہیں بلکہ اسلامیان عالم پر احسان کیا کہ آج پوری دنیا میں دارالعلوم دیوبند کے چشمہ سے علم وفضل کا وہ فیض جاری ہے جو اصلها ثابت وفرعها فی السماء کا مصداق ہے۔

مباحثہ چاند پور

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کے دین وایمان کی سلامتی کے لئے دارالعلوم کی بنیاد رکھ کر ترویج واشاعت اسلام کا مستقل بنیادوں پر اہتمام کر دیا۔ لیکن انگریز نے جہاں ہند پر قبضہ کیا وہاں وہ اہل ہند کو مسیحی بنانے کے منصوبے بنانے لگا۔ ہند میں انگلستان سے پادری بلائے گئے۔ انہوں نے پورے ہند میں حکومتی وسائل سے فائدہ اٹھا کر صبح وشام ساون کے مینڈکوں کی طرح گلی وکوچہ، بازار، شہروں اور دیہاتوں میں وہ اودھم مچایا کہ کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔ اس زمانہ میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے عیسائیوں کی کتاب انجیل کے محرف ہونے کے دلائل کو ”اظہار الحق“ میں یکجا کر دیا۔ مولانا آل حسن نے مسیحی عقائد کو آڑے ہاتھوں لیا۔ اپنی کتاب ”استفسار“ میں وہ دلائل جمع کر دیئے کہ اس عنوان پر اس سے بہتر کیا کوئی خدمت سرانجام

دے گا؟ اب ایک مناظرہ کا میدان رہ گیا تھا۔ وہ متکلم اسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے حصہ میں رہا۔ ہوا یہ کہ شاہ جہان پور سے پانچ چھ میل کی مسافت پر چاند پور ہے۔ وہاں پر مسیحی حضرات کی تجویز سے ایک ہندو رئیس منشی پیارے لال کبیر پنتھی نے ۱۸۷۶ء میں ایک مذہبی اجتماع ''میلہ خدا شناسی'' منعقد کیا۔ اس میں ہندو مسیحی اور مسلمان علماء کو باہمی مباحثہ کی دعوت دی۔ مگر لالہ جی نے ایک لکھی لکھائی ہندو مذہب کے عقائد پر پھیکی سی تحریر سنا کر، میدان مسیحوں اور مسلمانوں کے لئے خالی کر دیا۔ عیسائیوں کے نامی گرامی دیگر پادریوں کے علاوہ نولس پادری بھی آیا ہوا تھا۔ جو بڑا لسان، عمدہ مقرر اور چوٹی کا مناظر تھا۔ پادری نولس نے موقف و دعویٰ یہ اختیار کر لیا ''مسیحی دین کے مقابلہ میں دین محمدی کی کچھ حقیقت نہیں'' حضرت نانوتوی رحمہ اللہ، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ، مولانا فخر الحسن گنگوہی رحمہ اللہ، مولانا سید ابوالمنصور دہلوی رحمہ اللہ ایسے اکابر موجود تھے۔ پہلے دن تو تمام حضرات مسیحوں سے سوال و جواب کرتے رہے۔ مگر دوسرے دن صرف حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کو میدان میں اتارا گیا۔ آپ نے حقانیت اسلام پر ایسے دلائل پیش کئے کہ ان کے آگے اس پادری کی پیش نہ گئی۔ پہلے دن مسیحی حضرات کے اعتراضات کے جوابات ہو چکے تھے۔ اب مسیحیت کی تثلیث و ابنیت و کفارہ پر آپ نے آج جو اعتراضات اٹھائے تو مجمع داد تحسین دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ اختتام مجلس پر خود مسیحی مناظر باہمی کہتے ہوئے سنے گئے کہ آج ہم مغلوب ہو گئے۔ (میلہ خدا شناسی ص ۳۸)

اسلام کی حقانیت و صداقت اور مسیحیوں کی شکست و ریخت کا منظر اس کتاب میں دیکھا جا سکتا ہے۔

مباحثہ شاہجہان پور

مناظرہ چاند پور کے بعد ۱۸۷۶ء ہی میں شاہ جہان پور میں اہل اسلام اور باطل طبقات کے درمیان مباحثہ طے ہوا۔ پنڈت دیانند سرسوتی، منشی اندرمن، پادری اسکاٹ مفسر انجیل اور پادری نولس میدان میں لائے گئے۔ متعدد مشاہیر اسلام اس موقع پر موجود تھے۔ مگر گفتگو کے لئے ہمارے ممدوح حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کو میدان میں اتارا گیا۔ ہندو لالے تو وقت کی نزاکت سے فائدہ اٹھا کر آؤٹ ہو گئے۔ اب میدان میں مسلمان اور مسیحی رہ گئے۔ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے عقلی و نقلی دلائل کے وہ انبار لگائے۔ ایسی صحیح و قطعی دلیلیں پیش کیں کہ مسیحی

مناظر کوئی معقول جواب تو درکنار ایسے دم بخود ہوئے کہ دنیا کو ششدر کر دیا۔ اسلام اور اہل اسلام کا بول بالا ہوا۔ مسلمانوں کی کھلی فتح کا مسلمانوں اور مسیحیوں کے علاوہ متعصب ہندؤں نے بھی اعتراف کیا۔ خود منشی پیارے لال نے کہا کہ: ''مولوی قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کیا حال بیان کیجئے۔ ان کے دل پر علم کی سرستی (علم کی دیوی) بولتی رہی تھی۔'' (مباحثہ شاہجہان پور ص ۹۲)

اسی طرح پادری تارا چند سے بھی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا مناظرہ ہوا۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے سوانح قاسمی ص ۱۵ پر لکھا ہے: ''ایک پادری تارا چند نام تھا۔ اس سے گفتگو ہوئی۔ آخر وہ بند ہوا اور گفتگو سے بھاگا۔ سچ ہے شیروں کا مقابلہ لومڑیاں کیا کر سکیں؟''

آریہ کا فتنہ

آریہ کے پرچارک سوامی دیانند سرسوتی کی بدکلامی و بدزبانی کا اندازہ اس کی کتاب ''ستیارتھ پرکاش'' کے چودھویں باب سے لگایا جا سکتا ہے کہ کتنا دریدہ دہن تھا۔ وہ ۱۸۷۸ء میں ''رڑکی'' آیا، دن رات اسلام کے خلاف زہر اگلنا شروع کیا۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں کی جماعت کو اس کے تعاقب میں بھیجا۔ سوامی دیانند کو معلوم تھا کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ضیق النفس (دمہ) کے مریض ہیں۔ سفر نہیں کر سکتے۔ اس نے آپ کے شاگردوں سے مناظرہ نہ کرنے کے لئے عذر یہ تراشا کہ مجھے مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بغیر کسی سے مناظرہ نہیں کرنا۔ حالانکہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ، مولانا فخر الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالعدل رحمۃ اللہ علیہ موقع پر موجود تھے۔ اب سوامی دیانند کی آڑ توڑنے کے لئے بیماری کے باوجود حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے سفر کیا۔ آپ شہر میں قیام پذیر ہوئے۔ دیانند سوامی چھاؤنی میں قیام پذیر تھا۔ مولانا کی آمد کا سنا تو اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ آپ اتمام حجت کے لئے کرنل صاحب کی کوٹھی پر چھاؤنی چلے گئے۔ کپتان اور کرنل صاحب نے آپ کا اکرام کیا اور سوامی دیانند کو کرنل صاحب نے بلا کر کہا کہ آپ مولانا سے مجمع عام میں کلام کیوں نہیں کرتے۔ تمہارا کیا نقصان ہے؟ اس نے کہا کہ مجمع عام میں فساد کا اندیشہ ہے۔ کرنل صاحب نے کہا کہ میری کوٹھی پر بحث ہو جائے۔ ہم فساد روکنے کا انتظام کر لیں گے۔ دیانند نے کہا: نہیں ہم تو صرف اپنی کوٹھی پر بات کریں گے اور اجتماع عام بھی نہ ہو۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ابھی اجتماع عام نہیں ہے۔ ابھی گفتگو کر لیں۔ آپ اعتراض کریں اور جواب لیں۔ یا ہمارے سنیں اور جواب دیں۔ دیانند نے کہا کہ میں گفتگو کے ارادہ سے

نہیں آیا۔ مولانا نے فرمایا: ابھی ارادہ کر لیں۔ اس میں کیا دیر لگتی ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ بازار میں، گھر پر، شہر میں، کسی کونہ میں، عوام میں، خواص میں جہاں چاہیں میں گفتگو کے لئے تیار ہوں۔ اس نے کہا کہ سوائے اپنی کوٹھی کے اور کہیں میں گفتگو کے لئے تیار نہیں۔ اگلے دن کا وقت طے ہوا۔ لیکن پولیس کو کہہ کر مولانا کی کوٹھی آمد پر پابندی لگوا دی۔ چنانچہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالعدل رحمۃ اللہ علیہ کے تین روز بیان ہوتے رہے اور پنڈت دیانند کو برابر غیرت دلاتے رہے۔ مگر اسے سانپ سونگھ گیا۔ آخر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اچھا میری مجلس میں آ کر میرے وعظ میں بیٹھ جاؤ۔ اس کی بھی اسے جرأت نہ ہوئی۔ سوامی دیانند سرسوتی نے اسلام پر اصولی گیارہ اعتراض کئے۔ آپ نے دس اعتراضات کا جواب ''انتصار الاسلام'' اپنی کتاب میں دیا۔ گیارھویں اعتراض کا جواب ''قبلہ نما'' میں دیا۔ دیانند، رڑکی سے بھاگا، میرٹھ گیا۔ آپ میرٹھ پہنچ گئے۔ دیانند وہاں سے فرار اختیار کر گیا۔ اس کے بعد اس کے ایک چیلے لالہ نند لال نے اسلام کے خلاف ایک مضمون لکھا۔ آپ نے اس کا جواب ''ترکی بہ ترکی'' اپنے رسالہ میں دیا۔ غرض میرٹھ سے دوڑا تو کہیں کا کہیں جا پہنچا۔ نہ کوئی راہ نظر آئی، نہ سر چھپانے کو اوٹ۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ زندہ باد ہوئے اور دیانند خائب و خاسر۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی ''تحذیر الناس'' پر بعض بدنصیبوں نے اعتراض کیا۔ حضرت مولانا خواجہ قمرالدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ''معترضین کی کھوپڑی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی جوتی کے تلوے کو بھی نہیں پہنچ سکتی۔''

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے چند واقعات

۱...... ہندوستان میں سبز رنگ کا عمدہ جوتا تیار ہوتا ہے۔ جس پر شاندار کڑھائی کی جاتی ہے۔ شرفاء استعمال کرتے ہیں۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ساری زندگی استعمال نہیں کیا کہ اس کا رنگ سبز ہے۔

۲...... حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ حج کے لئے تشریف لے گئے تو مدینہ طیبہ نظر آتے ہی سواری سے اتر گئے اور پیادہ سفر کیا۔ کئی میل پیادہ پتھریلی زمین پر سفر کرنا پڑا۔

۳...... مدینہ طیبہ قیام کے دوران کھانا پینا بہت کم کر دیا۔ چوبیس گھنٹوں میں ایک دو بار تقاضا کے لئے جانا ہوتا تو اتنے دور نکل جاتے کہ مدینہ طیبہ وہاں سے نظر نہ آئے۔ جتنے دن قیام رہا اتنے دن اس پر سختی سے کاربند رہے۔

۴..... قصائد قاسمی پڑھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کتنے بڑے عاشق رسول تھے۔ ایک دو شعر پیش خدمت ہیں:

جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں
تیرے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار
کہاں بلندی طور اور کہاں تری معراج
کہیں ہوئے ہیں زمین و آسمان بھی ہموار

اکیلا یہ قصیدہ ایک سو اکاون اشعار پر مشتمل ہے۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے تین حج کیے۔ ۴ر جمادی الاوّل ۱۲۹۷ھ کو آپ نے وصال فرمایا۔ آج جب فقیر ان کے مزار مبارک پر حاضر ہوا تو آپ کے وصال کو ایک سو اڑتیس سال ہو چکے تھے۔ لیکن ان کی شخصیت کا بانکپن ہر زائر کے دل و دماغ پر سایہ فگن نظر آتا ہے۔ مقبرہ قاسمی میں آج ہزاروں صاحب علم و فضل مدفون ہیں۔ یاد رہے کہ اس قبرستان میں سب سے پہلی قبر مبارک آپ کی بنی تھی۔ ان دنوں یہ قبرستان شہر سے باہر تھا آج تو شہر کے وسط میں آ گیا ہے۔ آپ کی تربت کو دیکھا اور تکتا ہی رہ گیا۔

حضرت قاری محمد طیب صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں بجانب غرب حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک ہے۔ قاری محمد طیب حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے ہیں۔ آپ ۱۸۹۷ء میں دیوبند میں پیدا ہوئے۔ سات سال کے ہوئے تو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے والد گرامی مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بسم اللہ کرائی۔ دو سال میں آپ نے حفظ مکمل کر لیا۔ حفظ کے ساتھ قرآت و تجوید کی بھی مہارت حاصل کی۔ بعدہ مکمل فارسی کا نصاب عرصہ پانچ سال میں مکمل کیا۔ اس کے بعد عربی کتب کی تعلیم کے لئے ساعی ہوئے۔ آٹھ سال میں آپ دورہ حدیث شریف کی تعلیم مکمل کر کے فارغ ہو گئے۔ آپ نے دورہ حدیث شریف کی تعلیم حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ہم سبق تھے۔ حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ،

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ، حضرت تھانوی رحمہ اللہ، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمہ اللہ، سید اصغر حسین رحمہ اللہ، مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ، مولانا اعزاز علی امروہی رحمہ اللہ، مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ، مولانا رسول خان ہزاروی رحمہ اللہ ایسے اساتذہ سے آپ نے مختلف کتابیں پڑھیں۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ نے آپ کو سند حدیث سے سرفراز فرمایا۔ تعلیم کے مکمل ہوتے ہی مسند تدریس، مسند اہتمام اور مسند رشد وہدایت تینوں مسندوں کے آپ اہل قرار پائے۔ فقہ، منطق، معانی، فلسفہ، صرف ونحو، تفسیر وحدیث کوئی ایسا فن نہیں جس کی بنیادی کتابیں آپ نے نہ پڑھائی ہوں۔ حضرت قاری محمد طیب رحمہ اللہ بلا مبالغہ متکلم اسلام تھے۔ دنیا نے آپ کو "حکیم الاسلام" کے نام سے یاد رکھا۔ قاری صاحب کی درسی اور عام تقاریر حشو وزوائد سے بالکل پاک ہوتی تھیں۔ آپ کی تقریر میں سے ایک جملہ نہ حذف کیا جاسکتا تھا اور نہ ایزاد کیا جاسکتا تھا۔ اتنی جامع تقریر کہ اسے مرتب کریں تو کتاب بنانے کے لئے نظر ثانی کی ضرورت پیش نہ آئے۔

قاری محمد طیب رحمہ اللہ بحیثیت مہتمم

حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کو حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمہ اللہ کے نائب کے طور پر ۱۹۳۰ء میں نائب مہتمم بنایا گیا۔ حضرت عثمانی صاحب رحمہ اللہ کی وفات کے بعد پہلے قائم مقام اور پھر مہتمم بنادیے گئے۔ جب آپ کو مہتمم بنایا گیا تو دفتر اہتمام کے ایک کونہ میں چٹائی بچھا کر بیٹھ گئے۔ شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ تشریف لائے تو آپ کا ہاتھ پکڑا، اٹھایا اور اہتمام کی گدی پر بٹھا دیا اور فرمایا میاں! اب ان سخن سازیوں سے بات نہیں چلے گی۔ آپ سے متعلق فقیر نے ایک واقعہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ رائے پوری رحمہ اللہ نائب امیر عالمی مجلس ختم نبوت سے خود سنا۔ فرمایا کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے وصال کے بعد ایک بار حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ سے ہم نے لاہور جامعہ اشرفیہ عرض کیا کہ آپ کے دور اہتمام میں حضرت مدنی رحمہ اللہ شیخ الحدیث اور صدر مدرس رہے۔ ان کا کوئی خاص واقعہ سنا دیں۔ تو حضرت قاری محمد طیب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے تو تمام واقعات ہی اہم ہوتے تھے۔ ایک سنا دیتا ہوں کہ ایک بار مدرسہ کی سالانہ چھٹیاں سر پر آگئی تھیں۔ اساتذہ کی تنخواہیں، مطبخ کے مصارف اور بہت سارے امور انجام دینے تھے اور مدرسہ کا خزانہ بالکل خالی تھا۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے

پڑھانے کا وقت ہوا۔ آپ گھر سے نکلے تو میں (قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ) دارالاہتمام سے جلدی میں چل کر آپ کے پاس گیا۔ آپ دیکھتے ہی رک گئے۔ فرمایا کہ خیر ہے؟ میں نے ساری صورتحال عرض کی تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دو کام کرو۔ ایک تو یہ کہ ابھی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر چلے جاؤ اور پوری صورتحال کھڑے ہو کر عرض کر دو اور دوسرا یہ کہ دیوبند کے فلاں فلاں (اہل اللہ) حضرات کو دارالاہتمام میں جمع کرو، میں بھی آتا ہوں۔ آپ گئے۔ سبق پڑھایا پھر دارالاہتمام میں تشریف لائے۔ تمام حاضرین کے ساتھ لمبی دعا فرمائی۔ اسی رات فجر سے پہلے میرے (قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ) دروازہ پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھولا تو ایک سیٹھ صاحب باہر کے کسی شہر سے گاڑی پر تشریف لائے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھ میں رقم کی پوٹلی تھی جو مجھے پکڑائی اور فرمایا کہ کافی عرصہ سے دارالعلوم کے لئے یہ رقم رکھی تھی۔ پہنچانے کا موقع نہ ملا۔ رات خیال آیا تو اسی وقت چل دیا۔ یہ آپ سنبھالیں۔ مجھے ابھی واپسی کا سفر کرنا ہے۔ صبح ہونے پر رقم شمار کی تو جتنے کام رکے تھے سب کے لئے وہ رقم کفایت کر گئی۔ یہ سنا کر حضرت مولانا محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ سے فرمانا کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر جا کر صورتحال عرض کرو۔ یہ صاحب قبر سے استعانت نہیں مانگی تھی۔ اطلاع دی تھی۔

آپ کے اہتمام کے دور میں مسجد و دارالحدیث کی تکمیل ہوئی۔ دورۂ تفسیر کا اجراء ہوا۔ دارالعلوم کی تنظیم و ترقی کے نام سے مستقل شعبہ قائم کیا گیا۔ ۱۹۳۷ء میں تعمیرات جدید ہوئیں۔ ۱۹۳۸ء میں دارالعلوم سے اسٹیشن دیوبند تک سڑک بنی۔ ۱۹۱۵ء میں تحریک ریشمی رومال کے سلسلہ میں حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ پہلے افغانستان پھر ترکی و روس گئے۔ ۲۵ سال آپ بیرون ہند رہے۔ ۱۹۳۹ء میں بغیر اطلاع کے واپس آئے۔ ۶ رصفر ۱۳۵۸ھ کو نماز فجر سے قبل دارالعلوم کی مسجد میں تشریف لائے۔ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع ہوئی۔ ملنے گئے تو مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے پیروں کو ہاتھ لگایا اور زار و زار رو دیئے۔

آپ کی آمد پر دارالعلوم میں خیر مقدمی جلسہ کا اہتمام کیا گیا۔ ۱۹۴۰ء میں باب الظاہر اور اس کے گرد و پیش کی عمارات کی تعمیر ہوئی۔ ۱۹۴۱ء میں دارالاقامہ کی تعمیر ہوئی۔ ۱۹۱۰ء مطابق ۱۳۲۸ھ سے دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی میں ''القاسم'' جاری ہوا۔ جو صرف گیارہ سال جاری رہا۔ ۱۳۶۰ھ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند کا اجراء ہوا۔ جو تسلسل کے ساتھ اس وقت تک جاری ہے۔ ۱۹۴۲ء

میں حضرت مدنی ؒ کی گرفتاری پیش آئی۔ جس جلسہ کی بنیاد پر گرفتاری ہوئی اس کے صدر حضرت قاری محمد طیب ؒ تھے۔ حضرت قاری صاحب ؒ، حضرت مدنی ؒ کو مراد آباد جیل ملنے کے لئے گئے تو حضرت مدنی ؒ نے مزاحاً سپرینڈنٹ جیل سے فرمایا کہ صدر جلسہ تو آزاد پھر رہے ہیں اور بوڑھے مقرر کو آپ نے جیل میں بند کر رکھا ہے تو حضرت قاری محمد طیب ؒ نے برجستہ فرمایا۔ ''حضرت اس وقت تو میں بھی آپ کے ساتھ جیل میں ہوں۔'' حضرت مدنی ؒ کی گرفتاری کے خلاف دیوبند میں جلسہ ہوا۔ جس میں حضرت قاری صاحب ؒ نے فرمایا کہ اگر حکومت اس گرفتاری سے دارالعلوم یا دارالعلوم کی جماعت کو چیلنج کرنا چاہتی ہے تو میں سب کی طرف سے اس چیلنج کو قبول کرتا ہوں۔

دارالعلوم میں شعبہ خوش خطی ۱۹۴۵ء میں قائم ہوا۔ اس سال ہی دارالصنائع کا شعبہ بھی قائم ہوا۔ بہار اور میرٹھ کے فسادات میں دارالعلوم نے مثالی خدمات سے مسلمانوں کی خدمت کا ریکارڈ قائم کیا۔ اگست ۱۹۴۷ء میں پاکستان قائم ہوا۔ مولانا قاری محمد طیب صاحب ؒ پاکستان آ گئے۔ آپ کے عزیز واقارب خاندان سب کچھ انڈیا میں تھا۔ یہاں آئے تو دوستوں نے روک لیا۔ اتنا عرصہ رکنا ہوا کہ اب واپسی کے راستے مسدود ہو گئے۔ اب حضرت قاری صاحب ؒ کو واپس لانے کے لئے حضرت مدنی ؒ دہلی جا کر حضرت مولانا آزاد ؒ سے ملے تو آپ نے فرمایا کہ وہ پاکستان رہ جائیں تو کیا حرج ہے؟ حضرت مدنی ؒ نے فرمایا: ''مولانا آزاد! میں دارالعلوم کے بانی، حضرت نانوتوی ؒ کے جانشین کو واپس لانے کے لئے آیا ہوں۔ دارالعلوم یہاں اور وہ وہاں۔ یہ کچھ نہیں آ رہا۔'' تب حضرت مولانا آزاد ؒ نے جواہر لال نہرو سے فرمایا تو سپیشل جہاز سے حضرت قاری صاحب ؒ کو دہلی منگوایا گیا۔ دہلی سے ٹرین کے ذریعہ دیوبند آئے تو حضرت مدنی ؒ کی سربراہی میں دارالعلوم کے تمام خورد وکلاں نے اسٹیشن پر آپ کا استقبال کیا۔ جب ایک دوسرے سے ملے تو فرط جذبات سے دونوں طرف آنکھوں میں آنسوؤں کی جھڑی لگی تھی۔ آپ کے عہد اہتمام میں دارالعلوم دیوبند اور علی گڑھ یونیورسٹی میں اشتراک باہمی کی راہیں کھلیں۔ پوری دنیا میں دارالعلوم کا تعارف حضرت قاری صاحب ؒ کا مرہون منت ہے۔ عرب وعجم، ہندوسندھ، امریکہ وافریقہ تک دارالعلوم کا فیض حضرت قاری صاحب ؒ کے عہد اہتمام میں عام وتام ہوا۔ دارالعلوم دیوبند کی لائبریری کا دنیا کی بڑی لائبریریوں میں شمار

ہوتا ہے۔ جو قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذوق عالی کا مظہر ہے۔ تقسیم کے بعد ہند کے مسلمانوں اور ان کے حقوق کے تحفظ کے لئے دارالعلوم اور جمعیت علماء ہند نے جو خدمات سرانجام دیں۔ وہ تاریخ کا سنہری باب ہے۔

۲۱ تا ۲۳ مارچ ۱۹۸۰ء میں دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ تقریب منعقد کی گئی۔ جس میں سترہ ہزار فضلاء کو دستار فضیلت اور سند دی گئی۔ پاکستان سے ایک ہزار علماء کے وفد نے حضرت مفکر اسلام مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں شرکت کا اعزاز حاصل کیا۔ جمعہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھایا۔ جس میں اٹھارہ تیس لاکھ افراد نے شرکت کی۔ سٹیج پر تین ہزار مہمانوں کے بیٹھنے کا انتظام یہ تمام تر وسیع انتظام حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حسن اہتمام کا مرہون منت تھا۔ ۱۷ جولائی ۱۹۸۳ء کو آپ کا وصال ہوا۔ دارالعلوم دیوبند کے احاطہ میں ایک لاکھ افراد نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی۔ جو آپ کے صاحبزادہ مولانا قاری محمد سالم قاسمی نے پڑھائی اور آپ اپنے دادا کے پہلو میں سپرد خدا کر دیئے گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات

اسی مقبرہ قاسمی میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک ہے۔ دیوبند میں ایک بزرگ عالم دین جن کا نام مولانا ذوالفقار علی دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ حق تعالیٰ نے انہیں دینی و دنیاوی وجاہتوں سے نوازا تھا۔ دیوان حماسہ، دیوان متنبی، قصیدہ بردہ، قصیدہ بانت سعاد کی شروح تسہیل الدراسۃ، تسہیل البیان، عطر الوردہ، اور الارشاد کے نام سے تحریر فرمائیں۔ اس سے ان کے عربی ادب کے ذوق عالی کا انکشاف ہوتا ہے۔ ان کی دو صاحبزادیاں اور چار صاحبزادے تھے۔ بڑے صاحبزادہ کا نام محمود حسن تجویز ہوا۔ جو ۱۲۶۸ھ، مطابق ۱۸۵۱ء میں بمقام بریلی پیدا ہوئے (کہ ان دنوں آپ کے والد ملازمت کے سلسلہ میں اہل وعیال سمیت یہاں پر مقیم تھے) محمود حسن چھ سال کے ہوئے تو قرآن مجید کی بسم اللہ کرائی گئی۔ میاں جی عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے قرآن مجید اور ابتدائی فارسی کی کتب پڑھیں۔ فارسی کتب کی تکمیل اور عربی کی ابتدائی کتب اپنے چچا مولانا مہتاب علی رحمۃ اللہ علیہ سے

پڑھیں۔ ۱۵ ارمحرم ۱۲۸۳ھ کو دیو بند میں عربی مدرسہ کا قیام حضرت مولانا نانوتوی رحمہ اللہ اور حضرت حاجی عابد حسین رحمہ اللہ نے کیا تو یہی طالب محمود حسن اس مدرسہ کے پہلے طالب علم قرار پائے۔ کل ۲۱ رطالب علم تھے جن سے دارالعلوم دیو بند کا آغاز ہوا۔ پہلا سبق طالب علم محمود حسن نے استاذ ملا محمود سے پڑھا۔ تعلیمی سال کے اختتام یعنی امتحان تک ۷۸ طالب علم ہوئے تھے۔ طلبہ کی کثرت ہوئی تو حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے استاذ زادہ حضرت مولانا محمد یعقوب رحمہ اللہ صدر مدرس کے طور پر تشریف لائے۔ ۱۲۸۴ھ میں مولانا محمود حسن نے مختصر معانی وغیرہ کا امتحان دیا۔ ۱۲۸۵ھ کو مشکوۃ شریف مکمل کی۔ ۱۲۸۶ھ کو حدیث و دیگر کتب حضرت نانوتوی رحمہ اللہ سے پڑھیں۔ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ سے آپ کے پڑھنے کا انداز یہ تھا کہ جہاں حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تشریف لے جاتے حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ آپ کے ہمراہ ہوتے۔ میرٹھ، دہلی، دیو بند غرض سفر و حضر میں سلسلہ تعلیم جاری رہتا۔ ۱۲۸۹ھ میں آپ مکمل حدیث کی کتب اور تکمیل کی کتب سے فارغ ہو گئے اور اسی سال ہی معین مدرس کے طور پر آپ نے اپنی مادر علمی دارالعلوم دیو بند میں پڑھانا بھی شروع کر دیا۔ ۱۲۹۰ھ میں آپ کی دستار بندی ہوئی۔ ۱۲۹۲ھ میں باقاعدہ مدرس چہارم کے طور پر آپ کا تقرر ہوا۔ آپ کے والد گرامی نہیں چاہتے تھے کہ مدرسہ سے آپ تنخواہ لیں۔ لیکن مدرسہ کے مصالح کے پیش نظر آپ نے انکار نہ کیا۔ اسی زمانہ میں اہتمام حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمہ اللہ کے پاس تھا جو سلسلہ نقشبندیہ کے بہت بڑے شیخ وقت تھے۔ اس دور میں مدرس چہارم کی تنخواہ پندرہ روپیہ ماہانہ تھی جو آپ نے لینی شروع کی۔ آپ فرماتے تھے کہ اس زمانہ میں قدوری، قطبی پڑھانا بھی غنیمت تھا۔ لیکن طلباء کو آپ نے بڑی بڑی کتابیں بھی پڑھائیں۔ ۱۲۹۳ھ میں آپ نے ترمذی شریف پڑھائی۔ ۱۲۹۵ھ میں بخاری شریف آپ نے پڑھائی۔ ۱۲۹۴ھ میں حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے ساتھ آپ حج پر تشریف لے گئے۔ اسی سفر میں حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے فرمانے پر حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے استاذ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی رحمہ اللہ مجددی نے جو ان دنوں مدینہ طیبہ میں قیام پذیر تھے آپ کو سند حدیث کی اجازت دی۔ ۱۲۹۷ھ میں حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا، ۱۳۰۲ھ میں حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ کا وصال ہوا تو حضرت مولانا سید احمد صاحب رحمہ اللہ کو جو فنون کے امام مانے جاتے تھے۔ مدرس اول مقرر کیا۔ ۱۳۰۵ھ میں وہ بھوپال تشریف لے گئے تو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ صدر مدرس قرار پائے۔ ۱۳۰۵ھ

سے ۱۳۳۹ھ تک تینتیس سال کا عرصہ آپ دارالعلوم ایسے ادارہ کے صدر المدرسین رہے۔ کل پڑھانے کا دور شمار کیا جائے وہ تو نصف صدی کو محیط ہوگا۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ سے باصرار وتکرار عرض کیا کہ دارالعلوم میں بغیر مشاہرہ کے میری خدمات کو قبول فرمایا جائے۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے اجازت نہ دی۔ آپ کے وصال کے بعد آپ نے مشاہرہ لینا بند کر دیا۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کا وجود اہل ہند کے لئے انعام الٰہی تھا۔ بیک وقت آپ نے درس وتدریس کے علاوہ تحریک آزادی کے لئے بھی کام کیا۔ کانگریس کی تحریک آزادی، جمعیت علماء ہند، تحریک ترک موالات، تحریک ریشمی رومال سے لے کر مالٹا کی قید وبند تک کی آپ کی گرانقدر مجاہدانہ سرگرمیوں کو کوئی مورخ کیسے نظر انداز کر سکتا ہے۔ آپ ۸/جون ۱۹۲۰ء کو سالہا سال کی قید سے رہائی کے بعد ہند میں تشریف فرما ہوئے۔ ۳۰/نومبر ۱۹۲۰ء کو وصال فرمایا اور آپ کے بھائی مولانا حکیم محمد حسن رحمہ اللہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اپنے استاذ کے قدموں میں محو استراحت ہوئے۔

شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کے مختصر حالات

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے پہلو میں بجانب غرب شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی قبر مبارک ہے۔ یہاں بھی حق تعالیٰ نے ایصال ثواب کی توفیق سے سرفراز فرمایا۔

اللہ داد پور نزد قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد میں آج سے پانچ سو سال پہلے شاہ نور الحق رحمہ اللہ تشریف لائے۔ ان کی اولاد کے چودھویں سلسلہ میں سید حبیب اللہ رحمہ اللہ تھے جو حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی رحمہ اللہ کے خلیفہ تھے۔ مولانا سید حبیب اللہ رحمہ اللہ کے صاحبزادے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ ہیں۔

حضرت مدنی رحمہ اللہ ۱۹/شوال ۱۲۹۲ھ مطابق ۶/اکتوبر ۱۸۷۹ء کو پیدا ہوئے۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ کی عمر مبارک تین سال کی ہوئی تو والد گرامی سے ٹانڈہ اپنے گاؤں میں پڑھنا شروع کیا۔ جب آپ کی عمر تیرہ سال کی ہوئی تو والد گرامی نے آپ کو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ آپ نے بہت ساری کتابیں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے پڑھیں۔ دیگر اساتذہ میں مولانا ذوالفقار علی دیوبندی رحمہ اللہ، مولانا عبدالعلی محدث دہلوی رحمہ اللہ، مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمہ اللہ بھی شامل ہیں۔

آپ ہمیشہ اعلیٰ نمبروں سے کامیاب ہوتے رہے۔ عربی مدارس میں انتہائی نمبر پچاس ہوتے ہیں۔ مگر آپ اکثر ۵۱، ۵۲، ۵۳ نمبر لیتے تھے۔ صدرا جیسی مشکل کتاب کے اصل پچاس نمبر کی بجائے ۵۷ نمبر حاصل کیے۔

جب آپ کی عمر تیرہ سال کی ہوئی تو آپ کے والد مولانا سید حبیب اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۱۶ھ میں اپنے اہل وعیال سمیت حجاز مقدس مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ اس وقت آپ کا خانوادہ تیرہ افراد پر مشتمل تھا جو بارہ چھٹانک مسور کے پانی پر گزارہ کرتے تھے۔ پورے خاندان کی طرح حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے بھی مدینہ طیبہ کا قیام نعمت غیر مترقبہ تھا۔ اس وقت مدینہ طیبہ میں کتب خانہ شیخ الاسلام، اور کتب خانہ محمودیہ نایاب کتب کے مراکز تھے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کتب خانوں سے بھرپور استفادہ کیا۔ چھ سال کی مدت میں آپ نے دارالعلوم دیوبند مختلف اساتذہ سے مختلف فنون کی ۶۷ کتب باقاعدہ پڑھی تھیں۔ عربی ادب آپ نے مدینہ طیبہ کے بزرگ عالم دین الشیخ آفندی عبدالجلیل برادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مکمل کیا۔ تکمیل وتحصیل علم کے ساتھ آپ نے مدینہ طیبہ مسجد نبوی میں پڑھانا بھی شروع کر دیا۔ ۱۳۱۸ھ تک آپ کا درس ابتدائی لیکن امتیازی رہا۔ ۱۳۱۸ھ میں آپ ہندوواپس آئے۔ محرم ۱۳۲۰ھ کو پھر واپس حجاز مقدس تشریف لے گئے۔ اب بھی آپ نے مدینہ طیبہ مسجد نبوی میں درس کا آغاز کیا۔ ایک ہندی عالم دین کے درس نے وہ مقبولیت حاصل کی کہ افریقہ، چین، جزائر، شرق الہند تک کے شائقین نے آپ سے استفادہ کیا۔ ان دنوں چوبیس گھنٹوں میں سے صرف تین گھنٹے آرام کرتے تھے۔ باقی وقت پڑھنے پڑھانے میں گزرتا۔ آپ بغیر کتاب سامنے رکھے پڑھاتے تھے۔ ادھر طالب علم عبارت پڑھتا، ادھر آپ تقریر شروع کر دیتے۔ روزانہ چودہ پندرہ اسباق پڑھاتے اور پڑھانے میں یہی انداز تھا۔ خود فرماتے ہیں کہ یہ سب صدقہ تھا اس بات کا کہ ایک رات آپ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ تو قدموں سے لپٹ کر درخواست کی کہ آپ ﷺ دعا فرمائیں کہ جو کتب پڑھ چکا ہوں وہ یاد ہو جائیں، جو نہیں پڑھیں وہ مطالعہ میں نکال سکوں۔ آپ ﷺ نے دعا فرما دی۔ بس اس کے بعد پھر علم کی وادی میں برابر بڑھتے گئے۔ اب تو مکی، شامی، مدنی علماء کو بھی وہ مقام حاصل نہ تھا جو وقار وجاہت آپ کو حاصل ہو گیا۔

بیعت وسلوک کا سفر

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ اپنے برادر مولانا سید محمد صدیق

صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر قطب الارشاد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوگئے تھے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حجاز مقدس میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق قائم رکھنا۔ چنانچہ ایسے ہوا۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد فرمودہ اسباق کو جاری رکھا۔ مگر تھوڑے عرصہ بعد حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوگیا۔ آپ مدینہ طیبہ مسجد اجابہ کے قریب کھجوروں کے جھنڈ میں علیحدہ ذکر کرتے تھے۔ برابر اپنی کیفیات قلبی سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی باخبر رکھتے تھے۔ حجاز مقدس سے آپ ہند گئے۔ اس دوران چالیس دن حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے۔ انہی دنوں آپ کو دستار خلافت نصیب ہوگئی تھی۔ آپ نے دوبارہ ہند سے آکر مدینہ طیبہ پڑھانا شروع کیا۔ آپ کے ذوق عالی کو ملاحظہ کیجئے کہ اس وقت مسجد نبوی کے تمام مدرسین "قال رسول اللہ ﷺ" سے حدیث شریف پڑھاتے تھے۔ مگر آپ "قال صاحب هذه القبر ﷺ" کہہ کر حدیث شریف پڑھاتے تھے۔ ۱۳۳۳ھ میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بھی حجاز مقدس تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ بعد انگریزوں کی سازش میں آکر شریف حسین نے ترکوں کے خلاف بغاوت کی۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ گرفتار ہوئے تو آپ کے ساتھ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ بھی گرفتار ہوئے۔ اس دوران میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید یاد کیا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید کا اردو ترجمہ مکمل کیا۔ سورۃ مائدہ تک حواشی بھی تحریر فرمائے۔ باقی کام کو بعد میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکمل کیا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے کام تفسیری حواشی کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے کام لیا اور علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی "فتح الملہم" کی تکمیل کا کام اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی سے لیا۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے رفقاء کی اسارت مالٹا ساڑھے چار سال بنتی ہے۔

جب مالٹا سے رہا ہوئے اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ ہند میں آئے تو پھر یہیں کے ہوکر رہ گئے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو دارالعلوم کلکتہ کی صدارت کے لئے بھیج دیا۔ جب جانے لگے تو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سر پر، آنکھوں پر لگایا۔ سینے سے لگایا۔ "یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا"

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بنے۔ آپ کے بعد مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بعد یہ منصب حضرت شیخ

الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے حصہ میں آیا۔ یہ ۱۹۲۷ء کی بات ہے۔ اکتیس سال آپ اس منصب پر فائز رہے۔

جولائی ۱۹۲۱ء میں آپ نے کراچی خلافت کانفرنس میں انگریزی فوج میں بھرتی ہونے کو حرام قرار دینے کی قرارداد منظور کرائی۔ ۱۸ ستمبر ۱۹۲۱ء میں آپ گرفتار ہوئے۔ ۲۶ ستمبر ۱۹۲۱ء کو کراچی خالق دینا ہال بندر روڈ پر کیس کی سماعت شروع ہوئی۔ نہایت بہادری و جرأت سے انگریزی فوج میں بھرتی حرام کے کیس پر دلائل دیئے اور اپنے فتویٰ و قرارداد پر ثابت قدم رہے۔ مولانا محمد علی جوہر رحمہ اللہ نے عدالتی بیان سننے کے دوران آپ کے قدم چوم لئے۔ یکم نومبر ۱۹۲۱ء کو دو سال کی آپ کو قید بمشقت کی سزا سنائی گئی۔ آپ نے سابرمتی جیل میں یہ قید کاٹی۔ دسمبر ۱۹۲۳ء میں آپ نے کوکناڈا میں جمعیت علماء ہند کے اجلاس میں صرف ہند نہیں بلکہ پورے ایشیاء سے انگریز کے نکلنے کا ریزولیوشن منظور کرایا۔ سائمن کمیشن کی آمد کے موقع پر نہرو رپورٹ کی منظوری میں بھی آپ نے مکمل آزادی کا مطالبہ کیا۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ سلوک و تصوف، درویشی و ولایت، مکارم اخلاق، خودداری، ذوق عبادت، اتباع شریعت و سنت، عزم و استقلال، سادگی و بے تکلفی، تواضع و انکساری، ایثار و قربانی، فیاضی و مہمان نوازی، احتیاط و تقویٰ، قناعت و استغناء، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے مناصب جلیلہ پر نہ صرف فائز تھے بلکہ ان تمام امور میں درجہ امامت کے حامل تھے۔

آپ کی تصنیفات درج ذیل ہیں:

۱...... آپ نے سیدنا مہدی علیہ الرضوان کی تشریف آوری پر رسالہ لکھا جس کا نام ہے "الخلیفة المهدی فی الاحادیث الصحیحة"

۲...... اسیر مالٹا۔ جس میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی زندگی کا ایک ایک گوشہ نمایاں کیا گیا ہے۔

۳...... متحدہ قومیت۔

۴...... نقش حیات۔

۵...... الشہاب الثاقب۔

۶...... مکتوبات شیخ الاسلام۔

ان کتب و رسائل کے علاوہ ایک رسالہ داڑھی کے وجوب پر بھی ہے اور بھی شاید کچھ رسائل ہوں۔

آپ کا رنگ گندمی تھا۔ قد درمیانہ، جسم مضبوط، آنکھیں بڑی بڑی اور سیاہ، کشادہ پیشانی، گھنی داڑھی، ناک نہ زیادہ اٹھی ہوئی نہ لمبی بلکہ متوسط۔ سینہ نہایت چوڑا۔ انگلیاں پُر گوشت۔ حضرت مدنی ؒ پانچ بھائی اور ایک بہن تھی۔

حضرت مدنی ؒ کی پہلی شادی موضع قتال پور ضلع اعظم گڑھ میں ہوئی۔ ان سے دو بیٹیاں ہوئیں۔ ایک کا بچپن میں وصال ہوا۔ جب آپ مالٹا میں گرفتار تھے۔ آپ کے خاندان کے حضرات شام گئے۔ شام میں دوسری بیٹی کا وصال ہوا۔ حضرت کی دوسری شادی قصبہ چھراؤں ضلع مراد آباد میں ہوئی۔ ان سے دو صاحبزادے اخلاق احمد، اشفاق احمد ہوئے۔ پہلے آٹھ سال اور دوسرے ڈیڑھ سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔ اہلیہ کا بھی مدینہ منورہ میں وصال ہوا۔ اس کے بعد تیسری شادی اس اہلیہ کی چھوٹی بہن سے ہوئی۔ ان سے حضرت مولانا سید اسعد مدنی اور ایک صاحبزادی ہوئیں۔ صاحبزادی کا انتقال سلہٹ میں ہوا۔ حضرت مولانا اسعد مدنی کی والدہ کا وصال ۱۳۵۵ھ میں دیوبند میں ہوا۔

حضرت مدنی ؒ کی چوتھی شادی اپنے چچازاد بھائی کی منجھلی صاحبزادی سے ہوئی۔ ان سے حضرت مولانا محمد ارشد، مولانا محمد اسجد اور پانچ صاحبزادیاں ہوئیں۔

زندگی کا آخری سفر

۱۹۵۷ء میں موسم گرما میں ڈیڑھ ماہ کے تبلیغی سفر پر روانہ ہوئے۔ مگر بیس روز بعد واپسی ہوگئی۔ بتایا کہ دوران سفر آپ کو تکلیف ہوگئی۔ سانس لینا مشکل ہوگیا تو بقیہ سفر منسوخ کر دیا۔ واپسی پر ہفتہ بھر اسباق پڑھائے۔ بالآخر بیماری کے زور کرنے سے مجبوراً مدرسہ کے اسباق بند کر دیئے۔ سہارنپور معائنہ کے لئے تشریف لے گئے۔ اس دوران میں رائے پور حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری ؒ سے ملاقات بھی فرمائی۔ ایکسرے میں پتہ چلا کہ گردے متاثر ہیں۔ واپس دیوبند تشریف لائے۔ مسجد میں نماز پڑھنا، ملاقاتیں کرنا، خطوط کے جواب لکھوانا یہ معمولات جاری رہے۔ مگر آخری پندرہ روز ڈاکٹروں نے پابندی لگادی۔ گھر پر جماعت سے نماز پڑھتے۔ مگر ایک دن بھی شدید تکلیف کے باوجود بیٹھ کر نماز نہیں پڑھی۔ کتابوں کا مطالعہ جاری رہا۔ عجیب اتفاق ہے کہ حضرت نانوتوی ؒ کا وصال بھی ۱۳ ر جمادی الاوّل بروز جمعرات بعد از نماز ظہر ہوا۔ یہی وقت، یہی دن، یہی تاریخ، یہی مہینہ حضرت مدنی ؒ کے وصال کا ہے۔ جمعرات ساڑھے ۱۲ ر بجے شب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی ؒ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

مقبرہ قاسمی دارالعلوم دیوبند کے بالکل قریب رات کے وقت اتنا جم غفیر کہ وہاں پہنچتے پہنچتے دو گھنٹے لگ گئے۔ خاص تہجد کے لئے جس وقت ہمیشہ رب کریم کے حضور حاضر ہوتے تھے آج بھی اسی وقت اس شان سے حاضر ہوئے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

فقیر کی سعادت مندی یہاں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر ایصال ثواب و دعا کی سعادت حاصل کی۔ آپ کے پہلو میں آپ کے صاحبزادے اور آپ کے جانشین امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ مدفون ہیں۔ وفات ۶ رفروری ۲۰۰۶ء۔ آپ پر فقیر نے ایک مضمون بھی تحریر کیا تھا جو "یاد دلبراں ص ۷۵ سے ص ۸۵ تک" ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ مزید کیا عرض کروں۔

مقبرہ قاسمی سے ایصال ثواب و دعا کے بعد واپس ہوئے تو ایک گلی سے شمال کی جانب کچھ چلے تو وہاں پر ایک کھلا چار پانچ چھ کنال کا احاطہ ہے۔ اس میں کچھ سایہ دار درخت ہیں۔ درمیان میں ایک اونچا چبوترہ ہے۔ اس میں حضرت حاجی سید عابد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک ہے۔ عزیزی حافظ محمد انس کا بار بار اصرار ہو رہا تھا کہ یہاں ضرور حاضر ہو کر ہمارے لئے دعا کرنی ہے۔ چنانچہ ان کے حکم کی تعمیل میں یہاں حاضری ہوئی۔ زہے نصیب! کہ جن کی مساعی جمیلہ سے دارالعلوم دیوبند وجود میں آیا، آج ان کی قبر مبارک و مزار شریف پر ایصال ثواب اور دعا کے لئے حاضری کی سعادت نصیب ہو رہی ہے۔

حضرت حاجی عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات

حضرت حاجی سید عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ پیدائش ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۸۳۴ء۔ آپ کا نسبی تعلق سادات رضویہ سے ہے۔ آپ میاں جی کریم بخش صابری رحمۃ اللہ علیہ ساکن رامپور منہاراں کے خلیفہ مجاز تھے۔ اسی طرح سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی آپ خلیفہ تھے۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مہتمم تھے۔ تین بار مہتمم رہے۔ آخری بار مولانا رفیع الدین عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے سفر ہجرت کے باعث ۱۳۰۶ھ تا ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۸۹ء تا ۱۸۹۳ء مہتمم رہے۔ آپ چشتی صابری سلسلہ کے بہت نامور بزرگ تھے۔ زہد و ریاضت کا پیکر تھے۔ آپ کا حلقہ دیوبند اور اطراف وجوانب میں بہت وسیع تھا۔ قرآن مجید اور فارسی پڑھ کر تکمیل علم کے لئے دہلی گئے۔ لیکن دوران تعلیم تصوف کی لائن ایسے اختیار کی کہ وہ رنگ غالب آ گیا۔

حضرت حاجی صاحب کا جھتہ مسجد دیوبند میں ساٹھ سال قیام رہا۔ مشہور ہے کہ تیس سال تک تکبیر اولی فوت نہیں ہوئی۔ صاحب کشف وکرامت تھے۔ "فن عملیات" میں زبردست ملکہ تھا۔ اتباع سنت کا غایت درجہ اہتمام تھا۔ ان کا مقولہ ہے "بے عمل درویش ایسا ہے جیسے سپاہی بے ہتھیار، درویش کو چاہیے کہ اپنے آپ کو چھپانے کے لئے عامل ظاہر کرے۔"

آپ منقولہ، غیر منقولہ اراضی، باغ وغیرہ سب راہ خدا میں لٹا کر محض خدا تعالیٰ پر توکل کئے ہوئے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے علاوہ جامع مسجد دیوبند بھی آپ کی مساعی سے مکمل ہوئی۔ مکان مسجد کے لئے وقف کر کے حجاز مقدس چلے گئے۔ ایک سال بعد واپس تشریف لائے۔ ۲۷ رذی الحجہ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۲ء کو ۸۱ سال کی عمر میں وفات پائی۔

آپ کے اہتمام میں کسی مسئلہ پر کوئی طالب علم ناراض ہوگیا اور اس نے معاذ اللہ! آپ کو برا بھلا بھی کہا۔ دوسرے وقت آپ نے جا کر خود اس سے معذرت کر لی۔ حالانکہ قصور طالب علم کا تھا۔ ایسے بے نفس بزرگ چشم فلک نے گنتی کے ہی دیکھے ہوں گے۔ یہاں پر دعا کے بعد وقت دیکھا تو ساڑھے آٹھ ہو رہے تھے۔ حضرت مولانا شاہ عالم گورکھپوری کے گھر پر جا کر ناشتہ کیا۔ ان کی خواہش تھی کہ ختم نبوت کا تخصص کرنے والوں سے ایک نشست ہو جائے۔ لیکن جس "امن عالم کانفرنس" کے لئے حاضر ہوئے اس کا وقت ہو چکا تھا۔ حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب نے فرمایا کہ اب کانفرنس میں شرکت کرنی چاہیے۔ تمام مجوزہ پروگرام ملتوی کر کے کانفرنس میں حاضر ہوئے۔

۱۴ ردسمبر کی مصروفیات

آج ۱۴ ردسمبر ۲۰۱۳ء ہے۔ صبح نماز کے بعد سے مقبرہ قاسمی پر گئے۔ ناشتہ سے فراغت کے بعد ساڑھے نو بج گئے تھے۔ ۹ ربجے صبح امن عالم کانفرنس کا اعلامیہ منظور ہونا تھا۔ اس کے بعد گیارہ بجے اجلاس عام تھا۔ چنانچہ خصوصی اجلاس میں شریک ہوئے۔ دروازہ پر حضرت مولانا سید محمود مدنی تشریف فرما تھے۔ جو مہمانوں کا استقبال کر رہے تھے۔ فقیر جب حاضر ہوا تو سٹیج پر لے جا کر بٹھایا۔ حضرت مولانا عبدالغفور حیدری، حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری، فقیر راقم سمیت کوئی پندرہ کے لگ بھگ مہمان ہوں گے جن کے لئے سٹیج پر کرسیاں رکھی گئیں۔ آج کے اس اجلاس میں دارالعلوم دیوبند کے سینئر اساتذہ اور بزرگ مہمان بطور خاص تشریف لائے۔ ساڑھے

نو بجے سے پونے گیارہ تک یہ اجلاس رہا۔ سوا دس بجے پورا ہال بھر گیا۔ حالانکہ سٹیج پر ابھی حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے تشریف لانا ہے اور خود میزبان حضرت مولانا سید محمود مدنی کے لئے بھی کرسی نہ رہی۔ فقیر نے دیکھا کہ اب میزبانوں کی مدد کرنی چاہیے۔ نیچے صف اول میں پاکستانی وفد کے مہمانوں میں حضرت مولانا سید محمود میاں کے ہاں ایک کرسی فارغ تھی۔ فقیر چپکے سے اٹھا سٹیج سے نیچے اترا، کندھے کی چادر اتار کر اس کرسی پر رکھی۔ باہر جا کر تازہ وضو کیا واپس آ کر ادھر ادھر دیکھے بغیر نیچے اسی چادر والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ مولانا سید محمود مدنی نے اتنے میں حضرت فضل الرحمٰن صاحب کا استقبال کیا اور خود فقیر کی خالی کردہ کرسی پر بیٹھ کر اعلان پڑھنا شروع کیا۔ مجھے اس عمل سے دلی راحت ہوئی کہ میزبانوں کی مشکلات کا مہمانوں کو خیال رکھنا چاہیے۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن نے اختتامی تائیدی کلمات کہے۔ صدر اجلاس حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری امیر الہند نے دعا کرائی۔ اب مہمان جلسہ عام میں شرکت کے لئے روانہ ہوئے۔

دیوبند میں امن عالم کانفرنس کا اجلاس عام

امن عالم کانفرنس کا اجلاس عام بھی اسی گلی کے عیدگاہ گراؤنڈ میں تھا۔ جہاں ایک شادی ہال میں خصوصی اجلاس ہو رہے تھے۔ ایک سائیڈ پر ہال تھا دوسری پر گراؤنڈ۔ ہال سے اٹھے تو گراؤنڈ میں چلے گئے۔ ہال سے نکلتے ہوئے تمام مہمانوں کو کانفرنس کے لئے تیار کرایا گیا ایک بیگ جس میں ٹیبل واچ، کیلنڈر اور کتابیں تھیں، دیا گیا۔ (فقیر نے بھی وصول کیا۔ پاکستان آ کر کتابیں ملتان دفتر کی لائبریری، ٹیبل واچ چناب نگر کی لائبریری اور بیگ مولانا عزیز الرحمٰن ثانی کے سپرد کر کے فارغ ہو گیا)

اب ہال سے عیدگاہ گراؤنڈ میں حاضر ہوئے۔ وسیع و عریض سٹیج دو اڑھائی صد مہمانوں کے بیٹھنے کی فرشی نشست تھی۔ سامنے پنڈال میں ہزاروں کرسیاں تھیں۔ تمام مہمان آ کر بیٹھ گئے۔ جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ سٹیج پر کھڑے ہوں تو سامنے دارالعلوم دیوبند کی جامع مسجد، ایک ہاتھ پر مقبرہ قاسمی، سامنے چند گلیوں پار حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری ؒ کا مقبرہ۔ اب تقاریر شروع ہوئیں۔ پاکستانی وفد سے حضرت مولانا عبدالغفور حیدری، مولانا رشید احمد لدھیانوی، مولانا زاہد الراشدی، مولانا سعید یوسف آزاد کشمیر، مولانا قاری محمد حنیف جالندھری، مولانا ڈاکٹر خالد محمود سومرو، حضرت مولانا محمد خان شیرانی اور فقیر راقم کے بیانات ہوئے۔ مولانا

سعید یوسف، مولانا قاری محمد حنیف نے خوب خطابت کے جوہر دکھلائے۔ آخری بیان پاکستانی وفد کے قائد، قائد اسلامی انقلاب حضرت مولانا فضل الرحمٰن کا ہوا۔ جسے حاصل اجلاس کہا جاسکتا ہے۔ فقیر راقم نے کانفرنس میں عرض کیا کہ یہ امن عالم کانفرنس ہے جو حضرت شیخ الہند ﷫ کی یاد میں منعقد ہورہی ہے۔ کون حضرت شیخ الہند ﷫؟ جن کے ایک شاگرد کا نام سید محمد انور شاہ کشمیری ﷫ ہے، کون مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری ﷫؟ جنہوں نے ختم نبوت کے لئے یہ یہ خدمات سرانجام دیں۔ کانفرنس کے عنوان پر بیان ہوا یا نہیں۔ دو اور دو چار روٹیوں کی طرح اپنی بات کہی۔ جس کی مولانا محمد امجد خان، مولانا ڈاکٹر خالد محمود سومرو، مولانا زاہد الراشدی نے بہت تحسین کی۔ کیا کروں مجھے اس کے علاوہ آتا کیا ہے جو بیان کرتا؟ اجلاس ختم ہوا۔ نماز پڑھی، کھانا سے فارغ ہوئے۔ آرام کا ارادہ کیا کہ عصر کی اذانیں ہوگئیں۔ حضرت مولانا شاہ عالم گورکھپوری اور مولانا جنید صاحب کے ساتھ عصر کی نماز مسجد چھتہ میں پڑھی۔ کہاں آ نکلا۔ انار کا درخت تو نہیں وہاں اب وضو خانہ بن گیا ہے۔ حجرہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ﷫، حجرہ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی ﷫، حجرہ حضرت حاجی عابد حسین ﷫ اور مسجد کا ہال و برآمدہ جوں کے توں باقی ہیں۔ سب کی زیارت کی۔ مسجد میں نماز پڑھی۔ مسجد میں اتنی تبدیلی ہوئی ہے کہ باہر کا صحن جو بغیر چھت کے تھا اب اس پر چھت ڈال دی گئی ہے۔ جہاں انار تھا وہاں بیس تیس آدمیوں کے لئے وضو خانہ تیار ہوگیا ہے اور بس۔ مسجد میں نماز، دعا، زیارت کے بعد یادوں کی بارات لئے واپس آگیا۔ اب دارالعلوم کے دوسرے احاطہ میں لے گئے۔ جہاں پرانے دارالحدیث کی عمارت ہے۔ اب اس میں مشکوٰۃ کے درجہ کی کلاس لگتی ہے۔ اس کے اوپر دارالتفسیر ہے۔ یہ دارالحدیث انہیں خطوط پر ہے۔ جس کی خواب میں نشاندہی کی گئی تھی اور میخ نشان لگے تھے۔ اس پر بنیاد اٹھادی گئی۔ اس دارالحدیث میں حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی ﷫ سے موجودہ شیخ الحدیث مولانا سعید احمد پالن پوری، مولانا سید ارشد مدنی، مولانا قاری سید محمد عثمان اور پتہ نہیں کون کون بزرگ پڑھاتے رہے۔ کون کون پڑھے۔ کس کس نے کیا کیا پڑھایا؟ قارئین خود اندازہ فرمائیں کہ یہاں نئے آنے والے شخص کے کیا جذبات ہوسکتے ہیں۔ مولانا گورکھپوری نے بتکرار و باصرار اس مسند پر بیٹھنے کے لئے بار بار حکم فرمایا۔ لیکن فقیر نے قبلہ رخ ہوکر اس مسند پر اپنی دونوں کہنیاں لگائیں اور دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر بیٹھ گیا۔ اب یہاں سے اٹھے تو اسی احاطہ میں ایک درخت کے

نیچے کنواں ہے جو دارالعلوم کا سب سے پہلا کنواں ہے۔ اب اس میں دستی نلکا لگا ہے۔ پانی اب بھی نکالا جاسکتا ہے۔ ٹربائن، ٹیوب ویل، ٹینکیوں اور ٹونٹیوں اور موٹروں کے دور میں فقیر کی نظر تو اسی نلکے پر ٹک گئی کہ نامعلوم کس کس اللہ کے بندہ نے یہاں سے پانی لیا ہوگا۔ فقیر نے مولانا شاہ عالم گورکھپوری سے عرض کیا کہ اگر مجھے بدعتی شمار نہ کیا جائے تو دل کی کہتا ہوں کہ مجھے یہاں سے ایک گلاس پانی پلا دو۔ طالب علم گلاس لایا۔ پانی نکالا اور نذر حاضر کیا۔ فقیر نے پیٹ میں اتار لیا۔ چلیں اب مغرب ہونے کو ہے۔ سواریاں آ گئی ہوں گی۔ میزبان تلاش نہ کرتے پھریں۔ سچی بات ہے کہ اب احساس کھائے جا رہا ہے کہ ستر سال کی عمر میں پہلی بار دو روز کی حاضری، اب جانے کا مرحلہ سر پر۔ پھر حاضری یا مقدر یا نصیب۔ بظاہر تو یہی ہے کہ یہاں کی یہ پہلی اور آخری حاضری ہے۔ چلیں، مہمان خانہ میں گئے۔ بیگ بھجوایا۔ وہ گاڑی میں رکھ دیا گیا۔ گاڑی کا تیسرا لاٹ ہو گیا۔ سامان رکھ دیا گیا۔ مغرب کا وقت قریب ہو گیا تھا۔ طے ہوا کہ نماز پڑھتے ہی گاڑیوں میں بیٹھ جائیں گے کہ دہلی جانا ہے۔ چنانچہ ایسے ہوا۔ دیوبندی حضرات کی محبت کو دل میں سمیٹے ان کی طرف سے عزت افزائی کا شکریہ ادا کر کے گلے ملے اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔ یا بٹھا دیا گیا۔ دیوبند سے جا رہا ہوں۔ مگر یادوں اور دل و دماغ میں اب بھی اس تحریر کے وقت وہاں پھر رہا ہوں۔

گاڑیاں چلیں۔ چلتے چلتے گھنٹہ دو گھنٹہ بعد ایک ہوٹل پر رکے۔ تجدید وضو کے عمل سے فارغ ہوئے۔ پورے وفد نے چائے پی۔ خوب سماں رہا۔ فارغ ہوئے۔ سردی جوبن پر ہے۔ دہلی دو ہوٹلوں میں مہمانوں کو ٹھہرایا گیا۔ حضرت مولانا فضل الرحمن اور آپ کے صاحبزادہ مولانا اسعد محمود اور حضرت مولانا عطاء الرحمن جمعیت علماء ہند کے دفتر میں مقیم ہوئے۔ دہلی میں دو راتیں حضرت مولانا محمد امجد خان صاحب کے ساتھ قیام رہا۔ مولانا امجد خان خوب آدمی ہیں۔ زندہ دلی کے ساتھ وقت گزارنے کا انہیں خوب ملکہ ہے۔ آدمی سفر میں پہچانا جاتا ہے اور مولانا واقعی بہت اچھے آدمی ہیں۔ عشاء پڑھی، کھانا کھایا سو گئے۔ جس ہوٹل میں ہمیں ٹھہرایا گیا اس کا نام ”براڈ وے“ تھا۔ اس کے قریب میں دل اور دماغ کا ہسپتال ہے۔ جس روڈ پر ہوٹل ہے اس روڈ کا نام یاد نہیں رہا۔

۱۵؍دسمبر کی مصروفیات

صبح بحمدہ تعالیٰ وقت پر بیدار ہوئے۔ جماعت سے فجر کی نماز پڑھنے کی حق تعالیٰ نے

توفیق بخشی۔ کمرہ میں چائے بنائی۔ مولانا محمد امجد خان ماشاء اللہ امور خانہ داری سے بھی واقف ہیں۔ بہت اچھی چائے بنائی۔ کچھ دیر آرام کیا۔ میزبانوں کی طرف سے پیغام ملا کہ ناشتہ کریں اور کانفرنس میں چلیں کہ ٹھیک ۹ بجے کانفرنس شروع ہو جائے گی۔ حضرت مولانا سید محمود مدنی خوب منتظم آدمی ہیں۔ ٹھیک ۹ بجے صبح تمام مہمانوں کو سٹیج پر لا بٹھایا۔ سب سے پہلے پرچم کشائی ہوئی۔ تلاوت ہوئی۔ امیر الہند مولانا قاری سید محمد عثمان کی صدارت کا اعلان ہوا اور کانفرنس شروع ہوگئی۔ ہند کے تو تمام مہمان قریباً صدارتی منصب کی تائید میں بھگتا دیئے۔ نو بجے صبح پورا پنڈال لیلا رام گراؤنڈ بھر چکا تھا۔ یہ گراؤنڈ دہلی کے جلسوں کے لئے عام استعمال ہوتا ہے۔ چند روز قبل ''عام آدمی پارٹی'' کے دہلی کے وزیر اعلیٰ کی تقریب حلف برداری بھی اس گراؤنڈ میں ہوئی تھی۔ ''امن عالم کانفرنس دہلی'' میں حد نگاہ تک شرکاء تھے اور کمال یہ ہے کہ پورے ملک سے قافلے اس ترتیب سے چلے کہ تمام تقاضوں اور آرام سے فراغت کے بعد ٹھیک ۹ بجے پنڈال میں جمع تھے۔ تمام باہر کے مہمانوں کو پہلے مرحلہ میں سٹیج پر لا بٹھایا کہ وہ بھی پوری کارروائی کے دوران موجود رہیں۔ مولانا سید محمود مدنی نے خطاب کیا اور اس دوران پبلک نے بھی بھرپور نعروں سے اپنی محبتوں کا اظہار کیا۔ پبلک کے نعروں کی گونج سے لگتا تھا کہ آپ پبلک کے دلوں کی ترجمانی فرما رہے ہیں۔ مولانا قاری سید محمد عثمان کے چھوٹے صاحبزادہ سٹیج سیکرٹری تھے اور بڑے سلیقہ واعتماد کے ساتھ انہوں نے سٹیج سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیئے۔

بہت سارے مقررین جن کا دیوبند کے جلسہ عام میں بیان ہوا۔ لیکن یہاں نہ ہوا۔ جیسے حضرت مولانا عبدالغفور حیدری، مولانا زاہد الراشدی، مولانا رشید احمد لدھیانوی اور فقیر راقم۔ بہت سارے ایسے مہمان تھے جن کا بیان دیوبند میں نہ ہوا۔ لیکن یہاں دہلی میں ہوا۔ جیسے میرے مخدوم ومخدوم زادہ حضرت مولانا محمد امجد خان کا یہاں بیان ہوا اور خوب ہوا۔ اللھم زد فزد!

بہت سارے حضرات ایسے تھے جن کا دیوبند اور دہلی دونوں جگہ بیان ہوا۔ جیسے حضرت شیرانی صاحب، حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری، حضرت ڈاکٹر خالد محمود سومرو، مولانا سعید یوسف خان۔ یہاں بھی آخری بیان حضرت مولانا فضل الرحمن کا بڑی اہمیت سے ہوا اور بہت بھرپور ہوا۔ فالحمدللہ!

فقیر راقم ساڑھے گیارہ، پونے بارہ بجے تک تو سٹیج پر رہا۔ ایک تو سٹیج پر فرشی نشستیں

تھیں۔ پھٹوں پر قالین بچھائے گئے تھے۔ سخت جگہ پر بیٹھنے سے میری کمر درد کرنے لگ جاتی ہے جس سے اعضاء شکنی اور ہلکے بخار کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ پھر یہ کہ سخت سردی کے باعث پیشاب کا بھی تقاضا ہوا۔ اللہ تعالیٰ منتظمین کو جزائے خیر دے۔ ان سے صورتحال عرض کی۔ انہوں نے فوراً گاڑی کا اہتمام کر دیا اور فقیر ہوٹل آ گیا۔ تقاضہ سے فارغ ہوا۔ موقعہ غنیمت تھا۔ غسل کیا، کپڑے تبدیل کئے، چائے پی اور سو گیا۔ اڑھائی بجے اٹھا تو طبیعت سنبھل گئی تھی۔ تازہ دم، تین بجے کے قریب وفد کے ارکان کانفرنس کی دعا کے بعد ہوٹل آنا شروع ہوئے۔ یہ حضرات نماز سے فارغ ہوئے۔ سب نے کھانا کھایا کہ اتنے میں عصر کا وقت ہو گیا۔ یہ تھکے ماندے تھے آرام کرنا چاہتے تھے۔ سب حضرات کانفرنس کے بھرپور کامیاب انعقاد پر متفق اللسان تھے۔ فالحمدللہ!

عصر سے فارغ ہوتے ہی فقیر نے جمعیت علماء ہند کے متحرک رہنما جن کا اب نام یاد نہیں آ رہا جو وفد کی راہنمائی کے لئے امرتسر سے یہاں تک برابر ساتھ رہے۔ ان سے فقیر نے عرض کیا کہ قریب میں کوئی مزارات ہوں تو حاضری ہو جائے۔ وقت سے فائدہ اٹھائیں۔ انہوں نے ساتھ لیا۔ سائیکل رکشہ دہلی میں اب بھی چلتا ہے۔ اس پر بیٹھے ہوٹل کے قریب ایک دو سڑکوں بعد دہلی کا دل و دماغ کا بڑا ہسپتال ہے اس کے درمیان سے ہو کر ہسپتال کو پار کیا تو سامنے برابر قبرستان ہے۔ اس کے درمیان سے لے کر وہ ایسی جگہ گئے جہاں مدرسہ رحیمیہ کا بورڈ نظر آیا۔ آگے شاہ ولی اللہ مسجد جس کا پہلا نام مکی مسجد تھا۔ اس سے گزرے تو ایک چھت والے خوبصورت ہال میں داخل ہوئے۔ جس میں قریباً انیس قبور مبارکہ ہیں۔ اب ان قبور مبارکہ سے پہلی قبر مبارک کا کتبہ پڑھا تو وہ قبر مبارک حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تھی۔ میزبان کی طرف محبت سے دیکھا کہ کیا خوبصورت انہوں نے انتخاب کیا۔ اب کھو گیا اور عصر سے مغرب تک کا وقت یہاں ہی گزار دیا۔ مغرب کی نماز بھی یہاں ادا کی۔

مزارات خاندان حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

محلہ مہدیاں میں بہت بڑا قبرستان ہے۔ اس کے قرب وجوار میں لوگوں نے مکانات بھی بنا رکھے ہیں۔ اس قبرستان میں آپ قبلہ رخ ہوں تو قبرستان کے جنوبی اور شمالی کناروں پر دو مساجد ہیں۔ قبرستان کے شمال کی جانب کی مسجد کسی زمانہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا مدرسہ ہوتا تھا۔ اب صرف ایک مسجد باقی ہے۔ اردگرد سارا

شہر خوشاں آباد ہے۔ جنوب کی سائیڈ پر جائیں تو وہاں پہلے چند کمروں پر مشتمل ایک عمارت پر مدرسہ رحیمیہ کا بورڈ نصب ہے۔ شاہ عبدالرحیم ؒ کے نام پر یہ مدرسہ قائم ہے۔ اسی مدرسہ کے ساتھ لوگوں کے مکانات ہیں۔ اس قبرستان میں انہیں مکانوں کے مکینوں سے یہ دونوں مساجد آباد ہیں۔ جنوبی سائیڈ کی اس مسجد کے اردگرد بھی قبرستان ہے۔ اس مسجد کے صحن میں شمال سے داخل ہوں گے تو آپ کے دائیں جانب مسجد کا ہال ہے اور آپ کے بالکل سامنے صحن مسجد کے پار متصل ایک کھلا ہال ہے۔ جس میں پندرہ بیس قبول مبارکہ ہیں۔ یہ قبور مبارکہ شاہ ولی اللہ ؒ کے خاندان کی ہیں۔ آپ ہال کے دروازہ میں داخل ہوں تو بائیں جانب حضرت شاہ عبدالرحیم ؒ دہلوی کا مزار مبارک ہے اور دروازہ کے داخل ہوتے ہی دائیں جانب حضرت شاہ ولی اللہ ؒ کا مزار مبارک ہے۔ زہے نصیب! فقیر کو یہاں دوبار حاضری کا موقع میسر آیا۔

شاہ عبدالرحیم دہلوی ؒ کا سلسلہ نسب سیدنا فاروق اعظمؓ سے جا کر ملتا ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے:

(۱)......شاہ عبدالرحیم بن (۲)......وجیہہ الدین شہید بن (۳)......معظم بن (۴)......منصور بن (۵)......احمد بن (۶)......محمود بن (۷)......قوام الدین عرف قاضی قاذن بن (۸)......قاضی قاسم بن (۹)......قاضی کبیر عرف قاضی بدہ بن (۱۰)......عبدالملک بن (۱۱)......قطب الدین بن (۱۲)......کمال الدین بن (۱۳)......شمس الدین مفتی بن (۱۴)......شیر ملک بن (۱۵)......محمد عطا ملک بن (۱۶)......ابو الفتح ملک بن (۱۷)......عمر حاکم ملک بن (۱۸)......عادل ملک بن (۱۹)......فاروق بن (۲۰)......جرجیس بن (۲۱)......احمد بن (۲۲)......محمد شہریار بن (۲۳)......عثمان بن (۲۴)......امان بن (۲۵)......ھمایوں بن (۲۶)......قریش ابن (۲۷)......سلیمان بن (۲۸)......عفان بن (۲۹)......عبداللہ بن (۳۰)......محمد بن (۳۱)......عبداللہ بن (۳۲)...... عمر بن الخطاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین!

حضرت شاہ عبدالرحیم کا سلسلہ نسب مکمل اس لئے نقل کر دیا ہے کہ آپ کے صاحبزادہ

حضرت شاہ ولی اللہ اور پھر ان کے صاحبزادگان کے ذکر مبارک میں بار بار کے تکرار سے بچ جائیں۔ اس تذکرہ میں بعض اسماء مبارکہ کے ساتھ ملک کا لفظ آیا ہے۔ یہ صرف تعظیم کے لئے ہے۔ جیسے ہمارے ہاں خان وغیرہ کے الفاظ تعظیم کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ اس لئے مراد قوم نہیں۔ بہرحال یہ طے ہے کہ آپ نسباً فاروقی النسل ہیں۔

حسن تذکرہ نسب نامہ میں ۱۳ ویں نمبر پر شمس الدین مفتی کا اسم مبارک آیا ہے۔ اس خاندان کے یہ پہلے فرد ہیں جو ساتویں صدی کے آخر یا آٹھویں صدی کے اوائل میں ہندوستان کے شہر روہتک میں تشریف لائے۔ یہ وہ دور ہے جب تاتاریوں کی خون ریزی سے عالم اسلام کا مشرقی حصہ زیر وزبر ہو رہا تھا۔ عزتیں برباد، علمی خزانے، کتب خانے تاراج، ایران وترکستان بے چراغ ہو رہے تھے۔ روہتک اس وقت نئی اسلامی مملکت کا اہم شہر شمار ہوتا تھا۔ قریش کی نسل سے پہلے جو شخص اس شہر میں آئے وہ حضرت مفتی شمس الدین ہیں۔ (دعوت وعزیمت ج ۵ ص ۶۸)

مفتی صاحب کی اولاد کی شادیاں اب تک کے صدیقی اور سادات خاندانوں میں ہوئیں۔ آپ کی اولاد در اولاد کئی نسلوں تک عہدہ قضاء، افتاء اور محتسب پر فائز رہی۔ شاہ عبدالرحیم صاحب کے دادا شیخ معظم صاحب تھے۔ شیخ معظم صاحب کے والد شیخ منصور تھے۔ ان کی ایک راجہ سے جنگ ہوئی۔ لشکر کا میمنہ شیخ معظم کے سپرد ہوا۔ اس وقت ان کی عمر بارہ برس تھی۔ سخت معرکہ پیش آیا۔ دوران معرکہ کسی نے آکر شیخ معظم کو کہا کہ آپ کے والد منصور شہید ہو گئے ہیں۔ یہ سنتے ہی شیر غراں کی طرح دشمن کی صفوں پر ٹوٹ پڑے۔ انہیں کاٹتے چھانٹتے راجہ کے ہاتھی تک جا پہنچے۔ راجہ کے ساتھی ایک اور راجہ نے آپ کو روکنا چاہا آپ نے ایک ہی وار سے اسے ڈھیر کر دیا۔ اس کے ساتھیوں نے شیخ معظم کو گھیر لیا۔ گھوڑے سے اتر کر سیدھے ہوئے۔ مخالف لشکر یکبارگی حملہ کے لئے آگے بڑھا کہ آپ کے والد منصور کے مخالف راجہ جن سے جنگ ہو رہی تھی اس نے لشکر کو شیخ معظم کے قتل سے روک دیا اور خود قریب ہوا۔ راجہ نے شیخ معظم سے کہا کہ میں نے آپ کا زور بازو دیکھا۔ آپ کی الٹ پلٹ پر نظر رکھی۔ یہ کم عمری اور یہ بہادری اور جرأت وپامردی، یہ تو عجائبات زمانہ میں سے ہے۔ بیٹا بہت غصہ کیوں ہیں؟ تابڑ توڑ حملے کیوں کر رہے ہیں۔ انہوں نے بڑے مخالف راجہ کو کہا کہ آپ کی فوج نے میرے والد کو شہید کیا۔ راجہ نے کہا کہ نہیں وہ زندہ ہیں اور پھر راجہ نے آپ کے والد شیخ منصور کو پیغام بھیجا کہ اس لڑکے کی بہادری کی خاطر ہم صلح کرتے ہیں۔ جو کہا گیا اس نے پورا کیا اور واپس ہو گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث

دہلوی ؒ نے اپنے اس پردادا "شیخ معظم" کے بارہ میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ موضع شکوہ پور جو شیخ معظم کی عملداری میں تھا۔ اس میں ڈاکوؤں نے ڈاکہ ڈالا، مال مویشی لے کر چلتے بنے۔ ڈاکو تیس تھے۔ آپ کو اطلاع ملی، تن تنہا گھوڑے پر سوار ہوئے۔ اس کی باگیں اٹھائیں وہ ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ کئی منزلوں بعد ڈاکوؤں کو جا لیا۔ وہ مقابلہ پر اترے۔ شیخ معظم ؒ نے منظم انداز میں تیر افگنی شروع کی۔ ڈاکو مرعوب ہو گئے۔ ان کے رعب نے ان ڈاکوؤں کے کس بل نکال دیئے۔ توبہ کی۔ معافی مانگی۔ شیخ معظم نے شرط لگائی کہ ہتھیار اتارو اور میرے پاس جمع کراؤ۔ ایک نے دوسرے کے ہاتھ باندھ دیئے۔ اسلحہ مویشی سمیت ڈاکو لائن بنا کر چلے۔ اتنے میں گاؤں کے لوگ بھی آ شامل ہوئے۔ اس حالت زار میں ڈاکوؤں کو دیکھا کہ ان کے سر دو کانوں کے درمیان ہاتھ پشت پر اور ناک زمین پر لگی ہوئی ہے۔ ان ڈاکوؤں کی کر وفر پیٹ کے مروڑ کی ہوا کی طرح پھر پھر کرتی نکلی جا رہی ہے۔ سب کو حیرت ہوئی۔ یہ شیخ معظم ؒ، شاہ عبدالرحیم دہلوی ؒ کے دادا اور شاہ ولی اللہ ؒ کے پردادا ہیں۔ غرض یہ خاندان اپنے علم و فضل، بہادری و جرأت، مردانگی و شجاعت میں اپنے اندر شان فاروقی کا مکمل پرتو لئے ہوئے تھا۔ صدیقی، و سادات (علوی) خاندانوں میں رشتہ و تعلق نے ان کی عظمتوں کو سہ آتشہ کر دیا تھا۔

حضرت شاہ عبدالرحیم ؒ کے والد گرامی شیخ وجیہہ الدین ؒ

آپ بھی تقویٰ و شجاعت کے پہاڑ تھے۔ دو پارے یومیہ تلاوت کا معمول تھا۔ جس میں ناغہ کو بالکل دخل نہ تھا۔ تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ حالت جنگ میں بھی اپنے گھوڑا کو دشمن کی فصل میں نہ چرنے دیتے تھے۔ قلت طعام و کلام اور اختلاط عوام سے پرہیز کو شعار بنا رکھا تھا۔ فنون سپہ گری میں ماہر گردانے جاتے تھے۔ عالمگیر بادشاہ کی فوج میں شامل رہ کر ان کی پوری مدد کی۔ جب فتح ہوئی تو عالمگیر نے منصب میں اضافہ کیا۔ آپ نے کمال استغناء سے قبول نہیں کیا۔ شاہ عبدالرحیم ؒ نے اپنے والد کی قوت قلبی، بلند ہمتی، اعلیٰ حوصلگی، مہم جوئی اور خطر پسندی کے متعدد واقعات اپنے بیٹے شاہ ولی اللہ ؒ سے بیان کئے۔ جو حضرت شاہ ولی اللہ ؒ نے ماٰثر الاجداد میں بیان فرمائے ہیں۔

شاہ عبدالرحیم ؒ کے والد شیخ وجیہہ الدین ؒ کی شادی شیخ رفیع الدین محمد ؒ کی دختر نیک اختر سے ہوئی۔ اس سے دو فرزند ہوئے۔ ایک شاہ عبدالرحیم ؒ اور دوسرے شیخ ابو الرضا محمد ؒ، موخرالذکر بڑے تھے۔ اپنے تایا ابوالرضا محمد کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ نے لکھا

ہے کہ وہ بڑے عالم تھے اور زیادہ تر ان کے علوم وہبی تھے اور وہ امام الطریقت والحقیقت تھے۔ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ اور سیدنا علی المرتضیٰ سے محبت خاص اور مناسبت بالاختصاص کا درجہ حاصل تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اپنے تایا حضور کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ وہ قوی العلم، فصیح اللسان، عظیم الورع، وسیع المعرفت تھے۔ زیبا صورت، دراز قامت، رنگ گورا، نرم کلام تھے۔ جمعہ کے بعد وعظ فرماتے جو تین حدیثوں کی تشریح پر مبنی ہوتا تھا۔ لوگوں کا بیان میں خاصا اجتماع ہو جاتا تھا۔ پہلے ہر فن کی ایک ایک کتاب کا شاگردوں کو سبق دیتے تھے۔ آخر میں صرف بیضاوی شریف اور مشکوٰۃ شریف پڑھاتے تھے۔ پابند سنت اور مستجاب الدعوات تھے۔ صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ ۱۷ محرم ۱۱۰۱ھ کو وصال فرمایا۔ (انفاس العارفین ص ۱۵۵)

شاہ عبدالرحیم دہلوی رحمہ اللہ

شاہ عبدالرحیم دہلوی رحمہ اللہ کی ۱۰۵۴ھ مطابق ۱۶۴۴ء میں پیدائش ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی شیخ وجیہ الدین رحمہ اللہ سے حاصل کی۔ شرح عقائد وخیالی وغیرہ اپنے برادر بزرگ شیخ ابوالرضا محمد رحمہ اللہ سے پڑھیں۔ میر زاہد کتاب تین چار صدی سے اس وقت تک ہمارے درس نظامی کا حصہ ہے۔ اس کے مؤلف مولانا میر زاہد ایسے فاضل سے بھی شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ نے شرف تلمذ حاصل کیا۔ شرح مواقف وغیرہ تک تمام کتب مولانا میر زاہد سے پڑھیں۔ علامہ میر زاہد ہروی کی تین کتابیں حاشیہ شرح مواقف، حاشیہ شرح تہذیب اور حاشیہ رسالہ قطبیہ ایک زمانہ تک درس نظامی کا حصہ رہے۔ آپ کی وفات ۱۱۰۱ھ بمقام کابل ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ کے صاحبزادہ شیخ عبداللہ رحمہ اللہ، المعروف خواجہ خورد سے بھی کتابیں پڑھیں۔ خواجہ خورد شیخ رفیع الدین رحمہ اللہ کے شاگرد تھے جو شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ کے نانا ہیں۔ ایک دن حضرت خواجہ خورد رحمہ اللہ سے شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ نے بیعت کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ مولانا سید آدم بنوری رحمہ اللہ کے کسی خلیفہ سے آپ بیعت کریں۔ شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ نے سید عبداللہ اکبرآبادی رحمہ اللہ کا نام لیا جو حضرت سید آدم بنوری رحمہ اللہ کے خلفاء میں سے تھے۔ خواجہ خورد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بہت غنیمت ہیں۔ چنانچہ ان سے بیعت ہوئے۔ سلسلہ نقشبندیہ کے اعمال واشغال مکمل فرمائے۔ پھر شیخ ابوالقاسم اکبرآبادی رحمہ اللہ سے بھی کسب فیض کیا۔ سلسلہ چشتیہ کی خلافت آپ کو حضرت شیخ عظمت اللہ بن عبداللطیف المتوکلی اکبرآبادی رحمہ اللہ سے حاصل ہوئی۔ شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ دہلی کے نامور اور ممتاز مشائخ میں سے تھے۔ انہیں علوم شریعت

اور اسرار طریقت سے بڑا حصہ ملا اور صوفیاء میں وہ بہت مقام کے حامل شمار ہوتے تھے۔ آپ کے زہد، ورع، حسن اخلاق، تواضع و انکساری فضل وکمال پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کی جس جماعت نے تدوین کی ان میں حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی رحمہ اللہ بھی شامل تھے۔ بعض رفقاء کے رویہ کے باعث پھر اس عمل سے علیحدگی اختیار کر لی۔ حضرت شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ روزانہ ایک ہزار بار درود شریف، ایک ہزار بار نفی واثبات، بارہ ہزار بار اسم ذات کا ذکر کیا کرتے تھے۔ اپنے بڑے بھائی ابوالرضاء محمد رحمہ اللہ کے وصال کے بعد مشکوٰۃ شریف، بیضاوی شریف، اور غنیۃ الطالبین کو سامنے رکھ کر وعظ فرمایا کرتے تھے۔

حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی رحمہ اللہ نے دو عقد کئے۔ عقد اول سے ایک صاحبزادہ صلاح الدین رحمہ اللہ پیدا ہوئے جو ابتدائے جوانی میں وصال فرما گئے۔ دوسرا عقد شیخ محمد پھلتی صدیقی کی صاحبزادی سے ہوا۔ جن سے دو صاحبزادے تولد ہوئے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور شاہ اہل اللہ رحمہ اللہ۔

حضرت شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ نے ۷۷ سال کی عمر میں آخری رمضان کے روزے رکھے۔ شوال میں بیمار ہوئے۔ طبیعت سنبھل گئی۔ لیکن پھر صفر میں مرض نے عود کیا۔ ۱۲ رصفر ۱۱۳۱ھ مطابق ۱۷۱۸ء کو تہجد کے بعد حالت ضعف طاری ہوئی۔ بار بار پوچھتے کہ فجر کا ٹائم ہو گیا۔ حاضرین عرض کرتے ابھی دیر ہے۔ جب آپ کا وقت قریب آیا تو حاضرین سے فرمایا کہ تمہاری نماز کا وقت نہیں آیا تو ہماری نماز کا وقت آ گیا۔ فرمایا مجھے قبلہ رخ کر دو۔ اس وقت اشارہ سے نماز پڑھی۔ حالانکہ ابھی وقت نماز کے شروع ہونے میں شک تھا۔ نماز سے فارغ ہوئے اور اسم ذات کے ذکر میں مشغول ہو گئے اور اللہ رب العزت کا نام لیتے لیتے اللہ کے حضور حاضر ہو گئے۔ (رود کوثر ص ۵۳۰) پر شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے کہ شاہ عبدالرحیم کا حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے ایک پوتے شیخ عبدالواحد المعروف شاہ گل متخلص بہ وحدت سے گہری دوستی اور یارانہ تھا۔ ایک دوسرے سے ملاقاتوں کے علاوہ خط وکتابت کا بھی ربط تھا۔ شیخ عبدالواحد مجددی سرہندی رحمہ اللہ اور شاہ عبدالرحیم دہلوی رحمہ اللہ، دونوں بزرگ دہلی میں رہتے تھے اور اکثر ملاقاتیں ہوتی رہتیں۔ شاہ عبدالرحیم دہلوی حضرت مجدد صاحب کے خلیفہ مولانا سید آدم بنوری رحمہ اللہ کے خلیفہ سید حافظ عبداللہ صاحب رحمہ اللہ سے بھی بیعت تھے۔ حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ مسلک بند حنفی تھے۔ خود شاہ عبدالرحیم دہلوی رحمہ اللہ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں بھی شریک رہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے خود انفاس العارفین میں لکھا

کہ قبلہ والد صاحب اکثر مسائل میں فقہ حنفی پر کاربند تھے۔ بعض مسائل میں وہ توسع کا بھی ذوق رکھتے تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز کی اصول حدیث کی کتاب ''عجالہ نافعہ'' کی شرح ''فوائد جامعہ'' میں ڈاکٹر پروفیسر مولانا محمد عبدالحلیم چشتی نے آپ کا شمار محدثین حنابلہ میں کیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے مختصر حالات

محلہ مہدیاں کی اس مسجد میں جس کے متصل حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا خاندان مدفون ہے۔ اس ہال میں جہاں یہ مزارات مقدسہ ہیں۔ اس کے عین دروازہ کے متصل ہی دائیں جانب حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا مزار مبارک ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ، حضرت شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ کے صاحبزادہ ہیں۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے دوسرے بھائی کا نام شاہ اہل اللہ تھا۔ جن کی قبر مبارک پھلت میں ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی بدھ کے دن ۴ شوال ۱۱۱۴ھ میں پیدائش ہوئی۔ آپ ننہال کے قصبہ پھلت میں پیدا ہوئے۔ اس وقت آپ کے والد گرامی کی عمر ساٹھ سال تھی۔ حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی رحمہ اللہ نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار رحمہ اللہ کو خواب میں دیکھا۔ انہوں نے خواب میں بشارت دی کہ آپ کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا۔ اس کا نام میرے نام پر قطب الدین رکھنا۔ چنانچہ آپ کا نام قطب الدین بھی رکھا گیا اور ولی اللہ بھی۔ لیکن دوسرے نام نے زیادہ شہرت حاصل کی۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سات سال کے تھے کہ تہجد میں والدین کے ساتھ شریک ہوتے اور دعا کے لئے جب ننھے منے ہاتھ والدین کے ساتھ اٹھتے تو جو ماحول بن جاتا وہ والدین کی ہزاروں راحتوں کا باعث ثابت ہوتا ہوگا۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ پانچ سال کے ہوئے تو مکتب میں داخل کیے گئے۔ سات سال کی عمر میں آپ پختہ نمازی ہو چکے تھے۔ فارسی، عربی کی ابتدائی کتب سات سال کے عرصہ میں آپ پڑھ چکے تھے۔ دس سال کی عمر میں کافیہ، شرح جامی جہاں مکمل ہوگئیں تھیں وہاں مطالعہ کی مدد سے کتابوں کو حل کرنے کی استعداد بھی پیدا ہو چکی تھی۔ چودھویں سال میں بیضاوی شریف آپ پڑھ چکے تھے۔ پندرھویں سال کی عمر میں مشکوٰۃ شریف، مدارک، بیضاوی اور شمائل ترمذی پڑھ چکے تھے۔ فقہ میں شرح وقایہ، ہدایہ، اصول فقہ میں حسامی، توضیح تلویح، منطق میں شمسیہ شرح تہذیب، مطالعہ، علم الکلام میں شرح عقائد، شرح مواقف، شرح خیالی، سلوک میں عوارف اور رسائل نقشبندیہ، حقائق میں شرح رباعیات جامی رحمہ اللہ اور لوائح، مقدمہ شرح اللمعات، طب میں موجز، فلسفہ میں شرح ہدایۃ الحکمۃ، معانی میں مطول، مختصر معانی

حاشیہ ملا زادہ، ہندسہ اور حساب میں مختصر رسائل آپ نے اس عرصہ میں والد گرامی کے ہاں پڑھ لئے۔ بارھویں صدی میں ملا نظام الدین سہالوی فرنگی محلی نے جو حضرت شاہ ولی اللہ کے کبیر السن ہم عصر تھے۔ انہوں نے درس نصاب میں بہت اضافے کئے۔ صرف ونحو، منطق، فلسفہ، ریاضی، بلاغت اور علم کلام کی بہت کتب کا اضافہ ہوا۔ یہی درس نظامی اس وقت کسی نہ کسی شکل میں ہمارے قدیم مدارس میں رائج ہے۔ ملا نظام الدین کا ۱۱۶۱ھ میں حضرت شاہ صاحب کے وصال سے پندرہ سال قبل وصال ہوا۔ شاہ ولی اللہ کی یہ تمام تعلیم وتربیت والد گرامی کی زیر سرپرستی ہوئی۔ والد گرامی آپ کی اتنی نگرانی فرماتے تھے کہ حیرت ہوتی ہے۔ ایک واقعہ پیش نظر رہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ بچپن میں اپنے اعزہ ہم عصروں کے ساتھ باغ کی سیر کو گئے۔ دیر سے واپس آئے تو والد گرامی نے فرمایا ولی اللہ! تم نے آج اس سیر سے کیا کمایا جو آپ کے ساتھ آگے بھی جائے گا؟ ہمیں دیکھو۔ جتنا وقت تم نے ہمجولیوں کے ساتھ خرچ کیا اتنے وقت میں ہم نے اتنے ہزار درود شریف پڑھ لیا۔ اتنی تلاوت کی، اتنا ذکر کیا۔ بتایئے کون فائدے میں رہا؟ عظیم باپ کی عظیم بیٹے کو یہ نصیحت ایسے کام کر گئی کہ ہمیشہ کے لئے سیر سپاٹا سے حضرت شاہ ولی اللہ کی طبیعت سیر ہو گئی۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے چودہ سال کی عمر میں والد گرامی کی بیعت کی۔ انہوں نے آپ کو سلسلہ نقشبندیہ کے معمولات کی مشق کرائی۔ توجہ وتلقین اور اسباق تصوف مکمل ہوئے تو والد گرامی نے انہیں خرقہ خلافت سے بھی سرفراز کیا۔ بیعت وارشاد کی اجازت کے وقت والد گرامی حضرت شاہ عبدالرحیم نے یہ اپنے بیٹے شاہ ولی اللہ کے متعلق فرمایا۔ یدہ کیدی کہ ان کا ہاتھ میرے ہاتھ کی مانند ہے۔

شاہ ولی اللہ کی عمر مبارک چودہ سال کی تھی کہ آپ کی شادی ماموں جان شیخ عبیداللہ صدیقی کی صاحبزادی سے کر دی گئی۔ سسرال والوں نے مہلت کا تقاضہ کیا تو شاہ عبدالرحیم نے باصرار وبتکرار شادی فوری کر دی۔ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ شادی کے ہو جانے کے چند دنوں بعد میری خوشدامن کا، تھوڑے دنوں بعد نانی کا، پھر چچازاد بھائی، پھر پہلی والدہ، والدہ صلاح الدین کا وصال ہو گیا۔ اب سمجھ میں آیا کہ والد گرامی نے جلدی سے شادی کیوں کرا دی۔ اگر اس وقت سسرال والوں کی طلب مہلت پر مہلت دے دی جاتی تو پھر والد صاحب کی زندگی میں شادی نہ ہو پاتی۔ اس لئے کہ ان تین سالوں میں یہ وفیات ہوئیں اور پھر والد گرامی شاہ عبدالرحیم کا وصال ہو گیا۔

شاہ ولی اللہ صاحب کی اس پہلی شادی سے آپ کے ایک صاحبزادے ہوئے۔ جن کا

نام محمد رکھا گیا۔ اسی بیٹے کی مناسبت سے شاہ ولی اللہ کنیت ابومحمد کا استعمال میں لاتے۔ اپنے بیٹے شیخ محمد صاحب کو اور اپنی دوسری اہلیہ سے بڑے بیٹے شاہ عبدالعزیز کو ایک ساتھ پڑھانے کا تذکرہ ملتا ہے۔ شمائل ان دونوں حضرات نے ایک ساتھ پڑھی۔ شیخ محمد اپنے والد گرامی شاہ ولی اللہ کے وصال کے بعد قصبہ بڑھانہ میں منتقل ہو گئے۔ مدت العمر یہیں رہے اور ۱۲۰۸ھ میں یہاں وصال فرمایا اور قصبہ کی جامع مسجد کے صحن میں مدفون ہوئے۔ شاہ عبدالعزیز اپنے اس بڑے بھائی شیخ محمد صاحب کا بہت احترام کرتے اور محبت فرماتے تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی پہلی اہلیہ جو شیخ محمد کی والدہ تھیں۔ ان کے وصال کے بعد سید ثناء اللہ پانی پتی کی صاحبزادی سے آپ نے عقد ثانی کیا۔ اس دوسری شادی سے بالترتیب شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر، شاہ عبدالغنی پیدا ہوئے۔ ہمارے مخدوم حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ نے دعوت و عزیمت کے حصہ پنجم ص ۱۰۷ پر ہند میں دین کی نشاۃ ثانیہ کے لئے ان چاروں بھائیوں کو ''ارکان اربعہ'' قرار دیا ہے۔ اس عقد ثانی سے حضرت شاہ ولی اللہ کی ایک صاحبزادی بھی تھیں جن کا عقد مولانا محمد عاشق پھلتی کے صاحبزادے مولانا محمد فائق سے ہوا۔

راقم نے کہیں پڑھا ہے کہ شاہ ولی اللہ کے چاروں صاحبزادوں کی پیدائش اسی ترتیب سے ہوئی جو فقیر نے اوپر بیان کی ہے۔ لیکن صاحبزادوں کی وفات میں ترتیب تو قائم رہی مگر الٹی۔ وہ یہ کہ سب سے پہلے سب سے چھوٹے بیٹے شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا اور سب سے آخر میں سب سے بڑے بیٹے شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا جا کر وصال ہوا۔ پیدائش کی ترتیب اوپر عرض کی اب وفات کی ترتیب یوں ہے کہ شاہ عبدالغنی، شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالعزیز۔ دیکھئے! جو بیٹے پیدائش میں پہلے نمبر پر تھے وفات میں چوتھے نمبر پر رہے اور جو پیدائش میں چوتھے نمبر پر تھے وہ وفات میں پہلے نمبر پر ہو گئے۔

کہیں پڑھا ہے کہ پیدائش میں تو اللہ تعالیٰ نے ترتیب رکھی ہے کہ پہلے پردادا، پھر دادا پھر باپ پھر بیٹا پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن وفات میں ترتیب نہیں۔ جسے چاہیں حق تعالیٰ پہلے بلا لیں۔ پردادا موجود ہیں۔ مگر پڑپوتا جا رہا ہے۔ شاہ ولی اللہ کے چاروں صاحبزادوں کی آمد کی جو ترتیب تھی جانے کی وہ ترتیب قائم رہی لیکن الٹی، پتہ نہیں کہ میں اپنی بات سمجھا بھی پایا یا نہیں؟

حضرت شاہ ولی اللہ کی عمر مبارک سترہ سال کی تھی جب والد گرامی کا وصال ہوا۔ آپ نے بارہ سال والد گرامی کی مسند پر بیٹھ کر پڑھایا۔ عمر مبارک تیس سال کی ہوگی کہ آپ نے حج کے

لئے حجاز مقدس کا سفر کیا اور ایک سال سے زائد حجاز مقدس میں رہے۔ ۱۱۴۳ھ میں حج سے مشرف ہوئے۔ ۱۱۴۴ھ کا حج بھی کیا اور یہ عرصہ حجاز مقدس رہے۔ ۱۱۴۵ھ کے اوائل میں حجاز مقدس میں آپ نے شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم الکردی المدنی رحمۃ اللہ علیہ سے علم حدیث حاصل کیا۔ شیخ ابوطاہر فرماتے ہیں کہ میں شاہ ولی اللہ کو حدیث کے الفاظ پڑھاتا تھا اور وہ مجھے حدیث کے مطالب ومعارف پڑھاتے تھے۔ نقیر کے خیال میں دنیائے درس وتدریس میں ایک استاذ کی اپنے شاگرد کے متعلق اتنی وقیع رائے ایک ریکارڈ ہے۔ جسے شاہ ولی اللہ نے قائم کیا اور شاید کوئی توڑ نہیں سکا۔

حضرت الکردی المدنی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو سند حدیث کی اجازت دی اور خلافت سے بھی سرفراز کیا۔ رخصت کے وقت استاذ شاگرد دونوں ایک دوسرے سے اس طرح جدا ہوئے کہ دونوں زاروزار رورہے تھے۔ رخصتی کے وقت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاذ شیخ ابوطاہر رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت سوائے حدیث شریف کے آج تک جو میں نے پڑھا سب بھلا دیا ہے۔ یہ سن کر استاذ نے بہت ہی خوشی کا اظہار کیا۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حج سے جب واپس دہلی آئے تو یہی شان آپ میں نمایاں ہے کہ آپ نے صرف حدیث شریف کو ہی وردِ جان اور روح بنایا اور پھر اس شغف حدیث نے آپ کو یہ اعزاز بخشا کہ آپ ''مسند الہند'' کہلائے۔ آج برصغیر پاک وہند کے کسی مکتب فکر کی سند حدیث حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے واسطہ کے بغیر آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی تک نہیں پہنچ پاتی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے درمیان تیرہ واسطے ہیں۔ یعنی حضرت شاہ ولی اللہ کے چودھویں استاذ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جیسا کہ مقدمہ صحیح بخاری ص۱۲ سے ظاہر ہے۔ اس طرح حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کے چودھویں استاذ ہیں۔ جیسا کہ ترمذی ج۱ ص۲ سے ظاہر ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اصول حدیث پر عجالہ نافعہ نامی رسالہ لکھا۔ جس کی جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے استاذ الحدیث ڈاکٹر مولانا عبدالحلیم صاحب نے شرح لکھی ہے۔ اس میں حضرت شاہ ولی اللہ کی سند صحاح ستہ اور موطا ومشکوٰۃ تک کی تمام کتابوں کے جو جو رواۃ حدیث ہیں، سب کا جامع تعارف لکھ دیا ہے جو لائق تحسین ہے۔ آپ نے اسلامیان پاک وہند کے اردو زبان جاننے والوں پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ رجب ۱۱۴۵ھ میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلی پہنچے اور اسی سال رمضان شریف میں شیخ ابوطاہر الکردی المدنی نے مدینہ طیبہ میں وصال فرمایا۔ گویا اپنے استاذ کی آخری عمر کے علم کی دولت کا قدرت حق نے پورا حصہ شاہ ولی اللہ کو

بخش دیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے حرمین شریفین میں شیخ تاج الدین حنفی کی، شیخ عبداللہ بن سالم مصری، شیخ عجیمی سے بھی اکتساب علم کیا۔ موخر الذکر استاذ سے آپ نے موطا امام مالک، کتاب الآ ثار لامام محمد اور مسند دارمی پڑھیں۔ حدیث مسلسل بالاولیۃ بھی ان سے سنی۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے شیخ محمد افضل سیالکوٹی سے بھی علم حدیث ہند و دہلی میں پڑھا۔ آپ کے تمام اساتذہ کا تفصیلی ذکر خیر، شیخ ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی کی کتاب سے باصرہ نواز ہوگا۔ حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ نے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کے حوالہ سے تحریر کیا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ اشراق کے بعد سے دوپہر تک پڑھاتے تھے۔ اس دوران میں گویا روزانہ گھنٹوں نہ پہلو بدلتے تھے۔ نہ جسم کو کھجلاتے تھے نہ تھوکتے تھے۔ ان کی اس ریاضت اور خدمت حدیث پر دل وجان فداء کرنے کو دل کرتا ہے۔ کیا ہی مقرب بارگاہ الٰہی لوگ تھے۔ سوچئے کہ فقیر آج ان کی مزار اقدس پر کھڑا ہے۔ آپ کی وفات ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ مطابق ۲۱ راگست ۱۷۶۲ء ہے۔ قبرستان محلہ مہدیاں میں مدفون ہیں۔ زہے نصیب! کہ فقیر کو اللہ رب العزت یہاں لائے۔ حق تعالیٰ بہت ہی جزائے خیر دیں مولانا فضل الرحمن کو کہ انہوں نے مجھ فقیر کی انگلی پکڑی اور کہاں سے یہاں پہنچا دیا۔ ان کے اس احسان کے میں تذکرے کیوں نہ کروں۔ کیا محسن کے احسان کو کوئی شریف آدمی بھول سکتا ہے؟

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی تصانیف

(۱) فتح الرحمن (ترجمۃ القرآن فارسی)، (۲) فتح الخبیر، (۳) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، (۴) مقدمۃ فی ترجمۃ القرآن، (۵) الھمعات، (۶) اللمعات، (۷) التفھیمات الالٰھیہ، (۸) السطعات، (۹) حجۃ اللہ البالغہ، (۱۰) ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، (۱۱) البدور البازغۃ، (۱۲) شفاء القلوب، (۱۳) الخیر الکثیر، (۱۴) الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (تاریخ فقہ)، (۱۵) سرور المحزون، (۱۶) فیوض الحرمین، (۱۷) انفاس العارفین، (۱۸) القول الجمیل، (۱۹) انسان العین فی مشائخ الحرمین، (۲۰) قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین، (۲۱) عقد الجید فی احکام التقلید، (۲۲) الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین، (۲۳) الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، (۲۴) المسوّٰی شرح موطا (بزبان عربی)، (۲۵) المصفّٰی شرح موطا (بزبان فارسی)، (۲۶) النوادر من احادیث سید الاوائل والاواخر، (۲۷) تاویل الاحادیث،

(۲۸)شرح تراجم ابواب بخاری، (۲۹)الطاف القدس، (۳۰)المقالۃ الوضیۃ فی النصیحۃ، (۳۱)المقدمۃ السنیہ فی انتصار الفرقۃ السنیہ، (۳۲)الزھراوین، (۳۳)وحدۃ الوجود والمشہود (رسالہ)، (۳۴)الجزء اللطیف (سوانح عمری)، (۳۵)قصص الانبیاء، (۳۶)وصیت نامہ، (۳۷)چہل حدیث۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی تصنیفات کی یہ فہرست شیخ محمد اکرام نے "رودکوثر" میں دی ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی نے آپ کی کتب کی تعداد ۲۶ عدد کی فہرست دی ہے۔کوئی اللہ کا بندہ حضرت شاہ ولی اللہ کی تصنیفات کو "کلیات" کی شکل میں مدون کر کے شائع کر دے۔اصح المطابع کے کسی نسخہ کا رسائل شاہ ولی اللہ کے نام سے مولانا علی میاں رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔لیکن اس میں کتنے رسائل ہیں۔پھر وہ نایاب نہیں ہوگا تو کمیاب ضرور ہے۔کیا کروں یہاں پر دل بہت پیچ رہا ہے کہ جو کام کرنے کے ہیں۔ان پر ہمارے اہل علم کیوں توجہ نہیں فرماتے۔کیا شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ، مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے علوم کی تسہیل واشاعت کوئی کام نہیں؟ ہے اور ضرور ہے مگر کرے کون؟

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کے مختصر حالات

اسی ہال قبور خاندان شاہ ولی اللہ میں ایک قبر مبارک حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کی ہے۔آپ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے بڑے صاحبزادے ہیں۔شاہ عبدالعزیز ۲۵ رمضان المبارک ۱۱۵۹ھ مطابق ۳۱ ستمبر ۱۷۴۶ء کو پیدا ہوئے۔آپ نے دس سال کی عمر میں حفظ قرآن مجید، فارسی، ابتدائی صرف ونحو مکمل کر لی تھی۔گیارھویں برس میں عربی کتب کی تعلیم شروع کی۔پندرھویں سال میں جملہ علوم رسمیہ سے فارغ ہوگئے۔عقلی علوم اپنے والدگرامی کے شاگردوں سے پڑھے۔حدیث وفقہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے پڑھی۔ابھی سترہ برس کے تھے کہ والد صاحب کا وصال ہوگیا۔عجیب اتفاق ہے کہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی عمر بھی ۱۷ برس تھی جب آپ کے والد شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ کا وصال ہوا۔والد کے وصال کے بعد شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اپنے والد کی مسند حدیث کو رونق بخشی۔اسی طرح شاہ عبدالعزیز نے والد کے وصال کے بعد اپنے والد شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور دادا شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ دونوں کی مسند حدیث کو رونق بخشی۔ کہتے ہیں شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کو چھ ہزار حدیثوں کے متن یاد تھے۔شاہ عبدالعزیز کو بیس علوم پر دسترس حاصل تھی۔سرسید احمد خان نے آثار الصنادید میں آپ کو اعلم العلماء اور افضل المحدثین

ایسے القابات سے یاد کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ شاہ عبدالعزیز کے شاگردوں میں آپ کے بھائی شاہ رفیع الدین ؒ، شاہ عبدالقادر ؒ، شاہ عبدالغنی ؒ اور نواسے شاہ محمد اسحٰق ؒ، بھتیجے شاہ مخصوص اللہ بن شاہ رفیع الدین، دوسرے بھتیجے شاہ محمد اسماعیل شہید بن شاہ عبدالغنی، نواسے مولوی محمد یعقوب، مفتی صدرالدین، شیخ احمد سعید بن ابوسعید العمری، مولانا مفتی الٰہی بخش کاندھلوی ایسے سینکڑوں علماء شامل ہیں۔ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی نے لکھا ہے کہ "اس خاندان نے تو تمام ہندوستان میں اسلام کی وہ خدمت کی کہ بس خدا ہی ان کی داد دے گا۔ میرا اپنا عقیدہ تو یہ ہے کہ ان بزرگوں نے ہندوستان میں اسلام کے حق میں ایسا کام کیا ہے جیسا عرب میں اسلام کے حق میں مہاجرین وانصار نے کیا تھا۔" (لیکچرز ڈپٹی ج ۲ص ۲۷)

تراجم قرآن اور خاندان ولی اللہ ؒ

ہند میں قرآن کریم کے مقبول اور قدیم تین ترجمے ہیں۔ پہلا ترجمہ فارسی زبان میں جو حضرت شاہ ولی اللہ نے فرمایا۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی احادیث وتفسیر پر نظر تھی۔ اس لئے فارسی کا ترجمہ سب سے زیادہ مستند ہے۔ دوسرا ترجمہ اردو زبان میں حضرت شاہ رفیع الدین ؒ کا ہے اور تیسرا ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر ؒ کا ہے۔ خاندان ولی اللہ کے علمی احسانات سے زمین ہند زیر بار ہے۔ فقیر راقم عرض گزار ہے کہ خاندان ولی اللہ کی تراجم قرآن مجید کی خدمت ہی وہ عظیم احسان ہے کہ رہتی دنیا تک اس خطہ کے مفسر ومترجم ان کے زیر بار رہے اور رہیں گے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز ؒ کی تصنیفات میں:

۱...... تفسیر عزیزی سورہ بقرہ کا سوا پارہ اور تیسویں پارے کی فارسی میں تفسیر ہے۔

۲...... بستان المحدثین، کتب حدیث اور محدثین کے تعارف پر مشتمل ہے۔ فارسی میں ہے۔ اس کا ترجمہ دارالعلوم دیوبند کے استاذ الحدیث حضرت مولانا عبدالسمیع ؒ نے کیا ہے۔

۳...... تحفہ اثنا عشریہ فارسی میں تھی۔ ۱۲۰۴ھ میں تصنیف فرمائی اور رد رفض پر بہترین کتاب ہے۔

۴...... فتاویٰ عزیزی، دو جلدوں میں ہے۔ فارسی میں ہے۔ حضرت شاہ صاحب ؒ کے فتاویٰ جمع کئے گئے ہیں۔

۵...... عجالہ نافعہ، یہ اصول حدیث پر بہترین رسالہ ہے۔ آپ کے شاگرد مولانا قمرالدین صاحب ؒ نے سند حدیث کی اجازت چاہی۔ آپ نے اس پر یہ رسالہ لکھ دیا۔ فارسی متن کا ترجمہ اور تشریحی مباحث پر مشتمل ۱۷۲ صفحات پر مشتمل شرح ومقدمہ حضرت ڈاکٹر عبدالحلیم

صاحب چشتی استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نے قابل تقلید اور مثالی کوشش کر کے اسے زندہ جاوید بنا دیا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ جہاد اس کے اثرات، نتائج و عواقب کے لئے دفتر درکار ہے۔ آپ کا وصال ۹ رشوال ۱۲۳۹ھ مطابق ۶ ر جون ۱۸۲۴ء کو ہوا۔ اپنے والد گرامی کے قدموں میں محو استراحت ہیں۔ زہے نصیب کہ چند لمحات آپ کے قدموں میں کھڑے ہونے کے فقیر کو بھی میسر آئے۔

حضرت شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ کے مختصر حالات

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے دوسرے صاحبزادے حضرت شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ ۱۹ ر ذی الحجہ ۱۱۶۳ھ مطابق ۱۹ ر نومبر ۱۷۵۰ء کو منگل کے روز پیدا ہوئے۔ ۱۳ سال کی عمر تک اپنے والد گرامی حضرت شاہ ولی اللہ سے تعلیم حاصل کی۔ والد صاحب رحمہ اللہ کے وصال کے بعد باقی تعلیم برادر بزرگ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ سے حاصل کی۔ زہد و تقویٰ میں اپنے خاندان کے بزرگوں کی روایات کے امین تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ آپ پر بڑا اعتماد کرتے تھے۔ بہت سے تعلیمی امور میں برادر گرامی کے آپ دست و بازو تھے۔

آپ کا علمی کارنامہ جسے رہتی دنیا تک اسلامیان ہند بھلا نہ پائیں گے۔ وہ قرآن مجید کا اردو زبان میں ترجمہ ہے۔ آپ نے ترتیب الفاظ کو ترجمہ میں بھی ملحوظ رکھا۔ ایک آیت کا ترجمہ اس کے نیچے لکھا جائے تو ہر لفظ و حرف کا ترجمہ متن کے مقابلہ میں ٹھیک نیچے لکھا موجود پاؤ گے۔ یہ خوبی اتنی بڑی ہے کہ اہل علم ہی اس کی اہمیت جانتے ہیں۔ قدر زر زرگر بداند قدر جوہر جوہری! ظاہر ہے کہ جب تحت اللفظ ترجمہ ہوگا تو وہ شگفتہ نہیں ہو سکتا۔ اس ترجمہ کی یہ بھی خوبی ہے کہ حضرت شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ دہلی کے تھے۔ اردو زبان کے لئے ان کی بولی سند کا درجہ رکھتی ہے۔ حضرت شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ کے فرط ادب کا خیال فرمایا جائے کہ آپ ترجمہ میں لفظی تقدیم و تاخیر سے ایسے دور رہے جیسے پاکباز لوگ گناہ سے دور رہتے ہیں۔ ان کی یہ احتیاط قابل تحسین ہے۔ ان اگلوں کی ان احتیاطوں نے قرآن مجید کو محفوظ رکھنے میں کردار ادا کیا۔ ورنہ تو تورات و انجیل جیسا قرآن مجید کا حال ہو جاتا۔ (لیکچر ڈپٹی نذیر احمد دہلوی ج ۱ص ۲۵ تا ۲۷) ترجمہ قرآن مجید کے علاوہ (۲) رسالہ علامات قیامت۔ (۳) رسالہ تاریخ۔ (۴) رسالہ عروض۔ (۵) دفع الباطل۔ (۶) اسرار المحبۃ آپ کے یادگار رسائل ہیں۔

آپ کے متعلق آپ کے بڑے بھائی اور استاذ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے شاہ ابوسعید رحمہ اللہ رائے بریلی کو خط تحریر کیا کہ: "رفیع الدین بفضل الٰہی تحصیل علوم سے فارغ ہوگئے اور مجلس علماء وفقراء میں ان کے سامنے ان کی دستار تبرک باندھی گئی اور درس کی اجازت دے دی گئی۔ الحمدللہ! بہت سے طلباء ان سے مستفید ہو رہے ہیں۔"

جب آپ تدریس کی مسند پر رونق افروز ہوئے آپ کی عمر چودہ پندرہ برس تھی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے عوارض کے باعث جب تدریس کو خیرباد کہا تو مدرسہ رحیمیہ کے صدر نشین حضرت شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ قرار پائے۔ تقریباً چون سال آپ نے درس وتدریس کی خدمات سرانجام دیں۔ سلسلہ درس وتدریس ۱۱۷۹ھ سے آپ کی وفات ۱۲۳۳ھ تک جاری رہا۔ فرمایئے! حساب صحیح عرض کیا کہ نہیں؟ آپ کا وصال ۶ رشوال ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۹ راگست ۱۸۱۸ء کو ہوا۔ یہ بھی اپنے والد گرامی حضرت شاہ ولی اللہ کے پائنتی کی جانب محو استراحت ہیں۔ ان کے قدموں میں چند ساعات گزارنے کی حق تعالیٰ نے سعادت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمہ اللہ کے مختصر حالات

آپ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے تیسرے صاحبزادے ہیں جو ۱۱۶۷ھ مطابق ۱۷۵۳ء میں پیدا ہوئے۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ کی عمر والد گرامی شاہ ولی اللہ کے وصال کے وقت ۹ سال تھی۔ والد گرامی سے چند سال جو پڑھا سو پڑھا۔ البتہ آپ کی بقیہ تمام تعلیم برادران گرامی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ اور حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رحمہ اللہ سے ۱۱۸۷ھ میں مکمل ہوئی۔

مولانا محمد عاشق پھلتی سے بھی آپ نے تعلیم حاصل کی۔ شاہ عبدالعدل رحمہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ علم، عمل، زہد وتقویٰ اور سلوک کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوئے۔ فراغت کے بعد دہلی جامع مسجد اکبرآبادی میں درس وتدریس کا شغل اختیار فرمایا۔ ہزاروں مخلوق خدا نے آپ سے اپنے قلوب کو منور کیا۔ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمہ اللہ کی زندگی کا عظیم کارنامہ قرآن مجید کا ترجمہ ہے جس کا نام "موضح القرآن" ہے۔ ۱۱۸۷ھ فراغت کے اگلے سال یعنی ۱۱۸۸ھ سے ۱۲۰۵ھ مطابق ۱۷۹۱ء میں کل سترہ برس میں یہ ترجمہ مکمل ہوا۔ حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں: "اس بندہ عاجز عبدالقادر کو خیال آیا کہ جس طرح ہمارے والد بزرگوار حضرت شیخ ولی اللہ بن عبدالرحیم محدث دہلوی ترجمہ فارسی کر گئے ہیں، سہل اور آسان۔ اب ہندی زبان میں

قرآن شریف کا ترجمہ کرے۔ الحمدللہ! کہ ن بارہ سو پانچ میں مکمل ہوا۔" یہاں اردو کو ہندی زبان آپ نے قرار دیا کہ ۱۲۰۵ھ تک ہند میں اردو زبان ہی ہندی زبان تھی۔

آپ کا یہ ترجمہ، بلا مبالغہ اس پر ہزاروں تصانیف قربان ہیں۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ آسان اور سہل ہے۔ یہ کثرت سے رائج اور مقبول ہے۔ اس میں عربی جملوں کی ترکیب وساخت نقل نہیں کی گئی۔ صحت مفہوم کے ساتھ اردو محاورے کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔ اب یاد نہیں کہ کن کا یہ ملفوظ ہے۔ البتہ پڑھا ضرور ہے کہ: "اگر قرآن مجید اردو میں نازل ہوتا تو ایسے ہوتا جیسے موضح القرآن ہے۔" اس سے موضح القرآن کی بلندی پرواز کا بیان مقصود ہے۔ غالباً یہ سرسید نے کہا یا کس نے؟ فقیر کو یاد نہیں۔

شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۱۲۳۰ھ مطابق ۱۵-۱۸۱۴ء میں بعمر تریسٹھ سال ہوا۔ قبرستان مہدیاں اپنے دادا حضور کی پائینی کی جانب مدفون ہیں۔ زہے مقدر کہ یہاں حاضری سے حق تعالیٰ نے سرفراز فرمایا۔ ارواح ثلاثہ میں ہے کہ:

۱..... رمضان المبارک کا چاند نظر آتے ہی حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ پہلی رات کی تراویح میں دو پارے پڑھتے تو وہ رمضان المبارک انتیس کا ہوتا۔ اگر پہلی رات تراویح میں ایک پارہ پڑھتے تو وہ رمضان المبارک تیس کا ہوتا۔ یہ بات اتنی مشہور اور پختہ تھی کہ خود شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ پہلی تراویح کے بعد آدمی بھیج کر معلوم کراتے کہ پہلی تراویح میں کتنے پارے پڑھے گئے۔ اگر کہا گیا کہ دو پڑھے تو فرماتے رمضان شریف انتیس کا ہوگا۔ اگر بادل یا کسی اور مجبوری سے چاند نظر نہ آئے اور ہم تو ئی نہ دے سکیں تو وہ دوسری بات ہے۔ مگر ہوگا انتیس کا۔ چنانچہ ایسے ہوتا اور یہ بات دہلی میں اتنی مشہور تھی کہ پہلی تراویح کے بعد دھوبی، درزی اس حساب سے تیاری کرتے کہ اب کا چاند انتیس کا ہوگا یا تیس کا۔

۲..... مولانا فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی صدرالدین رحمۃ اللہ علیہ آپ کے شاگرد تھے۔ کھاتے پیتے گھرانوں سے تعلق تھا۔ جس دن دونوں کتابیں اٹھا کر آتے حضرت شاہ عبدالقادر سبق پڑھا دیتے۔ جس دن خدام اور نوکروں سے کتابیں اٹھوا لاتے اس دن سبق نہ پڑھاتے۔ کشف سے آپ کو معلوم ہو جاتا کہ آج کتابیں خود اٹھا کر لائے یا خدام سے اٹھوائیں۔ ویسے معاملہ فرماتے۔

۳..... مولانا فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ نقشبندیہ سے مناسبت نہ تھی۔ لیکن جب شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ ایسے محدثین کو دیکھا تو انس اور عقیدت

سے سرشار ہو گیا۔ کیونکہ اگر فی الحقیقت یہ سلسلہ ناقص ہوتا تو ایسے کاملین اس سے کیوں جڑتے۔

۴...... مولانا فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ منطق وفلسفہ کے ماہر مانے جاتے تھے۔ وہ حدیث وتفسیر، فقہ کے لئے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آتے۔ ان کی رائے تھی کہ علوم دینیہ میں یہ خاندان امامت کے درجے پر فائز ہے۔ لیکن عقلی علوم میں اس درجہ پر نہیں۔ ایک دن شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دو بوریے بچھا دو۔ ایک مسجد کے کونہ پر اور ایک بوریا مسجد کی حد سے باہر۔ خود کونہ مسجد میں بوریا پر بیٹھ گئے اور مسجد کے باہر کے بوریا پر مولانا فضل حق اور مفتی صدر الدین کو بٹھا دیا اور فرمایا کہ آج سبق پڑھانے کو دل نہیں کرتا۔ آج منطق وفلسفہ پر گفتگو کرتے ہیں۔ فرمایا فلسفیوں کے نزدیک متکلمین کا کون سا مسئلہ کمزور ہے۔ انہوں نے کہا کہ سب کمزور ہیں۔ مگر فلاں تو بہت کمزور ہے۔ فرمایا: بہت اچھا آپ فلسفیوں کی نمائندگی کریں، ہم متکلمین کی۔ دلائل چلتے رہے دونوں حضرات نے شکست مان لی۔ فرمایا: بہت اچھا اب الٹ کرتے ہیں۔ تم متکلمین کا پہلو لو، ہم فلسفیوں کا۔ دلائل چلتے رہے دونوں حضرات اب پھر شکست کھا گئے اور پھر فرمایا کہ: ”میاں صدر الدین ومیاں فضل حق یوں نہ سمجھو کہ ہمیں معقولی علوم نہیں آتے۔ مگر ہم نے ان کو واہیات سمجھ کر صرف اور صرف اپنے آپ کو دینی علوم کے لئے وقف کر دیا ہے۔ مگر معقولی علوم نے اب بھی ہماری قدم بوسی کو نہیں چھوڑا۔“

۵...... شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جائیداد بیٹیوں اور بھائیوں میں تقسیم کر دی اور ان کی اجازت سے اپنے بھتیجے مولانا سید اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کو بھی دے دی۔ سب جائیداد تقسیم کر کے خود متوکل ہو کر بیٹھ گئے۔ کھانا، کپڑے، بڑے بھائی شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بھجوا دیتے اور آپ دنیوی جھمیلوں سے بالکل الگ تھلگ ہو گئے۔

۶...... حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھنگ فروش عورت آئی کہ میری بھنگ فروخت نہیں ہوتی۔ بہت تنگ دست ہوں۔ آپ تعویذ دے دیں۔ اس کے رونے دھونے پر ترس کر کے تعویذ لکھ دیا اور فرمایا کہ جب کاروبار چمک اٹھے تعویذ واپس کر دینا اور فرمایا تعویذ بھنگ گھوٹنے کے کھونٹے پر باندھ دینا۔ اس نے ایسے کیا۔ چند دنوں بعد آئی۔ تعویذ واپس کیا اور مٹھائی کے چار تھال بھی پیش کئے۔ حضرت شاہ محمد اسحق رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالحئی رحمۃ اللہ علیہ بھی بیٹھے تھے۔ تعویذ دینے پر خلجان تھا اور مٹھائی وصول کرنے پر بہت ہی پریشان ہوئے۔ آپ نے خادم سے فرمایا کہ

مسجد کے باہر چار بورے بچھا دو اور تھال بھی ان پر رکھ دو۔ چنانچہ انہوں نے ایسے کیا۔ آپ نے تعویذ مولانا شاہ محمد اسحٰق اور مولانا عبدالحئی صاحب کو دیا کہ کھول کر پڑھو کیا لکھا ہے؟ اس میں لکھا تھا کہ: ''دہلی کے بھنگ پینے والو! بھنگ پینا تمہارا مقدر ہو چکا تو کہیں اور کی بجائے اس بڑھیا عورت کی دکان سے لیا کرو۔'' اتنے میں چار جوگی آئے۔ ان کو مسجد کے باہر بچھے چار بوروں پر بٹھا دیا خود مسجد میں بیٹھ گئے۔ ان سے باتیں کر کے رخصت کیا تو مٹھائی بھی ان کو پکڑا دی اور پھر فرمایا: ''مال حرام بود بجائے حرام رفت۔'' دونوں علماء نے معاملہ دیکھا تو حیران رہ گئے کہ آپ کے بعض کام عام انسانوں کے سمجھنے سے بالا ہوتے ہیں۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عبارت سے معلوم ہے کہ وہ تعویذ نہ تھا۔ عورت کو روکا نہ، اس لئے کہ کہیں آپ روکتے تو وہ انکار کے بعد ضد میں حرام کو حلال سمجھ کر کفر میں نہ مبتلا ہو جاتی۔ اس بوڑھی کا دل نہ توڑا کہ مٹھائی رکھ لی اور پھر خود استعمال کی بجائے دفع مضرت کے لئے جوگیوں کو دے کر خود بری الذمہ ہو گئے۔

کار پاکاں را بر خود قیاس مگیر

۷...... آپ سادات کی، چاہے سنی ہو یا شیعہ، بہت قدر کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک زمیندار شیعہ سید دوستوں کے ہمراہ آیا اور اعلان کر کے آیا کہ اگر شاہ صاحب نے مجھے عزت دی تو میں سنی ہو جاؤں گا اور یہ کہ میرے سید ہونے کی بھی تصدیق ہو جائے گی۔ وہ دوستوں کے ہمراہ حاضر ہوا۔ آپ نے اسے عزت دی۔ احترام دیا۔ محبت کا معاملہ فرمایا۔ وہ سنی ہو گیا۔ زمیندار تھا، بااثر تھا تمام ہمراہی سنی ہو گئے۔ جہاں جہاں اس کا حلقہ اثر تھا سب سنی ہو گئے۔ اس نے شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ آپ نے مجھے عزت دی۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سید ہونے کی نسبت کا خیال کیا۔ انہوں نے کہا حضرت میں تو شیعہ تھا۔ فرمایا کہ اگر کاتب قرآن مجید غلط لکھ دے تو کاتب کا قصور ہے۔ قرآن مجید کے حروف تو قابل احترام ہیں مانتا کہیں گے کہ قرآن مجید تو ہے مگر غلط لکھا ہوا۔ اس پر جس نے سنا جھوم اٹھا۔ سادات کا سلسلہ رحمت عالم ﷺ کی نسبت دامادی سے جو سیدنا علیؓ کو منتقل ہوئی اس سے چلا۔ نسبت کتنی بلند چیز ہے جو کپڑا قرآن مجید کا غلاف بن جائے کیسے چوما جاتا ہے۔ لیکن کیا جائے کہ ملعون خارجی خواجہ ابو طالب کی اس لئے برائی کرتے ہیں کہ وہ سیدنا علی المرتضیٰؓ کے والد ہیں۔

خواجہ ابو طالب، آنحضرت ﷺ کے دل و جان سے خیر خواہ ہونے کے سبب تمام اہل اسلام کے محسن ہیں۔ لیکن بداندیش و بدنصیب ان کی اہانت کے درپے ہو رہے ہیں۔ بہت ہی

بدنصیبی ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائیں۔ تم اور کچھ نہیں کف لسان ہی کرلو تو کیا حرج ہے؟

۸...... اکبری مسجد میں جہاں شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ رہتے تھے، اس کے دونوں جانب حجرے اور سہ دریاں تھیں۔ آپ ایک سہ دری میں پتھر سے ٹیک لگا کر بیٹھتے۔ بازار میں دور سے جو گزرتے وہ آپ کو سلام کرتے۔ اگر سنی ہوتا تو دائیں ہاتھ سے جواب دیتے۔ شیعہ ہوتا بائیں ہاتھ سے جواب دیتے۔ واقعہ بیان کرنے والے مولانا عبدالقیوم فرماتے ہیں کہ المؤمن ینظر بنور اللہ

حضرت شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے مولانا شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ ۱۱۷۰ھ یا ۱۱۷۱ھ میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی شاہ ولی اللہ کے وصال کے وقت آپ پانچ یا چھ سال کے تھے۔ آپ کی تربیت حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی۔ انہیں سے آپ نے علوم حاصل کئے۔ آپ کی وفات ۱۲۲۷ھ مطابق ۱۸۱۲ء ہے۔ آپ کے مزار مقدس پر حاضری کی سعادت سے قبرستان مہدیاں میں سرفرازی ہوئی۔ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کے صاحبزادے مولانا سید شاہ اسماعیل شہید مدفون بالاکوٹ نے بڑا نام ومقام پایا۔ سید اسماعیل شہید کے صاحبزادے شیخ موسیٰ بھی شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دادا حضور کے پہلو میں آرام فرما ہیں۔ شاہ مخصوص اللہ بن شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ، کہاں کہاں سعادت مندی لے گئی۔

مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات

آپ کو حضرت شاہ ولی اللہ کے خاندان کے مزارات پر جانے کے لئے مسجد کے صحن سے جنوب کی طرف منہ کرنا ہوگا۔ آپ مسجد میں جنوب کی طرف رخ کریں تو شاہ ولی اللہ کے خاندان کی قبور مبارکہ والے ہال میں داخل ہونے سے قبل باہر بائیں ہاتھ پر بہت ساری قبریں نظر آئیں گی۔ ان میں ایک مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی ہے۔ جو شاہ عبدالرحیم دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سر کی جانب تقریباً برابر ہے۔ شاہ عبدالرحیم چھت والے احاطہ میں مدفون ہیں اور مولانا حفظ الرحمٰن آسمان کے نیچے کھلے ماحول میں مسجد کے صحن سے متصل، مسجد میں جب صفیں بنیں تو قبر مبارک سے نمازی متصل ہوجاتے ہیں۔

مولانا حفظ الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں سیوہارہ ضلع بجنور میں مولانا شمس الدین صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں پیدا ہوئے۔ آپ کا گھرانہ زمیندار، تعلیم یافتہ گھرانہ تھا۔ آپ کے

والد قصبہ کے معزز، متدین گھرانہ سے تعلق رکھتے تھے۔ بھوپال و بیکانیر میں اسسٹنٹ انجینئر کے عہدہ پر رہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن کے دو بھائی، بہنوئی اور بھتیجے علی گڑھ یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ تھے۔ لیکن مولانا کے حصہ میں یہ سعادت آئی کہ آپ دینی مدارس میں پڑھے اور علی گڑھ یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ ایسے کئی قومی اداروں کی منتظمہ کے رکن یا سرپرست رہے۔

آپ نے سیوہارہ کے مدرسہ فیض عام سے اپنی تعلیمی زندگی کا آغاز کیا۔ مدرسہ شاہی مراد آباد میں بھی پڑھتے رہے۔ پھر دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ، مفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ اور حضرت میاں اصغر حسین رحمہ اللہ ایسے اساتذہ سے دورہ حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی رحمہ اللہ، مفتی عتیق الرحمٰن رحمہ اللہ، مولانا بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ ایسے حضرات آپ کے ہمدرس تھے۔ دوران تعلیم جب آپ بخاری شریف کا سماع کر رہے تھے، دارالعلوم دیوبند میں اپنے استاذ مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ کے مشورہ سے معین المدرس مقرر ہو گئے۔

مولانا حفظ الرحمٰن اور خدمت خلق

آپ ابھی سیوہارہ میں تھے کہ یہاں سے پانچ میل دور کانٹھ کے مقام پر ایکسپریس ٹرین کو حادثہ پیش آیا۔ بیسیوں ہلاک اور سینکڑوں زخمی ہوئے۔ مولانا حفظ الرحمٰن نے زخمیوں کو نکالنے کے لئے جلتی آگ میں کودنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ خود جھلس گئے لیکن کئی افراد کو بچا لیا۔ چوبیس گھنٹے کچھ کھائے پیئے بغیر مسلسل آخری زخمی کے نکالے جانے تک مصروف عمل رہے۔ اس طرح ایک جذامی قصبہ میں فوت ہو گیا۔ کوئی اس کے جنازہ کے قریب نہ جاتا تھا۔ آپ نے اسے غسل دیا۔ جنازہ و تدفین کا اہتمام کیا۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا سیوہاروی کس دل گردہ کے انسان تھے؟ جنھیں حق تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی خدمت کے لئے میدان میں اتارا تھا۔

سیاسی سرگرمیوں کا آغاز

۱۹۱۹ء ہندوستان کی تاریخ میں ایک نیا موڑ ہے۔ اسی سال کانگریس نے ستیاگرہ کی تحریک کا آغاز کیا۔ اسی سال جلیانوالہ باغ امرتسر کا قیامت خیز حادثہ رونما ہوا۔ اسی سال امرتسر میں ہی جمعیت علماء ہند کا قیام عمل میں آیا۔ اسی سال ہی مولانا نے میدان سیاست میں قدم رکھا۔ ۱۹۲۲ء میں آپ گرفتار ہوئے۔ رہا ہوتے ہی دارالعلوم میں داخلہ لیا تعلیم کی تکمیل کی۔ حضرت الاستاذ مولانا انور شاہ رحمہ اللہ نے آپ کو مدراس بھجوا دیا۔ سال بھر وہاں تدریس و تبلیغ میں منہمک

رہے۔ آپ نے اس دور میں "حفظ الرحمن لمذھب النعمان" اور "مالا بد منہ فی اسلام" دو رسائل تصنیف کیے۔ ۱۹۲۴ء میں حج کیا۔ اسی زمانہ میں حضرت انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ، مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ، مولانا بدر عالم رحمہ اللہ، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن رحمہ اللہ ایسے حضرات دارالعلوم دیوبند سے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تشریف لے گئے تو مولانا حفظ الرحمٰن رحمہ اللہ بھی اس قافلہ میں ہمراہ تھے۔ ڈابھیل کے گردونواح میں آپ کی خطابت نے وہ جوہر دکھائے کہ دنیا عش عش کر اٹھی۔ آپ قومی تحریکوں میں حصہ لینے لگے۔ گاندھی و پٹیل ایسے قومی رہنما آپ کی صلاحیتوں کے اعتراف میں سینہ پر ہاتھ رکھ کر جھک کر آپ کو سلام کیا کرتے۔ ۱۹۳۳ء میں انجمن تبلیغ الاسلام کی دعوت پر کلکتہ گئے۔ آپ نے مختلف مساجد میں درس قرآن جاری کیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ کی مجلسوں میں شریک کار کے طور پر کام کیا۔ اس موقع پر ندوۃ المصنفین کا ادارہ قائم کیا۔ اس ادارہ کے قیام میں مولانا مفتی عتیق الرحمٰن رحمہ اللہ، مولانا بدر عالم رحمہ اللہ، مولانا سعید احمد اکبرآبادی رحمہ اللہ اور مولانا حفظ الرحمٰن رحمہ اللہ شریک عمل تھے۔ یہ ادارہ بجائے خود ایک کارنامہ ہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن رحمہ اللہ کی مشہور زمانہ کتاب "قصص القرآن" چار جلد "اخلاق اور فلسفہ اخلاق" اور "اسلام کا اقتصادی نظام" اسی ادارہ کے تحت میں اولاً شائع ہوئیں۔ مولانا بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ کا مشہور عالم حدیث شریف کا مجموعہ "ترجمان السنہ سہ جلد" بھی یہاں سے شائع ہوئی۔ ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۱ء میں جو تحریکیں شروع ہوئیں، ترک موالات، تحریک عدم تعاون، تحریک خلافت ان میں مولانا حفظ الرحمٰن کا قائدانہ کردار انہیں صف اول کے رہنماؤں میں کھڑا دکھائی دیتا ہے۔

۱۹۲۹ء میں جمعیت علماء ہند کا امروہہ میں سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ مولانا حفظ الرحمٰن رحمہ اللہ نے تحریک آزادی میں شرکت اور کانگریس سے تعاون کی تحریک پیش کی۔ مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ، مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ، مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ، مولانا حبیب الرحمٰن رحمہ اللہ مہتمم دارالعلوم، مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ، مولانا محمد سجاد رحمہ اللہ، مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ، سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی رحمہ اللہ ایسے حضرات کی موجودگی میں یہ تحریک منظور ہوئی۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ نے اس کی تائید میں شعلہ جوالہ گفتگو فرمائی۔ اس کے فقہی حصہ پر حضرت مدنی رحمہ اللہ اور سید انور شاہ رحمہ اللہ کے علم نے بارش برسائی اور بہت ہی مقبول ماحول میں تمام شرکاء نے تجویز کو منظور کیا جو مولانا سیوہاروی کے پختہ اور بلندی ذہن کی واضح دلیل ہے۔ جمعیت علماء ہند نے تحریک آزادی کے الاؤ کو تیز کرنے کے لئے مسلمانوں کی گرفتاری پیش

کرانے کی غرض سے ''ادارہ حربیہ'' قائم کیا۔ اس کے پہلے ڈکٹیٹر مفتی کفایت اللہ ﷫، دوسرے حضرت مدنی ﷫، تیسرے مولانا سحبان الہند ﷫ مقرر ہوئے۔ مولانا حفظ الرحمٰن ﷫ اس ادارہ حربیہ کے کمانڈر تھے۔

کانگریس خلاف قانون تھی۔ لیکن اس نے طے کیا کہ چاندنی چوک دہلی گھنٹہ گھر میں جلسہ عام کرنا ہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن ﷫ آل انڈیا کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے رکن رکین تھے۔ آپ ہمیشہ کھدر کا لباس زیب تن کرتے تھے۔ اس دن سیوہارہ سے نکلے تو لٹھے کا پاجامہ، ولایتی کپڑے کی شیروانی، بے پوری صافہ بے پوری انداز میں باندھ کر ہاتھ میں بیش قیمت لاٹھی اٹھائے دہلی میں نوابوں کی طرح وارد ہوئے۔ پولیس پہچان نہ پائی کہ کھدر پوش مولوی آج نوابی شان سے ہمیں جل دے رہا ہے۔ آپ اجلاس میں شریک ہوئے۔

۱۹۴۲ء میں انگریز کے خلاف ''انڈیا سے نکل جاؤ'' تحریک کا آغاز ہوا۔ اسی زمانہ میں جنگ عظیم شباب پر تھی۔ مولانا حفظ الرحمٰن ﷫ اس دور میں بیدار مغز قائد اور سرگرم مجاہد کے روپ میں نظر آتے ہیں کہ آپ نے صبح وشام انگریز کو ہند میں تریچ کر دیا تھا۔ جلیانوالہ باغ امرتسر کا واقعہ یا قصہ خوانی بازار پشاور کا حادثہ بھلانے سے نہیں بھلائے جاسکتے۔ ایک بار مولانا محمود مدنی پشاور آئے۔ ہمارے مخدوم زادہ مولانا مفتی شہاب الدین پوپلزئی کی مسجد قاسم علی خان قصہ خوانی سے ہند میں اپنے والد امیر الہند مولانا سید اسعد مدنی ﷫ کو فون کیا کہ اس وقت قصہ خوانی بازار پشاور ہوں۔ مولانا اسعد مدنی ﷫ نے جواب میں بے ساختہ فرمایا کہ قصہ خوانی کے موجود وغائب سب کو میرا اسلام، زندہ قومیں یوں اپنے شہداء کو یاد رکھتی ہیں۔ ایک ہم ہیں کہ ہمیں پتہ ہی نہیں کہ قصہ خوانی بازار پشاور میں کیا ہوا تھا؟

جب ''انڈیا چھوڑ دو'' کی تحریک انگریز کے خلاف چل رہی تھی تو کانگریس کے رہنماؤں نے بمبئی میں اجلاس رکھا۔ مولانا حفظ الرحمٰن ﷫ اس میں موجود نظر آتے ہیں۔ بلکہ اس کے بعد گرفتار ہوئے۔ ۸ راگست ۱۹۴۲ء کو انڈیا کوئٹ تحریک کانگریس نے منظور کی۔ مولانا آزاد ﷫، جواہر لال اسی شام گرفتار ہوگئے۔ مولانا حفظ الرحمٰن ﷫ تمام خطرات سے بے نیاز ہوکر اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے سرگرم عمل ہوگئے۔ حضرت مدنی ﷫ گرفتار ہوگئے۔ مولانا عبدالحلیم صدیقی ﷫ ان دنوں جمعیت علماء ہند کے ناظم تھے۔ ان کے ساتھ مل کر ۲۷، ۲۸ راگست کو جمعیت علماء ہند کا اجلاس منعقد کر ڈالا اور پورے ملک کے مسلمانوں کو انگریز کے

مقابلہ میں میدان میں لاکھڑا کیا۔ انگریز نے ندوۃ المصنفین کے دفتر قرول باغ سے آپ کو گرفتار کرلیا۔ مراد آباد جیل میں بند کیا۔ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی جیل میں معیت حاصل ہوگئی۔ رمضان شریف یہاں گزرا۔ جیل میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے تراویح پڑھائیں۔ اتنے میں زعیم ملت مولانا سید محمد میاں بھی گرفتار ہو کر مراد آباد آگئے۔ انگریز نے حضرت مدنی کو نینی تال جیل اور مولانا حفظ الرحمٰن، مولانا سید محمد میاں کو بریلی سنٹرل جیل منتقل کر دیا۔ یہ جنوری ۱۹۴۳ء کی بات ہے۔ مئی ۱۹۴۴ء میں مولانا حفظ الرحمٰن اور اگست ۱۹۴۴ء میں حضرت مدنی رہا ہوئے۔ ۱۹۴۵ء میں سہارنپور جمعیت علماء ہند کے اجلاس میں جمعیت کے صدر حضرت مدنی اور ناظم اعلیٰ مولانا حفظ الرحمٰن منتخب ہوئے۔ اس کی استقبالیہ کمیٹی نے استقبالیہ رکھا۔ حضرت مدنی کے مزاج کے خلاف تھا۔ آپ نے شرکت سے انکار کر دیا۔ کارکنوں کی دلداری کے لئے مولانا حفظ الرحمٰن استقبالیہ میں شرکت کے لئے مان گئے۔ کمیٹی نے شوخ گھوڑے پر آپ کو سوار کیا۔ آپ نے اس شان سے سواری کی کہ شاہسوار معلوم ہوتے تھے۔ مولانا سید محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک خوبصورت بات کہی۔ جو یہ ہے کہ کبیر الاولیاء، مخدوم خواجہ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنی جوانی کے زمانہ میں بوعلی قلندر شاہ شرف الدین پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے سے گزرے تو قلندر مرحوم نے برجستہ کہا۔

گلگوں لباس کرد و سوار سمند شد

یاراں حذر کنید کہ آتش بلند شد

اب اس شعر کا زوردار ترجمہ کرنا میرے لئے ممکن نہیں۔ فارسی کا ذوق رکھنے والے مولانا سید محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ کے ذوق عالی اور انتخاب لاجواب کی تو داد دیئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔ ۱۹۴۶ء کا ''کیبنٹ مشن'' آیا۔ ہند تقسیم ہوا۔ پاکستان بنا۔ ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان بنا۔ ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کو ہند آزاد ہوا۔ اس خطہ میں نقل آبادی کے باعث ہندو مسلم فسادات پھوٹ پڑے۔ مولانا حفظ الرحمٰن نے جان جوکھوں میں ڈال کر جس طرح مسلمانوں کے قتل عام کو روکنے میں کردار ادا کر سکتے تھے، کردار ادا کیا۔ ان کے یہ شب و روز پوری زندگی کا حاصل محنت قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ آپ کا قائدانہ کردار قابل رشک کارنامہ ہے۔ بہادر شاہ ظفر کی گرفتاری اور ان کے اقتدار کے خاتمہ پر دہلی میں مسلمانوں کے خون سے انگریز نے ہولی کھیلی تھی۔ یا بالفاظ دیگر ۱۸۵۷ء کے نوے سال بعد ۱۹۴۷ء میں دہلی میں مسلمانوں کا خون ارزاں ہوا۔ اس خونی منظر میں خون کا دریا عبور کر کے ایک ایک مسلمان کو بچانے میں جو قیادت متحرک

نظر آتی ہے یا اس جان لیوا مہیب منظر کے منظر نامے پر جو مسلمانوں کی خیر خواہ تصاویر ابھرتی ہیں مولانا حفظ الرحمٰن اس میں نمایاں ہیں۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

مولانا حفظ الرحمٰن کی تین نمایاں صفات، تدبر، جرأت و خطابت سب مسلمانوں کی خدمت کے لئے وقف ہو کر رہ گئے۔

۱۵ر نومبر ۱۹۴۷ء کے اجلاس کانگریس دہلی میں مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حفظ الرحمٰن نے شیرازہ بندی میں مسلمانانِ ہند کے لئے جو خدمات سرانجام دیں اور کروڑوں مسلمانوں کو ہند میں تحفظ مہیا کرنے کے اقدام منظور کرائے۔ فرقہ پرستوں کو احساس ندامت پر مجبور کیا۔ ۲۷ر دسمبر ۱۹۴۷ء کو لکھنؤ میں اجلاس منعقد کیا۔ نقل آبادی کے لئے اسپیشل ٹرینوں کی حفاظت کا نظم قائم کرنے میں جدوجہد کی۔ انہیں حضرات کی کاوشوں سے بہت سارے مزید نقصان سے مسلمان بچ گئے۔ نقل آبادی سے جو خون کے دریا بہائے گئے وہ بھی کیا کم تھے۔ لیکن جتنے نقصان سے بچے وہ انہی رہنماؤں کی خدمات جلیلہ کو خراج تحسین پیش کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

دہلی کی تعلیم گاہیں، اجمیر کا مدرسہ معینیہ، مدرسہ عالیہ کلکتہ، مراد آباد مدرسہ شاہی، سیوہارہ کے مسلم سکولز، اٹاوہ کے ادارے، علی گڑھ کی یونیورسٹی، یہ سب ادارے و دیگر مساجد و مدارس اور خانقاہوں کی طرح اس نقل آبادی کے ہنگامہ میں زمین بوس ہوئے۔ انہیں دوبارہ آباد کرنے میں مولانا حفظ الرحمٰن کی قیادت کا بہت بڑا حصہ ہے۔ فرسودہ لیگی ذہنیت کی بدخواہی اور بعض اخبار نویسوں کا اوباش پن اور زبان درازی اور احمقانہ رویہ کو دیکھ کر ان کی ذہنیت کے افلاس پر ترس آتا ہے کہ پاکستان سے زیادہ مسلمان ہندوستان میں آباد ہیں۔ ان مسلمانوں کو تحفظ فراہم کرنا کیا یہ کوئی کارنامہ نہیں؟ جن مقدس شخصیات نے ان حالات میں مسلمان قوم کی خدمت کا مقدس فریضہ سرانجام دیا، ہزاروں مساجد و خانقاہوں، مکاتب و مدارس کو آباد کیا۔ وہ خراج تحسین کے مستحق ہیں یا تنقید کے تیروں کے لائق...... کہاں گئی عقل سلیم؟ اور پھر تنقید کرنے والے وہ شریف لوگ ہیں جنہوں نے مسلمانوں کی خیر خواہی کے لئے ایک تنکا نہیں اٹھایا۔ تنقید کرتے ہیں ان پر جو سراپا عزیمت تھے۔ سچ ہے کہ جس قوم کی ذہنیت افلاس زدہ ہو جائے یا پراگندہ حالی کا شکار ہو جائے تو ان کی سوچ سے سوائے یاوہ گوئی کے اور کیا توقع کی جا سکتی ہے؟

تف بر تو اے چرخ گرداں تف

مولانا حفظ الرحمٰن گندمی رنگ، اوسط درجہ کا بدن، نکلتا ہوا قد، کتابی چہرہ پر جرأت سادگی اور نیکی کا ابر رحمت برستا ہوا، علم و وقار کا مرقع، بہادری و خطابت کا شاہکار، جرأتوں کی داستان، میانہ روی اور استقامت کے کوہ گراں۔ یہ مولانا حفظ الرحمٰن تھے۔ ہند کی پارلیمنٹ سے لے کر منبر و محراب تک ہند کا گوشہ گوشہ ان کی عظمتوں پر شاہد عدل ہے۔ تین بار پارلیمنٹ کا کانگریس کے ٹکٹ پر الیکشن لڑا، مگر ایک پیسہ کانگریس کے انتخابی فنڈ سے قبول نہیں کیا۔ اٹھارہ سال جمعیت علماء ہند کے سربراہ رہے۔ مگر آپ کی کسب معاش اپنی کتب کی فروختگی پر موقوف رہی۔ جبل پور، آسام کے حادثات نے انہیں بہت ہی تھکا دیا۔ اس موقع پر اپنی وفات سے ایک سال قبل ایک مسلم ورکر کنونشن میں فرمایا: ''میں نے تو اپنے خدا سے معاملہ کر لیا ہے۔ میں نعرہ ہائے تحسین و تفریں سے بے نیاز ہو چکا ہوں۔ دنیا کی عمر ہی کتنی ہے۔ میری تو بس یہی خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور سرخرو ہو کر جاؤں۔''

مرض و فات

۲۳ رجنوری ۱۹۶۲ء کو بیمار ہوئے۔ معالج ڈاکٹر نے پھیپھڑوں سے پانی نکالا تو اس میں خون کی آمیزش نے انہیں حیرت زدہ کر دیا۔ اس پانی کا ٹیسٹ ہوا تو ڈاکٹروں نے بمبئی بھیج دیا۔ وہاں جہاز کے ذریعہ گئے۔ اعلیٰ ہسپتال ٹاٹا میں زیر علاج رہے۔ ۲۶ رفروری کو دہلی واپس آئے۔ ۱۶ راپریل کو علاج کے لئے امریکہ گئے۔ ۱۲ رجولائی کو واپس پھر دہلی آئے۔ گرمی کی حدت کے باعث احباب کشمیر لے جانا چاہتے تھے۔ مگر آپ نہ مانے۔ ۲ راگست ۱۹۶۲ء کی صبح ساڑھے تین بجے انتقال فرمایا۔

صدر جمہوریہ ہند، وزیر اعظم جواہر لال نہرو، لوک سبھا، پارلیمنٹ کے سپیکر و ممبران آل انڈیا کانگریس کے ایک ایک رہنما نے عقیدت کے گلدستے آپ کے قدموں میں رکھے۔ اس روز ساڑھے چار بجے شام دہلی کے دہلی دروازہ کے باہر کے میدان میں لاکھوں انسانوں نے قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی امامت میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی۔ مغرب کے وقت سپرد خاک ہوئے۔ وہ ۱۹۶۲ء تھا آج ۲۰۱۴ء کہ فقیر ان کے قدموں میں ایصال ثواب کی سعادت سے بہرہ ور ہوا۔ ہائے کتنی جلدی زمانہ گزر گیا اور زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے!

میرے دادا پیر حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے مولانا مفتی محمد جمیل الرحمٰنؒ نائب مفتی دارالعلوم دیوبند کے مکان سیدھا رو میں فرمایا کہ: ''مولانا حفظ الرحمٰنؒ

نے فسادات کے زمانہ میں دہلی کے اندر مسلمانوں کو بچانے کے لئے جو خدمات سرانجام دیں۔ اس زمانہ کی ان کی ایک رات کی جدوجہد پر میں اپنی پوری زندگی کے اذکار واشغال نثار کرنے پر تیار ہوں۔" (تین بڑے مسلمان ص ۹۳۳)

اس ملفوظ کے بعد اب قارئین مزید لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کریں گے۔ اس پر اکتفاء کرتا ہوں۔ البتہ پاکستان میں اس حفظ الرحمٰن کا نام فضل الرحمٰن ہے۔ معاندین اس پر کیا تبصرہ کریں گے بر چشم قلندر۔ اور بس!

مغرب کے بعد یہاں سے واپس ہوٹل آ گئے۔ اب دوستوں کو جو بتانا شروع کیا کہ فقیر راقم خاندان شاہ ولی اللہ ؒ کے مزارات کی سلامی بھر آیا ہے۔ جو سنتا مارے خوشی کے گرویدہ زیارت ہو جاتا۔ آج شام کا کھانا جمعیت علماء ہند کے دفتر میں طے تھا۔ جامع مسجد ملا عبدالنبی (م ۱۵۸۴ء) بانی مسجد، حضرت مولانا عبدالقدوس گنگوہی ؒ (م ۱۵۳۷ء) کے پوتے مغل حکمران اکبر کے عہد میں صدر الصدور کے منصب پر فائز تھے۔ بہادر شاہ ظفر روڈ پر جمعیت علماء ہند کا مرکزی دفتر قائم ہے اور اسی وجہ سے یہ مسجد آباد ہے۔ ورنہ دور دور تک اس علاقہ میں مسلم آبادی کا نشان بھی نہیں۔ اس کے ایک کمرہ پر مجلس تحفظ ختم نبوت کل ہند کا بورڈ آویزاں ہے۔ یہاں ادارۃ المباحث الفقھیہ جمعیت علماء ہند بھی قائم ہے۔ جمعیت کا دفتر کئی منزلوں پر مشتمل ہے۔ مین جگہ پر واقع ہے۔ اس کی دیوار کے ساتھ پولیس لائن ہے۔ بہت سارے ممالک کے مہمان اس دفتر میں مختلف کمروں میں ٹھہرائے گئے تھے۔ عشاء کی نماز بھی یہاں پڑھی۔ رات گئے ہوٹل جا کر لیٹ گئے۔

۱۶ردسمبر کی مصروفیات

۱۶ردسمبر کو صبح نماز سے فارغ ہوئے۔ تھوڑی دیر بعد ناشتہ کیا ۹ ربجے صبح بڑی ایئر کنڈیشن کوچ ہوٹل آ گئی۔ اس نے تمام مہمانوں کو لے کر دہلی کے مختلف مقامات پر لے کر جانا تھا۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہ، آپ کے صاحبزادہ مولانا اسعد محمود اور حضرت مولانا عبدالغفور حیدری کی حضرت مولانا سید محمود مدنی کے ہمراہ ہندوستان کے وزراء اور سیاسی رہنماؤں سے ملاقاتیں طے تھیں۔ ان کے علاوہ تمام حضرات بس میں سوار ہوئے۔ ہوٹل سے نکلتے ہی تھوڑی دور بہادر شاہ ظفر مارکیٹ (روڈ) شروع ہو جاتا ہے۔ جہاں سے بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کیا گیا اور پھر بیٹوں کے سران کے حضور پیش کئے گئے۔ وہ یادگار بنی ہوئی کالے اور سرخ پتھروں کی اس یادگار کو خونی گیٹ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ قریب میں مولانا آزاد میڈیکل کالج ہے۔ اس کے

قریب فیروز بخت بادشاہ کی یادگار ہے۔ جن کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے ایک زنجیر گھر سے باہر دروازہ تک باندھ رکھی تھی جو سائل جس وقت ضرورت ہوتی زنجیر کھینچ دیتا تو بادشاہ کو گھر اطلاع ہو جاتی وہ باہر آ جاتا اور سائل کی دادرسی ہو جاتی۔

کہتے ہیں کہ ایک بار گدھا گزرا اس نے سر اوپر کیا تو زنجیر ہل گئی۔ بادشاہ باہر آ گیا۔ کیا لوگ تھے۔ اس پر ایک شعر بھی ہے۔

اک وہ بھی تھا دستور کہ جس نے زنجیر ہلا دی
سلطان نے لبیک کہی خوش ہو کے صدا دی
اک دستور نرالا ہم کو بھی آیا ہے میسر
کانٹوں نے کیا جرم تو پھولوں کو سزا دی

بس میں بیٹھے بیٹھے بتایا گیا کہ یہ قبرستان ہے۔ اس کو گورستان غریباں کہتے ہیں۔ اس میں غازی عبدالرشید کا بھی مزار ہے اور اسی میں زعیم ملت، مورخ الہند، حضرت مولانا سید محمد میاں کا بھی مزار مبارک ہے۔ اکبر روڈ، شاہجہان اورنگزیب روڈ، ہمایوں روڈ، صفدر جنگ روڈ، ایئرپورٹ روڈ گزرتے گزرتے حضرت قطب بختیار کاکی رحمہ اللہ کے مزار مبارک پر جا پہنچے۔ ٹھہریئے !! ابھی میں تو زمنا سراج الدین بہادر شاہ ظفر کی یادوں میں کھویا ہوا ہوں۔

بہادر شاہ ظفر رحمہ اللہ کے مختصر حالات

خاندان تیموریہ کا یہ بادشاہ جس کے مقدر میں سلطنت مغلیہ کا مکمل زوال دیکھنا لکھا تھا۔ سراج الدین بہادر شاہ ظفر۔ یہ ۲۸ رشعبان ۱۱۸۹ھ مطابق ۱۷۷۵ء پیدا ہوئے۔ والد کا نام مرزا اکبر شاہ فرمانروائے دہلی تھا، جو شاہ عالم کے دوسرے صاحبزادے تھے۔ بہادر شاہ ظفر نے حافظ ابراہیم اور قاری محمد جمیل صاحب سے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی۔ اوسط درجے کی عربی اور فارسی ادب کے علاوہ تیر اندازی، شہسواری، تیغ زنی، نشانہ بازی میں مشق حاصل کی اور کمال حاصل کیا۔ شاہجہان، اورنگ زیب کے عہد کی تو بات ہی کیا۔ البتہ بہادر شاہ ظفر کے زمانے کا دہلی بھی کیا کم تھا۔ علم و فضل کے اعتبار سے ایک اونچا مقام رکھتا تھا۔ کوئی مشرقی شہر اس کے ہم پلہ نہ تھا۔ مولانا شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر کی درس گاہیں عروج پر تھیں۔ سید اسماعیل شہید، شاہ محمد اسحٰق، شاہ محمد یعقوب، مولانا فضل حق خیرآبادی، مفتی صدرالدین خان آزردہ ایسے باکمال لوگ انہیں درس گاہوں سے پیدا ہوئے۔ مولانا سید مخصوص اللہ بن شاہ رفیع الدین، مولوی عبدالخالق، مولانا رشید

الدین خان، مولانا مملوک علی نانوتوی، مولانا نصر الدین، سراج العلماء، مفتی سید رحمت علی، خان بہادر مولوی کرامت رحمہم اللہ تعالیٰ ایسے فضلاء اس زمانے میں تھے۔ مولانا حکیم عبدالحئی صاحب نے "گل رعنا" میں عہد ابوظفر کا یہ نقشہ کھینچا ہے۔

"اب خود ظفر شاہ بہادر کے زمانہ میں اسد اللہ خان غالب، امام بخش صہبائی، شاہ نصیر الدین نصیر، حضرت ذوق اور خدا جانے کتنے سخنوران باکمال کا جمگھٹا تھا۔ ان سے بہادر شاہ نے صحبت اٹھائی۔ ولی عہدی میں یہ دوست تھے۔ جب تاجدار ہوئے تو یہ درباری کہلائے۔ یہی وجہ ہے کہ شاعری کا ذوق بھی بہادر شاہ ظفر کا کمال کا تھا۔

جہانگیر اور عالمگیر کے تخت پر شاہ عالم ثانی جلوہ گر تھا۔ لیکن مغلیہ عہد کا زوال تھا۔ دہلی میں مرہٹوں نے یورش کی تو شاہ عالم ثانی بھاگ کر الہ آباد گئے۔ احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں کو شکست دی۔ دہلی فتح ہوا تو شاہ عالم ثانی بادشاہ تسلیم ہوئے۔ ۱۷۸۸ء میں غلام قادر روہیلہ نے چڑھائی کی تو شاہ عالم کو سلیم گڑھ لے گئے۔ اب سندھ کے فوجی افسر رانا خان نے غلام قادر کو شکست دی۔ شاہ عالم کو غلام قادر کے پنجہ سے رہائی ملی۔ سندھیا، مدار المہام بنارس نے علامتی طور پر شاہ عالم کو برقرار رکھا۔ شاہ عالم کی خواہش پر ۱۸۰۳ء میں انگریزوں نے مرہٹوں کو شکست دی۔ اب شاہ عالم ثانی بجائے مرہٹوں کے انگریز کا وظیفہ خوار ہوا۔ اب یہ قلعہ دہلی کے والی رہ گئے۔

شاہ عالم ثانی کے بعد ان کے صاحبزادے اکبر شاہ فرمانروا بنے۔ جو بہادر شاہ ظفر کے والد گرامی تھے۔ اکبر شاہ بجائے بہادر شاہ کے اپنے دوسرے بیٹے جہانگیر کو ولی عہد بنانا چاہتا تھا۔ انگریز چاہتے تھے کہ بہادر شاہ ظفر ولی عہد ہو۔ مگر اکبر شاہ نے کہہ دیا کہ بہادر شاہ ظفر میرا بیٹا ہی نہیں۔ اس پر بہادر شاہ ظفر نے یہ شعر کہے:

ستم کرتا ہے بے مہری سے کیا کیا آسماں پیہم   دل اس کے ہاتھ سے پر درد ہے اور چشم ہے پرنم
کروں گا پر نہ شکوہ گرچہ ہوں گے لاکھ غم پر غم   کہے جاؤں گا میں ہر دم یہی جب تک ہے دم میں دم

خدا دارم چہ غم دارم خدا دارم چہ غم دارم

خدا کی شان کہ الہ آباد ۱۸۳۱ء میں جہانگیر مرزا، بہادر شاہ ظفر کا بھائی وصال کر گیا۔ اب تو بہادر شاہ ظفر کو سرکار کمپنی انگریز نے اکبر شاہ (یعنی والد) کا جانشین تسلیم کر لیا۔ اس پر ظفر نے کہا۔

کیسی تدبیر ظفر جب وہ کرے اپنا کام   کام بگڑے ہوئے بن جائیں یونہی آپ سے آپ

۱۸۳۲ء میں دہلی کو مغربی وشمالی میں شامل کر دیا گیا تھا۔ ۱۸۳۵ء میں سکہ بھی دہلی اور نواح میں انگریز سرکار کمپنی کا رائج ہو گیا۔ ۱۸۳۷ء میں اکبر شاہ کا وصال ہوا۔

بہادر شاہ ظفر بیٹھے تخت سلطنت پر

ظفر شاہ سریر آرائے سلطنت ہوئے۔ سرکار کمپنی کا وظیفہ ملتا اور نام کے حکمران تھے۔ حتیٰ کہ آگرہ کی عدالت عالیہ نے فیصلہ دیا۔ دہلی قلعہ کے باہر بادشاہ کو کوئی استحقاق حاصل نہیں۔

بہادر شاہ ظفر کا ولی عہد مرزا فخر ۱۹۵۶ء میں فوت ہو گیا۔ بہادر شاہ کے آٹھ بیٹوں نے راضی نامے پر دستخط کئے کہ ولی عہد شہزادہ جواں بخت ہو گا۔ لیکن انگریز سرکار کمپنی کا کہنا تھا کہ بہادر شاہ ظفر کا بیٹا مرزا قویش ولی عہد ہو گا۔ مرزا قویش کو راضی کر لیا گیا کہ بہادر شاہ کا لقب موقوف، صرف شہزادہ کا لقب چلے گا۔ گویا نام کی حکومتی علامت بھی سلب کر لی گئی۔ اس ولی عہدی پر انگریز سرکار کمپنی اور بہادر شاہ ظفر کا اختلاف ہوا۔ سرکار کمپنی نے مرزا قویش کی ولی عہدی کا اعلان کیا۔ اب بوڑھے بہادر شاہ ظفر نے ایک شعر کہا۔

اے ظفر اب ہے تجھی تک انتظام سلطنت ... بعد تیرے نے ولی عہدی نہ سلطنت

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے نواسہ شاہ محمد اسحٰق دہلوی، شاہ محمد یعقوب دہلوی، انگریزوں کی مداخلت فی الدین سے حجاز مقدس ہجرت کرنے کے ارادہ سے روانہ ہونے لگے تو عمائدین شہر کے ساتھ بہادر شاہ ظفر نے ان کو رخصت کیا۔ مولانا فضل حق خیر آبادی، مفتی صدر الدین آزردہ ایسے حضرات سے بہادر شاہ ظفر کی دوستی تھی۔ خود بھی بہادر شاہ نیک سیرت اور شریعت کے پابند تھے۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی ؒ کے مرید تھے۔ بہادر شاہ ظفر کا اعتراف ملاحظہ ہو۔

مرید قطب دین ہوں خاکپائے فخر دیں ہوں میں ... اگرچہ شاہ ہوں ان کا غلام کمتریں ہوں میں

بہادر شاہ میرا نام ہے مشہور عالم میں ... ولیکن اے ظفر ان کا گدائے رہ نشیں ہوں میں

پلاسی کی جنگ کے بعد انگریز مغلیہ حکومت پر چھا گیا۔ روز بروز ریاستوں کو باہم لڑا کر اپنے پنجے مضبوط کر لئے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی ''الثورۃ الہندیہ'' میں لکھتے ہیں: ''انگریز کارتوسوں پر سؤر اور گائے کی چربی چڑھاتا، ان کو بندوق میں ڈالنے کے لئے منہ سے کھولنا پڑتا اور ہندو مسلم دونوں کے لئے پریشانی کہ وہ ان کو کیسے منہ سے لگائیں۔ اس سے دونوں قوموں میں اضطراب ہوا۔''

انقلابیوں کی بغاوت

۲۲ر فروری ۱۸۵۷ء کوڈم،ڈم کلکتہ میں سپاہیوں نے شکایت کی۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ اپریل ۱۸۵۷ء میں میرٹھ چھاؤنی میں سپاہیوں کے کارتوسوں کے لینے سے انکار پر ان کے خلاف کارروائی کا اعلان کیا گیا۔ ۶ر مئی کو نوے آدمیوں کی میرٹھ چھاؤنی میں پریڈ کرائی گئی۔ ہر ایک یونٹ سے پندرہ آدمی لئے گئے۔ کارتوس تقسیم کئے گئے۔ پانچ آدمیوں کے علاوہ باقی سب نے کارتوس لینے سے انکار کیا۔ انچاس مسلمان چھتیس ہندو وغیرہ۔ کل پچاسی فوجیوں کو ۹ر مئی کو فوجی پریڈ کے دوران دس دس سال قید با مشقت سنائی گئی اور پھر اسی وقت پیادہ پا ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں جکڑ کر جیل کی طرف روانہ کیا گیا۔ اس واقعہ نے پوری فوج کو مشتعل کر دیا۔ ۱۰ر مئی اتوار کو رات گئے جیل کی بیرکوں کو آگ لگا دی گئی۔ قیدی سب فرار کرا دیئے گئے اور سب نے دہلی کا رخ کیا۔ سپاہی دن نکلنے سے پہلے دہلی پہنچ گئے۔ ۹ر گھنٹے میں ۴۲ میل کا پیدل سفر کیا۔ اس بغاوت پر انگریز سیخ پا نہیں بلکہ پاگل بھی ہو گیا۔

میرٹھ کے یہ تمام سزا یافتہ قلعہ میں بہادر شاہ ظفر بادشاہ کے حضور پہنچے۔ بادشاہ سے سوال و جواب کے بعد باہر نکلے تو دن بھر انقلابی فوجیوں نے جو انگریز ہتھے چڑھا اسے ٹھکانے لگا دیا۔ سنجیدہ طبقہ علماء اور راہنماؤں نے سمجھایا۔ مگر ان پر ایسا جنون انتقام تھا کہ کسی کی نہ سنی۔ بادشاہ دیوان خاص میں آیا تو ان فوجیوں نے سلامی دی۔ بخت خاں بھی ان کے ساتھ مل گیا۔ مہاراجہ پٹیالہ، انگریزوں کا وفادار خود بہادر شاہ ظفر کے وزراء، حکیم احسن اللہ خاں اور محبوب علی خان جاسوسی کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔

انگریز حکومت نے کمانڈر انچیف جنرل آنسن کو دہلی پر حملہ کرنے کا کہا۔ وہ پٹیالہ، نابھہ کے راجاؤں کی فوجی مدد سے کالی و گوری فوج کے ہمراہ ۲۵ر مئی کو انبالہ آیا تو ۲۷ر مئی کو ہیضہ سے مردار ہو گیا۔ اس کے بعد جنرل ہنری برناڈ نے قیادت سنبھالی۔ یہ راستہ میں لڑائیاں لڑتا دہلی پہنچا۔ لیکن ۵ر جولائی کو ہیضہ سے یہ بھی مردار ہوا۔ اب جنرل ریڈ نے قیادت سنبھالی۔ لیکن فوجی بغاوت اتنی شدید تھی کہ اس نے استعفیٰ دے دیا۔ اب انقلابیوں کے حوصلے بلند تھے اور سرکار انگریز کی فوج بد دلی کا شکار تھی۔ اب ریڈ کی جگہ جنرل ولسن نے کمان سنبھالی۔ اس کی مدد کے لئے جنرل نکلسن دو ہزار فوجیوں پر مشتمل فوج لے کر آیا۔ جنرل ہڈسن ایسا سفاک جنرل بھی مختلف ریاستوں سے فوج اکٹھی کر کے دہلی آ گیا۔ ہندو، مسلم، راجے، مہاراجے، جاگیر دار و ساہوکاروں نے

ایسٹ انڈیا کمپنی کو روپیہ اور افرادی قوت دی۔ انگریز فوج خود ہندوستانی قوم کے غداروں کی غدارانہ روش سے تازہ دم ہو کر دہلی پر چاروں طرف سے حملہ آور ہوئی۔ پٹیالہ، کشمیر، رام پور، حیدرآباد کے راجوں اور نوابوں کے علاوہ متھرا کے مشہور مہاجن لکشمی نے پچیس لاکھ پانی پت وکرنال کے مہاجنوں نے انگریز کو تیس لاکھ دیئے۔ ادھر انقلابی فوجیوں پر رسد بند کر دی گئی۔ چاروں سمت محاصرہ ہو گیا۔ بہادر شاہ ظفر نے اپنا فرنیچر بیچ کر بھی نظام چلانا چاہا۔ مگر کب تک؟ لوگ ان کو مبارک دیتے کہ بادشاہت آپ کے گھر آئی۔ وہ جواب میں کہتے کہ اس سے غلامی بہتر تھی کہ دو وقت کا کھانا تو مل جاتا تھا۔ ان حالات کے باوجود چار ماہ تک مقابلہ جاری رکھا۔ جو بڑی بہادری کی بات ہے۔ اب انگریز فوج قدم قدم ایک ایک انچ پر مقابلہ کرتے ہوئے قلعہ تک پہنچ گئی۔ کہتے ہیں کہ مقابلہ اتنا سخت تھا کہ چھ فرلانگ کا فاصلہ پانچ دنوں میں انگریز فوج نے طے کیا۔ انگریز فوج کے بڑے افسر اور عام سپاہی بڑی تعداد میں ڈھیر رہے۔ لیکن باہر کی کمک سے انہوں نے حوصلہ نہ ہارا۔ برابر آگے بڑھتے رہے۔

بہادر شاہ ظفر مقبرہ ہمایوں میں

۱۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کو انگریز کے جاسوسوں نے بہادر شاہ ظفر کو اتنا مرعوب کیا کہ وہ قلعہ خالی کر کے ہمایوں کے مقبرہ میں آ گئے۔ ۲۰ ستمبر جنرل ولسن نے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ بخت خان نے بادشاہ کو کہا کہ آپ میرے ساتھ چلیں۔ میں آپ کو اپنی فوج کے حصار میں نکال کر لے چلتا ہوں۔ پورا ملک آپ کے ساتھ جان کی بازی لگا دے گا۔ بادشاہ نے کہا کہ کل ہمایوں کے مقبرہ میں ملیں۔ اس ملاقات کی جاسوسوں نے انگریز فوج کو اطلاع کر دی۔ انگریز کو معلوم تھا کہ بادشاہ ظفر بخت خاں کی فوج کے ہمراہ دہلی سے بخیر نکل گئے تو پورے ملک میں بغاوت پھیل جائے گی۔ انگریز نے اپنے مہروں کے ذریعہ بادشاہ کو دہلی نہ چھوڑنے پر آمادہ کر لیا۔ ۲۰ ستمبر ۱۸۵۷ء کو جب جنرل بخت خان آیا تو بادشاہ ظفر نے جانے سے معذرت کر لی۔ جاتے بھی کیوں کر کہ تقدیر غالب آ چکی تھی؟ چنانچہ بادشاہ کی طرف سے جواب پا کر جنرل بخت روہیل کھنڈ بمعہ فوج کے واپس چلا گیا۔ اب بادشاہ کی گرفتاری کے لئے انگریز کے سامنے کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ چنانچہ بخت خان جنرل کے جانے کے بعد اگلے روز بادشاہ ظفر گرفتار ہوئے۔ یہ گرفتاری اور پھر بیٹوں کا قتل کے بعد بادشاہ کے سامنے سر ناشتے کی ٹرے میں پیش کرنا اور ناشتہ کے ٹرے کا کپڑا اٹھانا اور بیٹوں کے سروں کو دیکھ کر بہادر شاہ ظفر کا کہنا کہ "شاباش بہادر بیٹے اپنے باپ کے سامنے یوں ہی سرخرو ہو کر پیش ہوا کرتے

ہیں۔" یا آپ کا یہ کہنا کہ "گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے۔" یہ ساری شکست یا جنگ آزادی کا ہارنا اس کا باعث صرف اور صرف اپنوں کی غداری تھی کہ تمام ریاستوں کے نوابوں نے انگریز کو رقم اور فوج دے کر مضبوط کیا۔ ورنہ بہادر شاہ ظفر کی قیادت میں انقلابیوں کی اتنی بڑی تعداد جمع ہو گئی تھی کہ اکیلا انگریز حکومت کے لئے ان کو شکست دینا ممکن نہ تھا۔ بہادر شاہ ظفر مکارم اخلاق سے متصف تھے۔ پرہیزگاری میں اپنی مثال آپ تھے۔

گرفتاری کے بعد بادشاہ پر انگریزوں کے قتل اور حکومت کا وظیفہ خوار ہونے کے باوجود، بغاوت کا کیس درج ہوا۔ ۲۷ رجنوری ۱۸۵۸ء کو مقدمہ شروع ہوا۔ اپنے ہی لوگوں نے بہادر شاہ کے خلاف انگریز کی حمایت میں گواہیاں دیں۔ ۹ رمارچ ۱۸۵۸ء کو فیصلہ ہوا۔ جس کے نتیجہ میں بہادر شاہ ظفر رنگون بھیج دیئے گئے۔ نواب تاج محل بیگم، نواب زینت محل اور بیٹے جوان بخت اور بہادر شاہ ظفر کے سالے ولایت علی بیگ اور ان کی بیوی بہادر شاہ کے ہمراہ رنگون بھیج دیئے گئے۔ ۷ رنومبر ۱۸۶۲ء کو رنگون میں فوت ہوئے۔ وہیں دفن ہوئے۔ حق تعالیٰ مغفرت فرمائیں۔ اب ان کے متعلق ان یادوں کو سمیٹے آگے بڑھے۔ کوچ ایک جگہ کھڑی کر دی گئی۔ وفد کے ارکان شہر کی گلیوں اور بازاروں سے گزرے۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مقدس پر حاضر ہوئے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ پیدائش ۵۸۲ھ اور وفات ۶۳۳ھ بیان کی جاتی ہے۔ آپ شیخ الطائفہ حضرت معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید خاص اور خلیفہ اجل تھے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "اخبار الاخیار" اپنی کتاب میں طبقہ اولیٰ کے اولیاء ہند کی تاریخ میں آپ کا دوسرے نمبر پر تذکرہ خیر کیا ہے۔ ماوراء النہر کے علاقہ اوش میں آپ پیدا ہوئے۔ دریائے جیحون کے اس پار کو ماوراء النہر کہتے ہیں اور اس پار کو خراسان کہتے ہیں۔ آج کل دریائے آمو اور سیر کے درمیانے علاقہ کا نام ماوراء النہر ہے۔ جس میں موجودہ ازبکستان، تاجکستان اور مغربی قازقستان شامل ہیں۔ دریائے آمو، دریائے کابل اور دوسرے دریاؤں سے مل کر پھر دریائے سندھ بنتا ہے۔ اس خطہ میں اوش ہے۔ جہاں حضرت کاکی رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔ شجرہ مرشدیہ میں ۱۴ واسطوں سے آپ کا سلسلہ سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے جا کر ملتا ہے۔ آپ کے والد گرامی کا نام خواجہ کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ آپ کی عمر ڈیڑھ سال تھی کہ والد کا وصال

ہوا۔ والدہ نے آپ کو پالا پوسا۔ آپ چار سال کے ہوئے تو والدہ نے ایک ہمسایہ سے کہا کہ اسے پڑھنے کے لئے بٹھا دیں۔ وہ لے کر چلے تو راستہ میں ایک بزرگ ملے۔ انہوں نے کہا کہ یہ بچہ مجھے دے دیں۔ میں اسے پڑھنے بٹھاتا ہوں۔ انہوں نے اس بزرگ کے سپرد کر دیا اور خود بھی ساتھ چلے۔ وہ بزرگ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک بزرگ ابوحفص اوشی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لے گئے اور کہا: ''آپ انہیں پڑھا دیں۔'' یہ لاثانی شخص ہے۔ ایک دن یہ سلطان الاولیاء بنے گا۔ انہیں غور ومحنت سے پڑھا دیں۔ یہ کہہ کر بزرگ رخصت ہوئے تو حضرت ابوحفص اوشی نے اس شخص سے پوچھا جو حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی والدہ سے لائے تھے کہ اس بزرگ کو جانتے ہو۔ جو آپ کے ساتھ آئے تھے۔ اس شخص نے کہا کہ یہ تو سرراہ مل گئے اور آپ کی طرف رہنمائی کی۔ تو ابوحفص نے فرمایا کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ ان کی آمد دلیل ہے کہ یہ بچہ ایک وقت میں مرجع عالم ہوگا۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ مشائخ چشت میں لکھا ہے کہ بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ شیخ ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھانا چاہا تو ہاتف سے غیبی آواز آئی کہ اس بچہ کی تعلیم ظاہری قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مقدر ہے۔ حضرت ناگوری رحمۃ اللہ علیہ بھی اتنے میں آ گئے۔ تختی لی اور قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ کیا لکھوں۔ انہوں نے عرض کیا کہ سبحان الذی اسری بعبدہ لکھیں۔ حضرت ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا تو معلوم ہوا پندرہ سپارے والدہ سے پڑھ چکے ہیں۔ یہ اپنے ہمراہ لے گئے۔ چار دن میں باقی پندرہ پارے مکمل ہو گئے اور پھر ظاہری علوم کی بھی جلد تکمیل ہو گئی۔

اب آپ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور مسجد ابواللیث سمرقندی میں بیعت کا واقعہ بعض نے لکھا ہے اور بعض نے یہ واقعہ بغداد کا لکھا ہے اور یہ بھی ہے کہ اس بیعت کے وقت شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ اوحد الدین کرمانی، شیخ برہان الدین چشتی اور شیخ محمود اصفہانی کی موجودگی میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے بیعت ہوئے۔ یہ بات رسالہ ''نظام المشائخ دہلی'' کے ایڈیٹر سید محمد الواحدی نے تحریر کی ہے۔ واللہ اعلم! سترہ سال حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے تربیت سلوک میں منہمک رہے۔ بغداد سے حضرت معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ، اجمیر شریف تشریف لائے تو حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے شیخ سے جدائی برداشت نہ کر پائے۔ کچھ عرصہ بعد یہ بھی ہند کے لئے عازم سفر ہوئے تو راستہ ملتان کا اختیار کیا اور ملتان میں کچھ عرصہ شیخ الاسلام حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس رہے۔ (اب

یہاں پر لکھنا بند کرتا ہوں۔ پہلے جا کر حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ رکن عالم کے مزارات پر حاضری دے کر آتا ہوں۔ پھر آگے لکھوں گا۔ آج ۱۵ مارچ ۲۰۱۴ء بعد از عصر مزارات واقع قلعہ کہنہ قاسم باغ ملتان گیا۔ مغرب واپس اپنے دفتر ختم نبوت آ کر پڑھی۔ چلیں آگے چلتے ہیں) ملتان میں شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی مہمان رہے۔ یہاں سے دہلی پہنچے۔ اجمیر شریف حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کو عریضہ لکھا کہ قدم بوسی کے لئے اجمیر شریف حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ حضرت اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آپ دہلی رہیں۔ میں خود دہلی آتا ہوں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ، حضرت اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے خلیفہ ہیں۔ حضرت اجمیری رحمۃ اللہ علیہ دہلی تشریف لائے۔

اپنے شیخ کے حکم پر حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ بر لب دریائے جمنا کلوکری میں قیام پذیر ہوئے۔ جو دہلی شہر سے باہر جگہ تھی۔ سلطان شمس الدین التمش کو معلوم ہوا کہ حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کلوکری میں قیام فرما ہیں۔ ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ جنگل (کلوکری) سے شہر دہلی چلنے کی دعوت دی۔ آپ نے فرمایا کہ وہاں پانی کی قلت ہے۔ چنانچہ التمش سلطان ہفتہ میں دو مرتبہ حاضر ہوتا اور برابر شہر چلنے کے لیے ملتمس رہا۔ آخر آپ آمادہ ہو گئے۔ دہلی تشریف لائے۔ ملتان جب تشریف لائے تو سلطان ناصر الدین قباچہ اور اہل ملتان نے بھی عرض کیا تھا کہ ملتان قیام رکھیں۔ مگر شیخ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کشاں کشاں آپ کو ہند لے جارہی تھی۔ دہلی جا کر اجمیر حاضر ہونے کی اجازت طلبی پر شیخ کا حکم دہلی کا ہوا۔ اب کلوکری نزد دہلی رکے۔ التمش کے درخواست کرنے پر دہلی آئے۔ امیر و غریب حاضر ہونے لگے۔ بادشاہ نے بھی بیعت کی۔ اس زمانہ میں دہلی کے نامور رہنما شیخ نجم الدین صغریٰ تھے۔ انہوں نے آپ کی آؤ بھگت دیکھی تو معاصرت کا شکار ہو گئے۔ حضرت اجمیری رحمۃ اللہ علیہ دہلی تشریف لائے تو سارا دہلی ملنے آیا۔ جناب نجم الدین صغریٰ نہ آئے۔ حضرت اجمیری رحمۃ اللہ علیہ ان کو خود ملنے گئے تو انہوں نے بے رخی برتی۔ اب حضرت اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بے رخی کا خود سبب پوچھ لیا۔ انہوں نے کہا کہ آپ کے مرید کے آنے سے میرے شیخ الاسلام کے عہدہ کی بے توقیری ہوئی۔ آپ نے فرمایا بہت اچھا ہم ان کو اجمیر لے جاتے ہیں۔ آپ آئے اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ ہمارے ساتھ اجمیر چلو۔ ادھر تعمیل ارشاد میں دیر ہی کیا تھی تیار ہو کر ہمراہ ہوئے۔ التمش بادشاہ اور دہلی کے عوام و خواص حضرت اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے حضور حاضر ہوئے کہ حضرت ہمیں حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی

صحبت سے محروم نہ کیا جائے۔ آپ نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا کہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ یہیں رہو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دیں۔ اتنی مخلوق کا دل توڑنا مناسب نہیں۔ چنانچہ شیخ کے حکم پر دہلی رہ گئے۔

حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی عبادت وریاضت

حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ یومیہ اڑھائی سو رکعت نفل ادا کرتے تھے۔ تین ہزار دفعہ درود شریف پڑھتے تھے۔ جب آپ کی شادی ہوئی تو تین دن درود شریف کا ناغہ ہو گیا۔ خواجہ کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بختیار رحمۃ اللہ علیہ سے کہنا تین دن سے تمہارا تحفہ نہیں پہنچ رہا۔ اس کے بعد پھر معمول میں ناغہ نہ ہوا۔ ایک بار حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے احیاناً (جاگتی حالت میں) حضرت خضر علیہ السلام ملے۔ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ بہت کم نیند کرتے تھے۔ چوبیس گھنٹوں میں چھ گھنٹے آخری عمر میں اور بھی نیند کم کر دی۔ ہر وقت یاد الٰہی میں مستغرق رہتے۔

ایک بار حضرت شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ گنج شکر پاکپتن والوں نے عرض کیا کہ مقررہ وقت پر اوراد و وظائف کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے روک دیا کہ وقت مقرر کرنے سے شہرت ہو گی اور شہرت ابتلاء کا باعث ہے۔ کاک افغانی زبان میں روٹی کو کہتے ہیں۔ حضرت قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ ایک دکاندار سے سودا سلف ادھار پر لیتے، وقت پر پیسے ادا ہوتے رہتے۔ ایک دفعہ دکاندار کی بیوی نے حضرت قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ کو ادھار دینے کا طعنہ دیا۔ اہلیہ نے حضرت شیخ سے عرض کیا۔ آپ نے ادھار لینا بند کر دیا۔ تو غیب سے وقت پر روٹی مل جاتی۔ کافی عرصہ گزر گیا۔ دکاندار کی اہلیہ نے آپ کی اہلیہ سے معافی مانگی تو آپ کی اہلیہ نے بتا دیا کہ ہمیں تو وقت پر روٹی مل جاتی ہے۔ اس دن سے روٹی ملنا بند ہو گئی۔ کہتے ہیں کہ حضرت قطب الدین بختیار رحمۃ اللہ علیہ کو اس لئے ''کاکی'' کہتے ہیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ ایک روز شاہی نانبائی سے روٹیاں جل گئیں۔ وہ ان کو تندور میں چھوڑ کر حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر تندور سے اتارنا شروع کر دیں۔ ایسے کیا تو سب روٹیاں جلی ہوئی تھیں مگر صحیح سالم بے جلے کاک اتر آئے۔ اس دن سے آپ ''کاکی'' مشہور ہو گئے۔

آپ جب ملتان تشریف لائے تو ناصر الدین قباچہ نے حضرت شیخ بہاء الدین ذکریا رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سے ہو کر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے استدعا کی کہ کفار کی سازشوں سے شورش بپا ہے۔ آپ کے ہاتھ میں تیر تھا۔ سلطان کو دے دیا کہ جا کر شورش کرنے والوں کی طرف چلا دیں۔ قباچہ نے ایسے کیا تو تمام لوگ بھاگ گئے اور شورش ختم ہو کر رہ گئی۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار

کاکی ؒ نے وفات کے وقت اپنا خرقہ، مصلّے اور اپنے نعلین اور عصا ایک خادم کو دیئے کہ حضرت فریدالدین گنج شکر ؒ جب آئیں تو انہیں دے دینا۔ وہ ان دنوں ہانسی گئے ہوئے تھے۔ شیخ کے وصال کی خبر پر وہاں سے دہلی گئے تو خادم نے یہ چیزیں پیش کیں۔ گویا آپ نے اپنا جانشین حضرت فریدالدین ؒ کو مقرر کیا۔ حالانکہ خود خواجہ کی اولاد موجود تھی۔ حضرت خواجہ کے پائنتی کی جانب حضرت قاضی حمیدالدین ناگوری ؒ کا مزار ہے۔ جن کا اوپر ذکر ہوا۔ فرخ نے مزار شریف کے گرد احاطہ بنوایا جو سنگ مرمر کا ہے۔ قطب مینار کے قریب آپ کی ذاتی حویلی بیان کی جاتی ہے۔ خانقاہ شریف کے قریب مسجد میں دو مصلّے ہیں۔ ایک حضرت اجمیری ؒ اور دوسرا حضرت بختیار کاکی ؒ سے منسوب ہیں کہ وہ یہاں نماز پڑھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ یہاں دعا کریں تو قلب قبولیت کے آثار محسوس کرتا ہے۔ اس مسجد کے قریب شمس تالاب کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔ اس کے اردگرد خوب مزارات تھے۔ اب کھنڈرات ہیں۔ رہے نام اللہ کا! حضرت شیخ الحدیث کاندھلوی ؒ نے تاریخ چشت ص ۱۷۳ پر لکھا ہے کہ: ''حضرت خواجہ اجمیری ؒ کے وصال کے بعد مزار مبارک پر زیارت کے لئے حضرت قطب الدین بختیار کاکی ؒ تشریف لے جاتے تو ایک بار وسوسہ گزرا۔ حضرت مرشد کو میرے آنے کی خبر بھی ہوتی ہے یا نہیں۔ اب کے گئے تو صراحۃً دیکھا کہ آپ کی قبر مبارک پر موجود ہوں اور حضرت خواجہ مرشد اجمیری ؒ فرما رہے ہیں۔

مرا زندہ پندار چوں خویشتن　　　من آیم بجاں گر تو آئی بر تن

مجھے اپنی طرح زندہ جانو۔ اگر آپ جسم کے ساتھ آئیں گے تو میں جان کے ساتھ آؤں (استقبال کروں) گا۔ اب حضرت شیخ الحدیث کی اس لکھت پر ہمارے اشاعتی دوست کیا فرمائیں گے؟ مجھے نہیں بحث اس سے، مجھے آگے چلنے دیں۔

وفات حسرت آیات

جب حضرت بختیار کاکی ؒ کا وصال ہوا تو بادشاہ شمس الدین التمش ؒ نے غسل دیا۔ جب جنازہ لایا گیا تو اعلان ہوا کہ حضرت خواجہ بختیار کاکی ؒ کی وصیت یہ تھی کہ میری نماز جنازہ وہ پڑھائے جس کی غیر محرم پر کبھی نظر نہ پڑی ہو اور سنت عصر اور جماعت کی تکبیر اولیٰ فوت نہ ہوئی ہو۔ جب اس شرط کے مطابق کوئی آگے نہ بڑھا تو شاہ شمس الدین التمش ؒ آگے بڑھے۔ فرمایا کہ حضرت ؒ نے راز کھول دیا تو کیا کروں؟ اور نماز جنازہ پڑھا دی۔ شمس الدین التمش ؒ آپ کا مرید تھا۔ مرید کا یہ حال تھا تو شیخ کا عالم کیا ہوگا؟ آپ کے بائیس خلفاء کا ذکر ہے۔ لیکن

سلسلہ تین حضرات سے چلا۔ حضرت فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ، شیخ بدرالدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ خضر قلندر رومی رحمۃ اللہ علیہ، ان کے علاوہ سلطان وہلی خواجہ شمس الدین التمش رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کے خلیفہ ہیں۔

کہتے ہیں وفات سے عرصہ قبل آپ پر استغراق کی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول ہوتے۔ کوئی ملنے کے لئے آتا تو دیر بعد تکلف سے اس کیفیت استغراق سے واپس آتے۔ چند باتیں کرتے اور پھر استغراق میں چلے جاتے۔ (قارئین میں سے اکثر دوست گواہی دیں گے کہ آخر عمر میں ہمارے مخدوم حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی بھی ایسی کیفیت تھی) ربیع الاول کی چودھویں رات ۶۳۳ھ میں آپ کا وصال ہوا اور اسی سال چودھویں شعبان کو سلطان شمس الدین التمش رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔ (اخبار الاخیار ص ۶۱)

حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک سے بجانب شمال کچھ دور گئے تو وہاں پر بہادر شاہ ظفر کے محل کے کھنڈرات ہیں۔ پورا دن پھرتے رہیں تو محل کے کھنڈرات کو سمجھنا تب بھی مشکل ہو۔ چھتیں نہیں ہیں۔ دیواریں ہیں۔ سیڑھیاں ہیں۔ کمروں، درکمروں کے نشان ہیں۔ پورا محل عمدہ پتھر سے بنا ہے۔ مغل شہزادوں کی تعمیرات کے ذوق عالی کا مظہر ہے۔ مگر اس کی یہ زبوں حالی دیکھی نہیں دیکھی جاتی۔ مجھے ساتھی لے گئے۔ چند مقام دیکھ کر واپس مین گیٹ پر آ کر ساتھیوں کے انتظار میں کھڑا ہو گیا۔ جب انگریز نے گرفتاری کے وقت بہادر شاہ ظفر کی آل اولاد سے یہ کیا کہ ان کے سر کاٹ کر ناشتہ کے ٹرے میں رکھ دیئے۔ محل والوں سے یہ ہوا تو محل سے کیا ہوا ہوگا؟ آج محل کی حالت بیچارگی اس کے سرخ پتھروں کی طرح خون کے آنسو رلا دینے کے لئے کافی ہے۔ میاں انسان! اس دنیا میں اتنی وسعت اختیار کر، جتنا رہنا ہے۔ جہاں ہمیشہ رہنا ہے۔ اس کی فکر کر۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب کرے۔

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر

بہادر شاہ ظفر کے مکان کے مین گیٹ پر آپ کھڑے ہوں تو آپ کے بائیں طرف ایک چبوترہ ہے۔ اس پر کئی قبریں ہیں۔ ان میں سے دو قبور پر میں قارئین کو بھی لے چلتا ہوں۔ ایک قبر مبارک حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہے اور دوسری حضرت سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ کا سلسلہ نسب شیخ جمال یمنی سے جا کر ملتا ہے۔ یہ موتیوں کا کاروبار کرتے تھے۔ کشتی پر سوار تھے۔ طوفان آیا۔ کشتی ٹوٹ گئی۔ شیخ جمال ایک تختہ پر تھے۔ وہ ساحل سے آن لگا۔ بھوپال کے ایک تاجر انہیں بھوپال لائے۔ یہاں وہ آباد

ہوئے۔ پھر بھوپال سے شاہجہان پور آ گئے۔ یہ مفتی کفایت اللہ کے مورث اعلیٰ بیان کیے جاتے ہیں۔ مفتی صاحب کے والد صاحب کا نام شیخ عنایت اللہ تھا۔ نہایت پرہیزگار انسان تھے۔ مفتی صاحب کے تین بھائی اور تھے۔ ایک قاری نعمت اللہ جو شاہجہان پور میں تدریس کرتے تھے۔ دوسرے بھائی سلامت اللہ جو شاہجہانپور میں تجارت کرتے تھے۔ تیسرے بھائی قدرت اللہ یہ قصور میں آ گئے تھے۔ کانگریس کمیٹی کے صدر تھے۔ آخری عمر میں فلورمل قصور میں لگائی تھی۔

مفتی صاحب ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئے۔ ۵ سال کی عمر میں حافظ برکت اللہ کے مکتب شاہجہان پور میں تعلیم کا آغاز کیا۔ قرآن مجید اور فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم شاہجہانپور کے مدارس میں حاصل کی۔ آپ کے ایک استاذ مولانا عبدالحق خان جو مولانا لطف اللہ علی گڑھی کے شاگرد تھے۔ وہ مفتی صاحب کی ذہانت کے باعث چاہتے تھے کہ آپ دارالعلوم دیوبند چلے جائیں۔ لیکن کم سنی کے باعث آپ کے والد نہ مانے۔ اس وقت مفتی صاحب کی عمر پندرہ سال تھی۔ بالآخر قریب میں مراد آباد مدرسہ شاہی میں والد صاحب نے تعلیم کے لئے بھجوا دیا۔ مدرسہ شاہی میں داخل ہو گیا۔ کھانا مدرسے مل جاتا۔ باقی اخراجات کے لئے کپڑے کی ٹوپیاں سیتے۔ ان پر کروشیا سے بیل بوٹے بناتے اور بنی ٹوپی دو روپیہ پر نکال دیتے۔ اس سے گذر بسر ہو جاتی۔ کسی پر بوجھ نہ بنتے۔ اتنے ذہین تھے کہ سبق کے دوران ٹوپیوں کا کام بھی کرتے رہتے۔ تب بھی پوری کلاس میں اعلیٰ نمبروں پر کامیاب ہوتے۔ یہ ٹوپیاں آپ کی ہنرمندی میں کمال کی دلیل ہوتی تھیں۔ لوگ ہاتھوں ہاتھ خریدتے تھے۔ مدرسہ شاہی میں آپ نے دو سال پڑھا۔ ۱۳۱۲ھ میں دارالعلوم دیوبند داخلہ لیا۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ، مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ، مولانا عبدالعلی رحمہ اللہ میرٹھی ایسے نابغہ روزگار شخصیات سے آپ نے کسب فیض کیا۔ دارالعلوم دیوبند میں آپ نے تین سال پڑھا اور دورہ حدیث شریف مکمل کیا۔ ۱۳۱۵ھ میں بعمر ۲۲ سال آپ نے دارالعلوم سے فراغت حاصل کی۔ آپ نے اپنے استاذ مولانا عبیدالحق خان کے نئے قائم کردہ مدرسہ عین العلم شاہجہان پور میں پڑھانا شروع کر دیا اور استاذ محترم کے اعتماد کے باعث اہتمام کی تقریباً تمام ذمہ داری بھی آپ پر تھی۔ تدریس کے ساتھ ساتھ افتاء کا کام بھی تھا۔ یہاں عین العلم میں قیام کے دوران آپ نے ماہنامہ رسالہ ''البرہان'' شائع کرنا شروع کیا۔ حضرت مفتی مہدی حسن رحمہ اللہ کے بڑے بھائی منشی سلطان حسن اس کے منیجر اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ اس کے ایڈیٹر تھے۔ یہ رسالہ صرف قادیانیت کی تردید کے لئے وقف تھا۔

آج اگر اس کی فائل مل جائے تو مکمل شائع کر دیا جائے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز! آج ۱۷/ مارچ ۲۰۱۴ء کو مولانا شاہ عالم گورکھپوری سے استدعا کی ہے کہ وہ فائل تلاش کر کے بھجوائیں۔ ۱۳۱۵ھ کے فائل کی ۱۴۳۵ھ میں تلاش۔ گویا ایک سو بیس سال بعد! ہے کوئی ہمارے ذوق دیوانگی کی انتہاء؟

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب عین العلم میں پڑھاتے تھے۔ تب حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ استاذ الفقہ والادب دیوبند، حضرت مفتی مہدی حسن رحمۃ اللہ علیہ مفتی دارالعلوم دیوبند وہاں عین العلم میں پڑھتے تھے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تدریس کے علاوہ تبلیغ ومناظرہ میں بھی مصروف رہے۔ اس زمانہ میں عیسائیوں سے کئی مناظرے ہوئے۔ ہر جگہ بعداز مناظرہ لوگوں کو یہ کہتے سنا جاتا کہ: ”علماء نے اسلام کی لاج رکھ لی۔ وہ دبلا پتلا سوکھا سا مولوی تو شیر کی طرح جب غراتا تھا تو پادری کو پسینہ آ جاتا تھا۔“ یہ کمزور مولوی حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ تھے۔ اسی زمانہ میں یہاں عیسائیوں کے ساتھ قادیانیوں نے بھی اسلام اور مسلمانوں کو نشانہ بنایا۔ حضرت مفتی صاحب کی للکار ویلغار نے انہیں دم بخود کر دیا۔ مدرسہ عین العلم شاہجہان پور میں تدریس کے دوران آپ کا پہلا عقد ہوا۔ اس اہلیہ سے ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہوئے جو بچپن میں ہی ذخیرہ آخرت ہوگئے۔ بعد میں اہلیہ کا بھی وصال ہوگیا۔ اس کے بعد دوسرا عقد کیا۔ اس سے آپ کی وفات کے وقت دو لڑکے اور دو لڑکیاں حیات تھیں۔

دہلی آمد

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رفیق خاص مولانا امین الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنہری مسجد چاندنی چوک دہلی میں مدرسہ امینیہ کی بنیاد رکھی۔ اس کے پہلے صدر مدرس حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ۱۳۲۱ھ شوال کے مہینہ سے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہاں تشریف لائے۔ اس زمانہ میں والد صاحب کے حکم پر حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے وطن کشمیر جا چکے تھے۔ اب حضرت مفتی کفایت اللہ، صدر مدرس، مفتی اور منتظم ہوگئے۔ گویا مدرسہ امینیہ کے بہت سارے امور آپ سے وابستہ تھے۔ اس زمانہ میں صرف مدرسہ امینیہ نہیں تمام مدارس میں اصلاح نصاب، نظام تعلیم اور نظام امتحان کو یکساں طور پر لاگو کرنے کے لئے آپ نے محنت فرمائی۔ یوں سمجھئے کہ آج پاکستان میں ”وفاق المدارس العربیہ“ کا تمام نظام مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کی سوچ کا مرہون منت یا اس کا آئینہ دار ہے۔ جب آپ

دہلی تشریف لائے تب جنگ بلقان شروع ہوگئی تو ترکی کے مسلمانوں کی مدد کے لئے جہاں آپ نے فتویٰ جاری کیئے۔ وہاں فنڈ بھی اکٹھا کر کے ان کو بھجوایا۔

ضرورت محسوس ہوئی کہ ہند سے دو بڑے طبقے مسلمان اور ہندو باہم متحد ہوکر تحریک آزادی کو موثر بنائیں۔ اس کے لئے مسلم لیگ نے میثاق لکھنؤ منظور کیا۔ اس وقت جمیت علماء ہند نہ بنی تھی۔ اس میثاق لکھنؤ میں مسلمانوں کے نکتہ سے خامیاں تھیں۔ تب مفتی صاحب نے شرعی نقطہ نظر سے ان خامیوں کی نشاندہی کر کے اسلامیان ہند کی رہنمائی اور خدمت کا فریضہ سرانجام دیا۔ اس پر حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کو بہت خوشی ہوئی اور مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ کے دماغ نکتہ رس کی تصویب فرمائی۔ چنانچہ اس موقع پر حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے اپنے رفقاء سے فرمایا: ''بیشک تم لوگ سیاستدان ہو۔ لیکن مفتی کفایت اللہ سیاست ساز ہے۔'' یہ ۱۹۱۵ء، ۱۹۱۶ء کی بات ہے۔

صرف حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کو حضرت مفتی صاحب سے تعلق خاطر نہ تھا۔ ادھر مفتی صاحب بھی اپنے استاذ پر فدا تھے۔ جس کا مظہر آپ کا قصیدہ ''روضۃ الریاحین'' ہے۔ جس کا ایک ایک شعر اپنے استاذ کے لئے عقیدت ومحبت کا سمندر اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔

حضرت مفتی صاحب میدان سیاست میں

۱۸ اگست ۱۹۱۷ء کو ملکۂ معظم برطانیہ نے ہندوستانیوں کو حکومتی خود مختاری دینے کا اعلان کیا۔ وزیر ہند برطانیہ سے ہندوستان آئے۔ مسلم لیگ اور کانگریس نے متحدہ سمجھوتہ میثاق لکھنؤ پیش کیا۔ دسمبر ۱۹۱۸ء کو مسلم لیگ کا گیارھواں اجلاس شیر بنگال مولوی افضل حق کی صدارت میں دہلی میں منعقد ہوا۔ جس میں مولانا مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ، مولانا احمد سعید دہلوی رحمہ اللہ، مولانا عبدالباری رحمہ اللہ فرنگی محلی، مولانا آزاد سبحانی رحمہ اللہ، مولانا میر ابراہیم سیالکوٹی رحمہ اللہ، مولانا عبداللطیف دہلوی رحمہ اللہ، مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ شریک ہوئے۔ اس اجلاس میں صدر اجلاس نے علماء کی شرکت کا بطور خاص شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد ۱۹۱۹ء کو خلافت کمیٹی کے اجلاس دہلی میں حضرت مفتی صاحب نے برطانیہ کے جشن صلح کے بائیکاٹ کی قرارداد منظور کرائی۔

اسی اجتماع کے موقع پر علماء کرام مولانا مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ، مولانا عبدالباری رحمہ اللہ، مولانا احمد سعید دہلوی رحمہ اللہ، مولانا محمد سجاد، مولانا منیر الزمان اور دیگر حضرات کل پچیس حضرات نے طے کیا کہ ۱۹۱۹ء میں مولانا سید محمد داؤد غزنوی رحمہ اللہ علماء کرام کے اجلاس منعقد کرنے کا انتظام کریں گے۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی زیر صدارت اجلاس امرتسر میں ہوگا۔ چنانچہ اجلاس

ہوا۔ جمعیت علماء ہند کے مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب صدر اور مولانا احمد سعید صاحب ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے۔ مدرسہ امینیہ دہلی میں مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کا حجرہ جمعیت علماء ہند کا دفتر قرار پایا۔ اسی سال ۱۹۱۹ء کے آخر میں کانگریس اور مسلم لیگ کے جہاں اجلاس امرتسر میں ہوئے۔ جمعیت علماء ہند کا دوسرا اجلاس بھی امرتسر میں ہوا۔ جس میں ستر، اسی علماء کرام شریک اجلاس ہوئے۔ اس کی صدارت بھی حضرت مولانا عبدالباری نے کی۔ اس اجلاس میں جمعیت علماء ہند کا حضرت مفتی کفایت اللہ نے آئین منظور کرایا۔ کانگریس کے پنڈال میں خلافت کمیٹی کا بھی اجلاس ہوا۔ جس میں رہائی کے بعد مولانا محمد علی جوہر صاحب اور مولانا شوکت علی صاحب بھی بطور خاص شریک ہوئے اور یہیں گاندھی جی سے ان کی پہلی ملاقات ہوئی۔

جمعیت علماء ہند کے اس دوسرے اجلاس میں حضرت شیخ الہند صاحب کو جمعیت علماء ہند کا سربراہ تسلیم کیا گیا۔ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب آپ کے نائب کے طور پر کام کرتے تھے۔ کان پور، مراد آباد، جون پور، دہلی، گیاہ۔ امروہہ میں بھی جمعیت علماء ہند کے سالانہ اجلاس ہوئے۔ حکیم اجمل خان مسیح الملک نے اس میں ایک اجلاس کی صدارت اور خطاب کیا۔ ۱۹۳۰ء میں جمعیت علماء ہند کا پشاور میں اجلاس ہوا۔ جس میں ولایتی کپڑے کے بائیکاٹ اور بازار قصہ خوانی میں حکومت انگریز کی فائرنگ پر اظہار نفرت کی قرارداد منظور ہوئی۔ یہاں جو تحقیقات فائرنگ قصہ خوانی بازار پشاور کے لئے تحقیقاتی کمیٹی بنی جسے پٹیل کمیٹی کہا گیا۔ اس میں جمعیت علماء ہند کی نمائندگی حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے فرمائی۔

شدھی کی تحریک اور حضرت مفتی صاحب

۱۹۲۲ء میں تحریک خلافت کے خاتمہ کے بعد سوامی شردھانند نے شدھی کی تحریک چلائی۔ مسلمانوں کو مرتد بنا کر ہندو بنانے لگے۔ تب حضرت مفتی صاحب مسلمانوں کے مفاد اور اسلام کی نمائندگی کے لئے میدان میں آئے۔ مولانا محمد عرفان ایڈیٹر الجمعیۃ اور مولانا وحید حسن ٹونکی اور خود پورے ملک میں جہاں شدھی کی تحریک تھی ایک طوفانی دورہ کیا اور مسلمانوں کو ارتداد سے بچانے کے لئے سد سکندری کا قدرت نے ان حضرات سے کام لیا۔ شدھی تحریک کی وجہ سے ہندو مسلم فسادات ہوئے۔ یہی انگریز چاہتا تھا۔ گاندھی جی نے ستمبر ۱۹۲۴ء میں ۲۱ روز کا مرن برت شروع کیا۔ ۲۶ ستمبر ۱۹۲۴ء کو تمام فرقوں کی اتحاد کانفرنس بھی ہوئی۔ اس میں پنڈت مدن مالوی نے مسلمانوں سے کہا کہ آپ اپنے آئین اسلام سے ارتداد کی سزا اور تبلیغ کو نکال دیں۔ اس شدید تناؤ

کے ماحول میں اکیلے حضرت مفتی صاحب کی ذات تھی جنہوں نے ارتداد کے مسئلہ کی وضاحت اور تبلیغ اسلام کے احکام بیان کئے اور اسلام کے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ کیا۔ جس سے پورا اجلاس جھوم جھوم اٹھا۔ اس "مسئلہ ارتداد" پر کفایت المفتی ج ۹ ص ۳۳۲ تا ۳۶۱" پر بحث ہے اور ڈیرہ غازی خان میں قادیانی عبادت گاہ کے ایک کیس کے سلسلہ میں حضرت مفتی صاحب کے بیانات کی تفصیل "کفایت المفتی" میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ۱۹۲۵ء میں جو وفد حجاز مقدس بھیجا گیا۔ اس جمعیت علماء ہند کے وفد میں حضرت مفتی کفایت اللہ بطور صدر وفد بھی شریک تھے۔ اس میں خلافت کمیٹی کے وفد کی صدارت مولانا سید سلیمان ندوی نے فرمائی۔ مؤتمر عالم اسلامی کی سبجیکٹ کمیٹی میں مولانا مفتی کفایت اللہ اور مفتی اعظم فلسطین امین الحسینی کے علاوہ اور حضرات بھی شامل تھے۔

۱۹۳۰ء میں ہندوستان میں سول نافرمانی کی تحریک میں حضرت مفتی صاحب بھی گرفتار ہوئے۔ آپ کو چھ ماہ کی سزا ہوئی۔ پہلے دہلی پھر گجرات جیل منتقل ہوئے۔ خان عبد الغفار خان، مولانا ظفر علی خان، ڈاکٹر انصاری، مولانا نور الدین لائل پوری، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی ایسے رہنماؤں کے ساتھ آپ نے جیل کاٹی۔ دوسری گول میز کانفرنس دسمبر ۱۹۳۱ء کی ناکامی کے بعد سول نافرمانی کی تحریک کا اعلان ہوا۔ ۱۱ر مارچ ۱۹۳۲ء کو جمعیت علماء کا جلسہ وجلوس ہوا۔ مفتی صاحب پہلے ڈکٹیٹر مقرر ہوئے اور دوسری بار گرفتار ہوئے۔ ایک لاکھ آدمی کے اس جلوس کی قیادت مفتی صاحب نے فرمائی۔ اس میں آپ کو اٹھارہ ماہ کی قید بامشقت ہوئی۔ یہ قید آپ نے ملتان کی سنٹرل جیل میں گزاری۔ مولانا احمد سعید ؒ، سید عطاء اللہ شاہ بخاری ؒ، مولانا حبیب الرحمٰن ؒ، مولانا داؤد غزنوی ؒ، شیر جنگ ؒ، ڈاکٹر انصاری ؒ اور دیگر رہنماؤں کے ساتھ قید کاٹی۔ جیل میں متعدد حضرات نے آپ سے دینی تعلیم حاصل کی۔ آپ نے متعدد کتب پڑھائیں۔ جیل میں قیدیوں کے پھٹے پرانے کپڑے دیکھتے۔ فرماتے: لاؤ تمہارے کپڑے درست کر دوں۔ ان پھٹے کپڑوں کو سی دیتے تھے۔ کیا اجلی سیرت کے عالم دین تھے۔

فلسطین یہودیوں کو دینے کی انگریز نے سازش کی۔ تقسیم فلسطین کا فارمولا آیا تو جمعیت علماء ہند نے مجلس تحفظ فلسطین قائم کی۔ ۲ر اگست ۱۹۳۸ء کو یوم فلسطین منایا۔ جمعیت کا وفد فلسطین گیا۔ ۷ر اکتوبر ۱۹۳۸ء کو قاہرہ میں فلسطین کانفرنس میں جمعیت علماء ہند کی حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ ؒ، مولانا عبد الحق مدنی ؒ اور مولانا سید محمد یوسف بنوری ؒ نے نمائندگی کی۔

حضرت شیخ بنوری رحمہ اللہ نے اس کی رپورٹ میں تحریر فرمایا کہ "قاہرہ میں مفتی صاحب کا اتنا بھرپور استقبال ہوا کہ اتنا کسی وفد کا استقبال نہیں ہوا۔" فرماتے ہیں کہ "مارے خوشی کے ہمارے دل اچھل اور سر فخر سے بلند ہو گئے۔" اس موقع پر علماء مصر سے فوٹو کے عدم جواز پر آپ کا ایک نجی مجلس میں تبادلہ خیال بھی ہوا۔

مدرسہ امینیہ دہلی میں مفتی صاحب ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۳ء کو تشریف لائے تھے۔ سنہری مسجد چاندنی چوک کی جگہ تھوڑی تھی۔ چنانچہ مسجد پانی پتیاں کشمیری دروازہ کی زمین متولی حضرات سے مدرسہ امینیہ کے لئے حاصل کر کے ۱۹۱۵ء میں تعمیر کا آغاز کیا۔ ۱۹۱۸ء میں مدرسہ امینیہ اس تعمیر نو میں منتقل ہو گیا۔ ۱۹۲۰ء میں مولانا امین الدین فوت ہو گئے تو شیخ الہند رحمہ اللہ نے مالٹا کی رہائی سے واپسی پر شوال ۱۳۳۸ھ کو ایک بڑے جلسہ میں مولانا مفتی کفایت اللہ کو مدرسہ امینیہ کا مہتمم مقرر کیا۔ مسجد پانی پتیاں نواب لطف اللہ خاں صادق پانی پتی کی بنائی ہوئی تھی۔ جو آپ نے ۱۱۳۸ھ مطابق ۱۷۲۵ء میں بنائی تھی۔ دو سو سال گزرنے کے بعد بوسیدہ مسجد کو گرا کر حضرت مفتی صاحب نے ۱۳۵۳ھ میں نئے سرے سے دوبارہ تعمیر کیا۔

مدرسہ امینیہ سے (۱) مفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ شیخ الادب دارالعلوم دیوبند۔ (۲) مولانا سید مہدی حسن رحمہ اللہ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند۔ (۳) مولانا احمد سعید دہلوی رحمہ اللہ، ناظم اعلیٰ جمعیت علماء ہند۔ (۴) مولانا عبدالغنی پٹیالوی رحمہ اللہ۔ (۵) مولانا سید محمد حسین رحمہ اللہ بن حضرت پیر جماعت علی شاہ رحمہ اللہ علی پوری۔ (۶) مفتی عبدالصمد رحمہ اللہ مکرانی۔ (۷) مفتی تقی رحمہ اللہ امینی۔ (۸) مولانا محمد شریف رحمہ اللہ بہاولپوری صدر المبلغین عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت۔ (۹) مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ ملتانی بانی و مہتمم جامعہ قاسم العلوم ملتان ایسے ہزاروں علماء نے فراغت حاصل کی۔ مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ کے رکن رہے۔ مدرسہ امینیہ کی طرح مسجد و مدرسہ فتح پوری کی تعمیر و ترقی میں آپ نے بھرپور کردار ادا کیا۔ آپ کا مشہور زمانہ کارنامہ آپ کی فتویٰ نویسی ہے۔ جس کی دلیل "کفایت المفتی" ہے۔

سفر آخرت

۳۱ دسمبر ۱۹۵۲ء کو رات ساڑھے بجے وصال فرمایا۔ اگلے روز یکم جنوری ۱۹۵۳ء آپ کے مکان سے چتلی قبر اور دریا گنج بازار تک سڑکیں بھر گئیں۔ صبح سے مردوں عورتوں نے علیحدہ علیحدہ باری باری لائنوں میں شرف دیدار حاصل کیا۔ ساڑھے بارہ بجے دن جنازہ اٹھایا گیا تو تمام

بازار بند تھے۔ ہر جگہ غم وافسوس کا سماں تھا۔ کوچہ چیلاں سے جامع مسجد دہلی تک انسانوں کے ٹھٹھ ہی ٹھٹھ تھے۔ انسانوں کا سیل رواں تھا جو تھمنے کا نام نہ لیتا تھا۔ سوا ایک بجے پریڈ گراؤنڈ یعنی لال قلعہ اور جامع مسجد دہلی کے درمیان کا علاقہ میں جنازہ پہنچا۔ جنوری کا مہینہ ادھر بارش مگر اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے کی مقبولیت کا اس سے اندازہ فرمائیں کہ برابر رش بڑھ رہا تھا۔ جنازہ کی چارپائی سے لمبے لمبے بانس باندھے گئے۔ پھر بھی ہزاروں لوگ کندھا نہیں دے پائے۔ ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی ہر طبقہ کے لیڈر موجود تھے۔ جنازہ شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھانا تھا۔ مگر وہ بارش کے باعث لیٹ ہوگئے تو اب جنازہ مولانا احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھایا۔ ایک لاکھ آدمی نے جنازہ میں شرکت کی۔ دہلی دروازہ سے جنازہ کو رخصت کرتے وقت ڈیڑھ لاکھ کا مجمع ہو چکا تھا۔ مرد، عورتیں، جوان، بوڑھے سب مسجد کی سیڑھیوں، مکانوں کے چھتوں، بازار اور میدان میں محو دیدار تھے کہ یوں درویش، خادم قوم، اہل حق کے جنازے اٹھا کرتے ہیں۔ دہلی دروازہ سے باہر بڑی ایمبولینس میں جنازہ رکھا گیا۔ دہلی دروازہ سے مہرولی، حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار جس کے متصل آپ کی تدفین ہونا تھی۔ جہاں قریب میں بہادر شاہ ظفر کے محل شاہی کا صدر دروازہ ہے۔ وہاں تک گیارہ میل کا سفر ہے۔ اب ایمبولینس کے چلتے ہی لوگ بھی بسوں، ویگنوں، اپنی سواریوں پر روانہ ہوئے۔ تدفین کی جگہ پر عصر کے بعد آپ کا جسد مبارک لایا گیا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ بلیاوی، حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ صاحب بھی دیوبند سے یہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے آخری دیدار کیا اور آپ کو لحد میں اتار دیا گیا۔ جہاں آج فقیر راقم رفقاء سمیت کھڑا محو حیرت ہے کہ زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے!

حضرت مفتی صاحب ایسے حضرات کے لئے فقیر کے یہ چند صفحات لکھنے کی نسبت کو اللہ تعالیٰ قبول فرما کر ذخیرہ آخرت فرمائیں کہ صلحاء کی صحبت ونسبت یقیناً مغفرت کا باعث ہوگی۔ قارئین! مزار مبارک پر فقیر کی جو کیفیت قلب تھی اب اس تحریر کے وقت وہ عود کر آئی ہے۔ بس کرتا ہوں۔ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی کے ساتھ سحبان الہند حضرت احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک ہے۔

مولانا احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات

مولانا احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جنہیں آج دنیا سحبان الہند کے نام سے یاد کرتی ہے۔ اس

دنیائے بود و باش میں ربیع الثانی ۱۳۰۶ھ مطابق دسمبر ۱۸۸۸ء کو تشریف لائے۔ آپ کی پیدائش کوچہ ماہر خاں دریا گنج دہلی میں ہوئی۔ والد گرامی کا نام حافظ نواب مرزا تھا۔ زینت المساجد دہلی میں امام اور مدرس تھے۔ آپ کے بزرگ جلال الدین اکبر بادشاہ کے زمانہ میں عرب سے کشمیر پھر آگرہ پھر دہلی آئے۔ ۱۸۵۷ء سے قبل لال قلعہ دہلی کے سامنے کشمیری کڑہ میں یہ خاندان رہتا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ میں کشمیری دروازہ سے دلی دروازہ کی پوری آبادی کو انگریز نے مسمار کیا تو کشمیری کڑہ بھی اس کی زد میں آ گیا۔

مولانا احمد سعید ؒ نے قرآن مجید مدرسہ حسینیہ بازار ضیا محل میں حفظ کیا۔ اردو بازار کی جامع مسجد میں مولانا راسخ کا بیان ہوتا تھا۔ ان کی وفات کے بعد یہاں بعد از جمعہ مولانا احمد سعید کا بیان ہونا شروع ہوا۔ اب یہ مسجد مولانا احمد سعید مسجد کہلاتی ہے۔ آپ اس زمانہ میں سوائے قرآن مجید کے کچھ نہ پڑھے تھے۔ لیکن ذہین اتنے تھے کہ وعظ سنتے سنتے خود واعظ ہو گئے۔ دہلی کی زبان خالص ٹکسالی، وہ گھر کی تھی۔ خوب ہنسانا، رلانا استعاروں کا استعمال۔ لطائف کی بہار، مثالوں کا انبار ایسے ماحول بناتے کہ پبلک محسوس ہی نہ کر پاتی کہ آپ صرف حافظ ہیں۔ کچھ عرصہ بعد کوچہ چیلاں کی مسجد جسے اب مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس میں بھی ہر جمعرات کو مولانا احمد سعید صاحب نے وعظ کہنا شروع کر دیا۔ وعظ کے علاوہ باقی وقت مولانا بازار میں گوٹہ کناری کے تار تیار کرتے تھے اور اس سے گھر کا خرچہ چلتا تھا۔ ایک دن آپ کا وعظ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے بھی سماعت فرما لیا تو آپ نے مختلف ذرائع سے مولانا احمد سعید کو قابو کر کے قاری محمد یاسین سکندری آباد کے ہاں سنہری مسجد میں عربی کتب پڑھنے پر لگا دیا۔ مولانا احمد سعید کی جفاکشی ملاحظہ ہو کہ جو کام پہلے کرتے تھے وہ بھی کرتے رہے اور تعلیم بھی شروع کر دی۔ البتہ اپنے دستکاری کے اوقات تبدیل کر دیئے۔ اس ایثار اور قربانی سے آپ کو ایک سال میں استاذ نے عربی کی ابتدائی کتب نکلوا دیں۔ وہ گھر پر رات مال تیار کرتے۔ دکانداروں کو دیتے ہوئے مسجد آ جاتے اور پھر گھر جا کر کام شروع کر دیتے۔ اس وقت مولانا احمد سعید کی عمر بائیس سال ہوگی۔

مدرسہ امینیہ میں شوال ۱۳۲۸ھ میں آپ کا داخلہ ہوا۔ شرح مائۃ وغیرہ پڑھنے کا یہاں آغاز ہوا۔ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب ؒ خارج وقت میں بھی انہیں پڑھاتے۔ پھر تو استاذ اور شاگرد کا ایسا مزاج ملا کہ سفر و حضر ریل و جیل میں بھی ساتھ نہ چھوٹتا۔ چنانچہ فتح الباری کا

آخری پارہ آپ نے ملتان جیل میں حضرت مفتی صاحب سے پڑھا۔ مدرسہ میں باضابطہ داخلہ سے آپ نے گوٹہ وکناری کی تارکشی کا کام ترک کر دیا۔ وعظ وتبلیغ سے حق تعالیٰ اتنا دے دیتے کہ گھر والوں کا گزارہ ہو جاتا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ایک جگہ درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا تو وعظ وتبلیغ پر رقم لینا بالکل بند کر دی۔ درس سے آپ کو ساٹھ روپے ماہانہ ملتے۔ اس سے گزارہ کر لیتے۔ سرکار نظام سے بھی وظیفہ جاری ہو گیا۔ مگر جب آپ نے تحریک خلافت میں کھلم کھلا حصہ لیا تو نظامی وظیفہ بالکل بند ہو گیا۔ پہلی گرفتاری ۱۹۲۱ء میں ہوئی اور یہ قید میانوالی جیل میں کاٹی۔

مولانا احمد سعید ؒ کو فراغت کے بعد مدرسہ امینیہ میں ہی حضرت الاستاذ قبلہ مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب ؒ نے معین مدرس رکھ لیا تھا۔ اب تقریروں میں بھی رٹی رٹائی اڑائی ہوئی بات نہ ہوتی۔ بلکہ ٹھوس مدلل مربوط گفتگو کے ساتھ زبان کی لطافت و شیرینی اور فصاحت و بلاغت کا امنڈتا ہوا دریا رواں نظر آتا تھا۔

حضرت سحبان الہند ؒ میدان مناظرہ میں

یہ دور مناظروں کا تھا۔ عیسائی پادریوں سے ہندو پنڈتوں سے متعدد مناظرے ہوئے۔ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی ؒ آپ کے معین ہوتے تھے۔ مربی ہو تو ایسا کہ استاذ انگلی پکڑ کر میدان مارنا سکھلا رہا ہے۔ ایک پادری نے کوئی بات کہی۔ مولانا احمد سعید نے مفتی صاحب کی طرف دیکھا۔ مفتی صاحب نے ایک جملہ جواب میں فرما دیا۔ آپ نے اسے پھیلایا تو میدان مار لیا۔ پادری سے نہ رہا گیا۔ اس نے کہا کہ یہ کھسر پھسر ہو رہی تھی۔ مولانا احمد سعید صاحب نے کہا کہ زبان میری ہے۔ دماغ استاذ جی کا ہے۔ ایک بات نہیں سب کچھ جو بیان ہو رہا ہے یہ ان کے فیض کرم کا نتیجہ ہے۔ ایسے اعتماد سے یہ بات چلائی کہ معین سے اعانت لینی عیب کی بجائے ہنر بنا دیا۔ مولانا احمد سعید کی شیریں مقالی اور مفتی صاحب کی اعانت واقعتہً سونے پر سہاگہ تھا۔

حاضر جوابی ملاحظہ ہو کہ پنڈت نے آپ کو طعنہ دیا، باعث یہ کہ پہلے آپ تارکشی کا کام کرتے تھے۔ اس نے کہا کہ یہ ٹھوس دلیل ہے۔ تار نہیں جسے آپ کھینچ کر مطلب کا بنا لیں۔ آپ نے اپنی باری پر اس کی دلیل کو توڑا اپنی دلیل قائم کی تو ساتھ ہی فرمایا کہ سونے کی ڈلی نہیں کہ آپ کی ٹھک ٹھک سے پچک جائے۔ یہ فولاد ہے۔ اسے توڑنے کے لئے بھی مرد میدان چاہئے۔ (یاد رہے کہ پنڈت سونار تھا) پنڈت کے ایک سوال کا جواب مفتی صاحب نے آپ کو بتایا۔ پنڈت

نے فوراً کہا کہ خالی ہو گیا؟ مفتی صاحب سے پوچھ کر بتاؤ گے؟ فوراً کہا کہ سب ان کی جوتیوں کا صدقہ ہے کہ آپ کے سامنے کھڑا بول رہا ہوں کہ آپ کے چھکے چھوٹ رہے ہیں۔ ان سے نہ پوچھوں تو کس سے پوچھوں؟

۱۹۱۹ء میں جمعیت علماء ہند بنی تو اس میں مفتی صاحب کے ساتھ برابر مولانا احمد سعید بھی شریک سفر تھے۔ آپ حضرات کی جدوجہد نے مختلف مسالک کے حضرات کو ایک لڑی میں پرو دیا۔ مدرسہ امینیہ میں جمعیت علماء ہند کا دفتر قائم ہوا تو حساب کتاب مفتی صاحب رکھتے تھے۔ باقی ڈاک، مہمان، رابطہ، نظم وضبط تمام تر مولانا احمد سعید کے سپرد تھا۔ صرف دو آدمی پورے ہندوستان میں سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے۔ نہ محرر، نہ چپڑاسی۔ بس ایک لگن تھی کہ پورے ملک کے دینی حلقہ کو انگریز دشمنی میں لاکھڑا کیا۔ اکتوبر ۱۹۲۱ء میں گرفتار ہو کر پہلی بار میانوالی گئے۔ ایک سال کی قید بامشقت کاٹنے کے بعد ۲۸ ستمبر ۱۹۲۲ء کو رہا ہوئے۔ آپ کل آٹھ مرتبہ گرفتار ہوئے۔ ان میں ۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۲ء کی گرفتاری بھی شامل ہے۔ گجرات اور ملتان جیل میں اپنے استاذ حضرت مفتی صاحب کا بھی ساتھ رہا۔

قارئین! آپ نے حضرت شیخ الہند اور شیخ الاسلام حضرت مدنی استاذ وشاگرد کی قابل قدر جوڑی کو ایک ساتھ جیل میں جزائر انڈمان کالے پانی میں دیکھا ہے تو اس دوسری جوڑی، استاذ وشاگرد حضرت مفتی اعظم ہند اور سحبان الہند کو دیکھیں کہ کس طرح طابق النعل بالنعل ہو رہا ہے۔

انگریز کے خلاف ہندو اور مسلم ایک صف میں میدان زار میں تھے۔ انگریز نے چال چلی۔ کانگریس کے ہندو لیڈر، سوامی شردھانند کو جیل سے نکال کر وائسرائے سے ملاقات کرائی۔ چند دنوں بعد رہا کر دیا تو اس نے شدھی کی تحریک چلا کر ہندو مسلم فسادات کرانے کا سامان کر دیا۔ ادھر دوسرے ہندو کانگریسی لیڈر ڈاکٹر مونجے کو سنگھٹن کی تحریک کا علمبردار بنا کر رہی سہی کسر نکال دی۔

سر فضل حسین (مدفون بٹالہ) وزیر تعلیم پنجاب آل انڈیا مسلم ایجوکیشن کانفرنس کے اجلاس علی گڑھ کے خطبہ صدارت میں مسلمانوں کو اچھوتوں کے مقابلہ کے لئے اپیل کرتا ہے۔ غرض ہندو و مسلم انگریز کے مہرے ہندو مسلم فساد کرانے میں کامیاب ہوئے۔ نتیجہ میں تحریک آزادی پچیس سال پیچھے چلی گئی۔ تحریک ترک موالات کو گاندھی جی نے معطل کر دیا۔ جمعیت علماء

ہند کی تاریخ میں یہ ایسا پُر آشوب دور تھا کہ تحریک آزادی ہند کے لئے تمام قوموں کو متحد کرنا۔ مسلمانوں کو ارتداد سے بچانے کے لئے ہندوؤں کے مدمقابل کھڑے ہونا، جگہ جگہ ہندو مسلم خونریزی کی فضا میں جواں مردی، عالی ہمتی سے استاذ و شاگرد حریفوں سے ایک ساتھ نبرد آزما نظر آتے ہیں۔

ایک بار بریلی میں مولانا آزاد کا خطاب تھا۔ اپنے اغیار کا کردار ادا کرنے لگے۔ سو دو سو افراد پر مشتمل چاقو چھریوں سمیت جتھہ آ گیا۔ مولانا احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کھڑے ہوئے۔ اپنی شعلہ بیانی سے تین گھنٹے ان بلوائیوں کے دلوں پر حکمرانی کرتے رہے۔ یہ منظر دیکھا تو مولانا آزاد نے فرمایا: ''مولانا اگر آپ ہمیشہ ایسی تقریر کرتے ہیں تو دنیائے اسلام میں آپ کا جواب نہیں۔'' یہ برصغیر کے نامور خطیب ہی نہیں، ابوالکلام کا اظہار حقیقت ہے۔ جس سے میرے ممدوح مولانا احمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقام فن خطابت پہچانا جاسکتا ہے۔

۱۹۴۷ء کے بٹوارے میں مولانا احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ سربکف ان خدمات کو کوئی دیانتدار کیسے نظرانداز کرے گا۔ لیکن ہمارے ہاں تو رواج یہ ہے کہ ''منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے۔'' حضرت مفتی صاحب نے تفسیر کشف الرحمٰن لکھ کر جو انمول خدمت سرانجام دی وہ رہتی دنیا تک آپ کی ناقابل فراموش یادگار ہے۔ آپ نے اور کتابیں بھی لکھیں۔ آپ کی چند تقاریر کا مجموعہ بھی کسی زمانہ میں دیکھا تھا۔

خلاف واقعہ بات کا بتنگڑ بنا کر مسلمانوں کو بدگمان کرنا یہ لیگی سرشت یا ضمیر و خمیر کا خاصہ ہے۔ ان دنوں ایک پروپیگنڈہ یہ بھی ہوتا تھا کہ مولانا مفتی کفایت اللہ تو سیدھے سادے ہیں۔ مولانا احمد سعید نے ان کو بہکا رکھا ہے۔ خوب بھئی، اندھے کو اندھیرے میں بہت دور کی سوجھی۔ اس پروپیگنڈہ کی وجہ یہ تھی کہ حضرت مفتی صاحب اپنے مزاج کے باعث کم گو تھے۔ ہر وقت عالمانہ وقار کے ساتھ مطلب کی بات کرتے۔ مولانا احمد سعید خطیب تھے۔ دہلوی تھے۔ اردو کے مدوجزر سے خوب آگاہ تھے۔ آپ مخالفین کو آڑے ہاتھوں لیتے تو انہیں نانی یاد آجاتی۔ اب وہ ایسے بے پرکی نہ اڑائیں تو کیا کریں؟ ان کی مجبوری بھی تو آخر دیکھیں ناں۔

حضرت مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے جلسہ عام میں مولانا احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو جامعہ امینیہ کا مہتمم بنایا۔ مولانا احمد سعید کو سحبان الہند اس لئے کہتے ہیں کہ عرب کے جاہلی دور کا ایک شخص سحبان وائل تھا۔ اتنا اعلیٰ درجہ کا ادیب و فصیح و بلیغ خطیب

کہ گفتگو میں کوئی جملہ مکرر نہ لاتا۔ جب اسی پہلے موضوع پر دوبارہ گفتگو کا موقع ملتا تو وہ نئی تعبیرات، نئے استعارے، نئی تمثیلات لا کر سامعین کو ششدر کر دیتا۔ حاتم طائی کی سخاوت، رستم کی طاقت وجوانمردی کی طرح سحبان وائل کی خطابت، فصاحت وبلاغت بھی نہ صرف عرب بلکہ عالم دنیا میں ضرب المثل ہے۔ ہند کے اہل علم نے مولانا احمد سعید صاحب کے اندر اعلیٰ درجہ کی بلاغت اور کمال درجہ کی خطابت کو پایا تو آپ کو "سحبان الہند" کا خطاب دیا۔ جو واقعی آپ کی شان کے لائق تھا۔

حضرت مولانا احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیرون ہند کے تین سفر کئے۔ دو بار حجاز مقدس اور ایک بار برما تشریف لے گئے۔ درگاہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے دروازہ کے متصل اور ظفر محل کے پیچھے ایک مسلمان کی ذاتی زمین تھی۔ اس کی پیش کش پر دونوں استاذ وشاگرد اور جمعیت علماء ہند کے صدر و ناظم اعلیٰ یکے بعد دیگرے یہاں دفن کئے گئے۔ جہاں ۴ دسمبر ۱۹۵۹ء بعد از مغرب سات بجے آپ نے وصال فرمایا۔

قارئین! دیوبند کے مقبرہ قاسمی میں استاذ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور شاگرد حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک ساتھ اور آج یہاں دہلی ظفر محل کے دروازہ پر حضرت مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سحبان الہند رحمۃ اللہ علیہ استاذ وشاگرد کو ایسے طور پر ایک ساتھ قبروں میں آرام کرتے پایا تو استاذوں وشاگردوں کی محبتوں اور وفاؤں کے عہد کو نبھانے کے تصورات سے دل ودماغ معطر ہو گئے۔ خیالات جھوم جھوم اٹھے۔ ایسے کہ اس کا بیان قلم سے ممکن نہیں۔ اعتبار نہ آئے تو تصور کر کے دیکھ لیجئے۔ ہم تو آگے چلتے ہیں۔

مولانا احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک سے ہو کر کوچ جہاں کھڑی تھی وہاں واپس آئے تو معلوم ہوا کہ سامنے کا مینار "قطب مینار" ہے جو تعمیر کا شاہکار اور مشہور عالم ہے۔ یہ قطب الدین ایبک نے بنایا تھا۔ خود تو وہ انارکلی لاہور میں ہیں۔ مجھے اس مینار پر جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ دوست گئے اور پھر واپس آ کر اس کی تعمیر اور کاریگروں کے فن کے کمال کے ترانے گاتے رہے۔ لیکن مولانا حافظ عبدالقیوم نعمانی اور فقیر تو "زمین جنبد نہ جنبد گل محمد" بنے رہے۔ یہاں سے بس چلی تو نظام الدین دہلی پر آ کر رکی۔ اب سوچئے کہ نظام الاولیاء حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر جا رہے ہیں۔ احترام میں پھونک پھونک کر چلنا شروع کیا۔ اب پہنچ گئے ہیں۔

حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت قطب الدین بختیار

کاکی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ان کے خلیفہ حضرت خواجہ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ گنج شکر تھے۔ حضرت خواجہ فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں ایک حضرت خواجہ علاؤالدین صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ تھے جو خواجہ فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے بھی تھے۔ جن کے سلسلہ میں آگے جا کر حاجی امداداللہ مہاجر کی رحمۃ اللہ علیہ ہوئے۔ حضرت فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ گنج شکر کے دوسرے خلیفہ حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جنہیں نظام الاولیاء، محبوب الٰہی، سلطان المشائخ اور بہت سارے ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ ان کا مزار اقدس دہلی بستی نظام الدین میں ہے۔ یہ بستی نظام الدین کسی زمانہ میں دہلی سے باہر ہوگی۔ اب تو دہلی شہر کا حصہ ہے۔ اسی بستی نظام الدین میں خواجہ نظام الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نظام الاولیاء کے مزار مقدس پر بھی ایصال ثواب کے لئے حاضری ہوئی۔

حضرت خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی ''محمد'' تھا۔ مگر نظام الدین سے مشہور ہوئے۔ سلسلہ نسب یوں ہے۔ محمد بن احمد بن علی بخاری۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء ۶۳۱ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا علی بخاری اور نانا خواجہ عرب بخارا سے پہلے لاہور آئے پھر بدایوں چلے گئے۔ بدایوں میں حضرت خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی احمد کا مدفن ہے۔ بدایوں میں ہی حضرت خواجہ نظام الدین کے بچپن میں والد گرامی احمد کا وصال ہوا۔ حضرت خواجہ نظام الدین کو والدہ نے پالا۔ جب گھر میں فاقہ ہوتا تو والدہ کہتی کہ محمد آج ہم اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں۔ حضرت خواجہ نظام الدین ایسے فاقوں کے عادی ہوئے کہ جب فاقہ میں دیر ہو جاتی تو والدہ سے عرض کرتے کہ ہم کب اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوں گے؟ پھر ایک مدرسہ میں داخل کر دیا۔

تحصیل علم

آپ نے قرآن مجید، عربی، وفارسی کی تعلیم حاصل کی۔ آپ کے استاذ کا نام ابوبکر تھا۔ یہاں سے فراغت کے بعد دہلی آئے۔ سلطان شمس الدین التمش کے استاذ مولانا شمس الملک کا اس زمانہ میں شہرہ تھا۔ خواجہ نظام الدین ان سے اور ان کے تلامذہ سے تکمیل علوم دینیہ سے فارغ ہوئے۔ آپ جب بدایوں میں تھے تب ایک غزل خوان نے ایک مجلس میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل بیان کئے اور پھر حضرت شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ گنج شکر کے فضائل بیان کئے۔ طالب علمی میں بدایوں ہی سے آپ کے دل میں شیخ فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ سے لقاء کا شوق دامن گیر ہوا۔ اب دہلی تعلیم حاصل کرنے کے بعد حضرت خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ، پاک پتن شریف تشریف لائے۔ ان دنوں اس شہر کا نام ''اجودھن'' تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ گنج شکر سے ملے۔ حضرت

خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ گنج شکر نے قرآن مجید کے چھ پارے تجوید کے ساتھ پڑھائے۔ عوارف کے چھ باب کا درس لیا۔ تمہید ابوشکور سلمی اور بعض کتب حضرت رحمۃ اللہ علیہ گنج شکر سے پڑھیں اس وقت آپ کی عمر شریف بیس برس ہوگی۔

اخبار الاخیار ص ۱۲۵ پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے تحریر کیا ہے کہ ملاقات کے پہلے روز حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ گنج شکر سے عرض کی کہ تعلیم ترک کرکے اوراد میں مصروف رہوں یا تعلیم جاری رکھوں؟ تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ گنج شکر نے فرمایا کہ دونوں کو جاری رکھو۔ اس سے اندازہ ہوا کہ وہ حضرات شریعت وطریقت کے جامع تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ گنج شکر نے یہ بھی فرمایا کہ تعلیم دین اور تعلیم تصوف دونوں جاری رکھو۔ پھر دیکھو کہ کون سا رنگ غالب آتا ہے۔ اسی سفر میں ہی حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے خلافت سے سرفراز کیا۔ چلئے ایک بات توجہ سے ملاحظہ ہو۔

۱...... حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا جب وصال ہوا تو آپ کے بعد بننے والے جانشین حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ موقع پر موجود نہ تھے۔ بعد میں دہلی سے اجمیر گئے۔

۲...... حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا جب وصال ہوا تو آپ کے بعد بننے والے جانشین حضرت فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ گنج شکر موقع پر موجود نہ تھے۔ بعد میں ہانسی سے دہلی گئے اور عنایت کردہ اشیاء عصا، مصلی، نعلین، خرقہ وغیرہ حاصل کیا۔

۳...... اسی طرح حضرت فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ گنج شکر کے وصال کے وقت حضرت خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ بھی دہلی تھے۔ موقع پر پاکپتن موجود نہ تھے۔ یہ تینوں عجیب اتفاقات ہیں۔

حضرت خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ تین مرتبہ پاکپتن شریف حاضر ہوئے۔ حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد آپ دہلی شہر چھوڑ کر بستی غیاث آ گئے۔ یہاں آ کر خانقاہ قائم کی۔ بعد میں اس بستی کا نام بستی نظام الدین ہوا۔ اب دہلی اتنا پھیل گیا ہے کہ یہ دہلی کا حصہ ہے۔ اسی بستی نظام الدین میں حضرت شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نظام الاولیاء کے متصل مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ڈیرہ ڈالا تو اسے دنیا کی "تبلیغ کا مرکز" بنا دیا۔

جب بادشاہ معز الدین کیقباد نے نیا شہر آباد کرنا چاہا تو اس خانقاہ شریف پر رش ہوا۔ آپ اس جگہ کو چھوڑ کر کہیں جانا چاہتے تھے تو کسی نے عرض کیا کہ: "شہرت نہ چاہئے۔ اگر اللہ تعالیٰ

شہرت دے دیں تو بھاگ جانا چاہئے ایسے خلق خدا کی خدمت کریں اور ان میں رہیں اس شان سے کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے شرم ساری نہ ہو۔" آپ اس مشورہ کو اشارۂ غیب سمجھ کر نکل گئے اور ایسے نکلے کہ آخرت میں بھی یہاں سے اٹھیں گے۔ آپ اکثر روزہ رکھتے تھے اور افطار بھی پانی سے کرتے تھے۔ خود آپ کے دستر خواں پر ہزاروں کا رش ہوتا۔ فقراء و مساکین کو یہاں کھانا ملتا تھا۔ آپ پر فتوحات کے دروازے کھلے تو آپ نے بھی خلق خدا پر ایسے فیاضی سے خرچ کیا کہ سربراہان مملکت حیران رہ گئے۔

حضرت نظام الاولیاء ؒ کی عبادت وریاضت

آپ کا کثرت مجاہدہ اور کثرت سے روزہ رکھنا یہ سب حضرت شیخ فرید ؒ کی ہدایات پر تھا۔ حضرت شیخ فرید ؒ نے آپ سے یہ بھی فرمایا کہ نظام! اللہ تعالیٰ سے جو مانگو گے تمہیں ملے گا۔ حضرت شیخ کی وصیت و بشارت سے ایسے ظہور میں آیا کہ حضرت نظام الاولیاء محبوب الٰہی بہت مستجاب الدعوات ہو گئے۔

آپ میں خدمت خلق کا ظہور بہت نمایاں تھا۔ آپ کے دروازہ پر جو جس وقت آتا ملاقات ہو جاتی۔ ایک بار آپ کی نیند کے دوران ایک سائل آیا تو خادم نے واپس کر دیا۔ بیدار ہونے پر معلوم ہوا تو خادم کو تنبیہ کی کہ کسی کا دل نہ توڑا کرو۔ مسلمان کا دل حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے ظہور کا مقام ہے۔ قیمت کے بازار میں اس سے زیادہ کوئی سامان اتنا مقبول نہ ہوگا۔ جتنا دلوں کو آرام پہنچانا مقبول ہے۔

سلطان علاؤالدین خلجی نے ایک بار قاصد کے ذریعہ مملکت کے متعلق مشورہ چاہا۔ آپ نے فرمادیا کہ مجھے اس سے دلچسپی نہیں۔ بادشاہ کے دل میں آپ کے ترک دنیا کا رعب بیٹھ گیا۔ پیغام بھیجا کہ ملنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: "میرے پاس کبھی نہ آنا۔ میرے مکان کے دو دروازے ہیں۔ جس دروازہ سے تم آؤ گے میں دوسرے دروازہ سے چلا جاؤں گا۔ میں شہر کے ایک کونہ میں پڑا آپ سمیت تمام مسلمانوں کے لئے دعا گو ہوں۔ غائبانہ دعا کو کافی سمجھو آنے کی ضرورت نہیں۔"

وفات سے چالیس دن پہلے کھانا ترک کر دیا۔ صرف افطاری کے وقت چند لقمے یا گھونٹ لیتے تھے۔ تمام اثاثہ غرباء میں تقسیم کرا دیا۔ حتیٰ کہ غلہ کا ایک دانہ بھی نہ رہنے دیا۔ خانقاہ کے حضرات سے فرمایا کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ وہ بہت اچھی کفالت فرمانے والے

ہیں۔ تمہیں اتنا ضرور ملے گا کہ جس سے خانقاہ شریف کی رونق برقرار رہے۔ ایک بار علاؤالدین خلجی نے پانچ سو اشرفیاں بھیجیں۔ اس وقت ایک قلندر بیٹھا تھا اس نے عرض کیا کہ نصف میری۔ آپ نے تھیلی پکڑا دی کہ نصف نہیں پوری تمہاری۔ لے جاؤ سب کی سب۔

علاؤالدین خلجی کی وفات کے بعد اس کا ولی عہد خضر خان تخت سے محروم کر دیا گیا۔ دوسرے بیٹے قطب الدین نے قبضہ کر لیا اور بڑے بھائی خضر خان کو پہلے اندھا کیا۔ پھر خضر خان اور شادی خان دونوں اپنے سگے بھائیوں کو قطب الدین نے قتل کرا دیا۔

پھر قطب الدین خلجی کے دماغ میں یہ سودا سمایا کہ دہلی کے سب علماء و مشائخ میری مجلس میں حاضر کیوں نہیں ہوتے۔ ان کی دعوت کی۔ مگر حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے نہ جانا تھا، نہ گئے۔ قطب الدین خلجی کو عداوت ہو گئی۔ اس نے تاریخ بتائی کہ فلاں تاریخ کو حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ میرے سلام کو آئیں۔ ورنہ ٹھیک نہ ہوگا۔ خدام کو پریشانی ہوئی۔ آپ سے بہ منت کہا کہ آپ چلے چلیں۔ فرمایا کہ میں ایک دنیاوی بادشاہ کی خاطر اپنے بزرگوں کے دستور کو نہیں بدلتا۔ سخت بے چینی ہوئی۔ پوری خانقاہ کے متوسلین پریشان مگر حضرت خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ رات کو فارسی کا شعر پڑھ رہے تھے۔ جس کا مفہوم یہ کہ "اے لومڑی تو اپنی جگہ کیوں نہ بیٹھی رہی۔ شیر سے پنجہ کیا اور سزا پائی۔"

صبح کسی نے عرض کیا کہ آج بادشاہ دہلی واپس آ رہا ہے۔ آپ کی طلبی بھی ہے۔ آپ نے وہی شعر پڑھا۔ اتنے میں شور اٹھا کہ سلطان مارا گیا۔ اس کے غلام خسرو نے بہانہ سے مروا دیا۔ اسی خسرو کو پھر ملتان کے حکمران نے بھی مروا دیا۔ اب خسرو کے بعد غیاث الدین تغلق حکمران بنا اس نے تمام مشائخ کو اکٹھا کر کے حضرت نظام الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے مناظرہ کے لئے لایا۔ آپ نے سب کو ساکت کر دیا۔ اب غیاث الدین بنگالہ چلا گیا۔ واپسی پر ابھی راستہ میں تھا کہ حضرت نظام الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو فرمایا کہ میرے آنے سے پہلے آپ دہلی سے چلے جائیں۔ قاصد نے حضرت نظام الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے آ کر پیغام عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ بادشاہ کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ دہلی سے باہر ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ: "ہنوز دلی دور است۔" سلطان غیاث کے بیٹے الغ خان نے شہر سے باہر لکڑی کے مکان میں باپ کی دعوت کی۔ رش بڑھا مکان گرا، بادشاہ غیاث دب کر وہیں مر گیا اور "ہنوز دلی دور است" کی ضرب المثل نے شہرت عام حاصل کی۔

۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ آپ کا وصال ہوا۔ شاہ رکن الدین المعروف شاہ رکن عالم

ملتانی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کے پانچ سو خلفاء نے تبلیغ اسلام کے لئے ہند، عرب، چین، گجرات و دکن میں جاکر کام کیا۔ ہمایوں نے آپ کی خانقاہ کے قریب مقبرہ بنوایا۔ شاہجہان کی عالمہ فاضلہ عابدہ صاحبزادی جہاں آراء بیگم آپ کے قدموں میں دفن ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے قریب اسی خانقاہ کے احاطہ میں حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ مدفون ہیں۔ ان کے مزار مبارک پر بھی حاضری ہوئی۔

ابوالحسن امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات

شمس الدین التمش رحمۃ اللہ علیہ کا عہد حکومت ۶۰۷ھ تا ۶۳۳ھ ہے۔ اس زمانہ میں بلخ کے امراء سے ایک خاندان امیر سیف الدین محمود دریائے گنگا کے کنارے ضلع ایٹہ موضع پٹیالی (مومن آباد) میں آکر آباد ہوا۔ پھر یہ خاندان دہلی آیا۔ بادشاہ نے امیر سیف الدین محمود کو اپنے مشیروں میں شامل کیا۔ دہلی کے نواب عماد الملک نے اپنی دختر سے ان کا عقد کردیا۔ جس سے ۶۵۳ھ مطابق ۱۲۵۵ء میں ابوالحسن پیدا ہوئے۔ جو آگے چل کر "امیر خسروؒ" کہلائے۔ اصل نام پر شاعرانہ تخلص چھا گیا۔ کہتے ہیں کہ جناب امیر سیف الدین محمود اپنے بیٹے ابوالحسن یعنی خسرو کو پیدائش کے بعد کپڑے میں لپیٹ کر ایک مجذوب کے پاس لے گئے۔ مجذوب نے نوزائیدہ پر نظر ڈال کر کہا کہ یہ تصوف کے آفتاب اور ہر فن میں کمال حاصل کرے گا اور شہرت پائے گا۔ امیر خسرو نے آٹھ سال کی عمر تک اپنے والد اور بھائیوں سے گھر پر تعلیم حاصل کی۔ آٹھ سال کے تھے تو والد گرامی کا سایہ سر سے اٹھ گیا کہ وہ ایک جنگ میں شہید ہوگئے۔ نانا نواب عماد الملک نے آپ کو اپنی تربیت میں لے لیا۔ فقہ وحدیث اور دیگر علوم کی تعلیم دلوائی۔ نوعمری میں اچھے خاصے فاضل اور علامہ بن گئے۔ اب شعر کہنے لگے۔ کہتے ہیں کہ پہلا فارسی میں شعر بعمر آٹھ سال والد کی وفات پر کہا تھا۔ امیر خسرو اپنے بڑے بھائی اعز الدین علی شاہ اور شمس الدین خوارزمی کو اپنا کلام دکھلاتے تھے۔ مؤخر الذکر بادشاہ ناصر الدین محمود کے دربار میں فاضل یگانہ شمار ہوتے تھے۔ امیر خسرو نے اپنی مثنوی "ہشت بہشت" اور دیوان عزت الکمال میں اپنے اساتذہ کی خوب تعریف کی ہے۔

حضرت نظام الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا امیر خسرو سے تعلق خاطر

یہ زمانہ حضرت خواجہ نظام الاولیاء نظام الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ امیر خسرو آپ سے بیعت ہوئے اور حضرت نظام الاولیاء کی نظر کرم کے اسیر بن گئے۔ امیر خسرو کا خاندان بلخ ترکستان

وغیرہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس لئے حضرت خواجہ نظام الاولیاء، حضرت امیر خسرو کو "ترک" سے خطاب فرمایا کرتے۔ مثلاً ایک دن فرمایا کہ لوگوں کے بے ہنگم رش سے گھبرا جاتا ہوں۔ حتیٰ کہ اپنے آپ سے بھی گھبرا جاتا ہوں۔ مگر "ترک" تم سے نہیں گھبراتا۔

حضرت نظام الاولیاء، حضرت امیر خسرو کی نگرانی بھی فرماتے۔ ایک بار پوچھا کہ "ترک! عبادت میں لذت بھی آتی ہے یا نہ؟" تو امیر خسرو نے عرض کیا کہ صبح کی تنہائی میں گریہ کی کیفیت طاری ہو رہی ہے۔ فرمایا اللہ کا شکر کرو۔ ایک بار امیر خسرو نے قصیدہ لکھ کر حضرت نظام الاولیاء کو سنایا۔ آپ بہت خوش ہوئے۔ امیر خسرو نے عرض کی کہ حضرت دعا فرمادیں کہ کلام شیریں ہو جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ میری چارپائی کے نیچے سے شکر لے کر کھالو۔ انہوں نے ایسے کیا تو کلام میں نمایاں تبدیلی شروع ہو گئی۔

ایک دفعہ حضرت خواجہ نظام الاولیاء نے فرمایا کہ ترک میں نے خواب دیکھا کہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ تصوف پر بیان شروع تو ترک تم آ گئے۔ اتنے میں اذان ہو گئی اور میں بیدار ہو گیا۔ امیر خسرو کا بادشاہ علاؤالدین خلجی کے دربار میں آنا جانا تھا۔ علاؤالدین خلجی شرف الدین بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ پانی پتی کو ہدیہ پیش کرنا چاہتے تھے۔ قلندر مست الست درویش تھے۔ بادشاہ کی ہمت نہ پڑتی تھی تو انہوں نے امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کو واسطہ بنایا۔ یہ حضرت بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں گئے تو اپنی غزل سنائی۔ قلندر خوش ہوئے۔ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے بادشاہ کا ہدیہ پیش کیا۔ قلندر نے یہ کہہ کر قبول کر لیا کہ: "امیر خسرو! تمہارا خواجہ نظام الاولیاء سے تعلق ہے۔ اس تعلق سے یہ ہدیہ قبول کرتا ہوں۔ ورنہ کوئی اور لے کر آتا تو کبھی قبول نہ کرتا۔"

ایک سیلانی فقیر حضرت نظام الاولیاء کے پاس آ کر رہا۔ تین دن تک کہیں سے حضرت نظام الاولیاء کے پاس کوئی ہدیہ نہ آیا۔ یہ سیلانی فقیر جانے لگے تو حضرت نظام الاولیاء نے فرمایا کہ میرے جوتے لے جاؤ۔ اس نے نہایت بشاشت سے یہ ہدیہ قبول کر لیا۔ انہیں دنوں امیر خسرو ملتان کے حکمران محمد سلطان خان کی ملاقات کے بعد دہلی جا رہے تھے تو راستہ میں سیلانی فقیر سے ملاقات ہوئی۔ معلوم ہوا کہ حضرت نظام الاولیاء نے اسے نعلین دیئے۔ محمد سلطان حکمران ملتان کی طرف سے امیر خسرو کو پانچ لاکھ ٹکے ملے تھے۔ وہ تمام دے کر سیلانی فقیر سے وہ نعلین لے لئے اور سر پر رکھ کر حضرت نظام الاولیاء کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو حضرت نظام الاولیاء نے فرمایا

"ترک، ارزاں خریدی" کہ یہ سستے میں خرید لئے۔ حسن، عشق، شاعری اور موسیقی یہ آگ ہیں۔ جس میں جان وایمان بھی جل جاتے ہیں۔ اگر ان پر تصوف کا رنگ چڑھ جائے تو پھر سونا بھی بن سکتا ہے۔ غالب مرحوم نے کیا خوب کہا۔

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی ۔۔۔۔ اب آبروئے شیوہ اہل نظر گئی

امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مصاحب امیر حسن تھے۔ غیاث الدین بلبن جو دہلی کے سلطان تھے۔ بلبن کے صاحبزادے ملتان کے حکمران محمد سلطان خاں تھے۔ امیر خسرو اب حضرت نظام الاولیاء کے فیض صحبت سے باکمال شاعر اور فاضل اجل شمار ہوتے تھے۔ چنانچہ امیر خسرو نے ملتان کے حکمران کی ملازمت اختیار کر لی۔ امیر حسن بھی ساتھ تھے۔ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا عہد ایک ہے۔ ایران و دہلی کی طرح اس زمانہ میں ملتان بھی عقل و دانش، علم و فضل کا گہوارہ تھا۔ ملتان کا حکمران محمد سلطان خاں، سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کا متمنی اور عقیدت مند تھا۔ حضرت سعدی اب ضعیف ہو چکے تھے۔ ملتان کے حکمران نے امیر خسرو کا کلام حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ کو بھجوایا تو آپ نے بہت ستائش کی۔ اس سے سلطان احمد خاں حاکم ملتان کے دل میں امیر خسرو کا مقام اور بڑھ گیا۔

شاہزادہ حاکم ملتان محمد سلطان خان کے ہاں امیر خسرو اور امیر حسن کو ابھی ملازمت اختیار کیئے پانچ سال گزرے ہوں گے کہ ۶۸۳ھ میں تیمور چنگیز خوانی نے راوی عبور کر کے لاہور میں سپاہ گری کی۔ شہزادہ محمد سلطان ملتان سے لاہور کے لئے عازم ہوئے۔ پانچ سو سپاہی ہمراہ تھے۔ باقی فوج پیچھے تھی۔ ظہر کی نماز کے لئے رکے تو تیمور چنگیز خوانی کی دو ہزار فوج نے جو کمین گاہ میں خفیہ موجود تھی حملہ کر دیا۔ اچانک صورتحال سے محمد سلطان خان لڑائی کے دوران مارا گیا۔ امیر خسرو سمیت بہت سے فوجی وہمراہی گرفتار کر کے تیمور چنگیزی ان کو پیدل بلخ لے گئے۔ دو سال بعد رہا ہوئے۔ بلخ سے دہلی آئے تو سلطان غیاث الدین بلبن کو اس کے بیٹے حکمران ملتان محمد سلطان خان کی شہادت، فوج کی اسیری کا مرثیہ سنایا تو بلبن اتنا رویا کہ بخار ہو گیا اور مرثیہ سننے کے تیسرے دن بعد اس صدمہ اور بخار سے فوت ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ مدتوں یہ مرثیہ دہلی کے گلی کوچہ میں لوگ دہراتے تھے تو دہلی کے در و دیوار پر گریہ کی کیفیت نظر آتی تھی۔

سلطان علاؤالدین خلجی حضرت خواجہ نظام الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے ملنا چاہتے تھے۔ مگر اجازت نہ ملتی تھی۔ سلطان خلجی نے امیر خسرو سے کہا کہ حضرت خواجہ کو بتائے بغیر کل مجھے لے چلو۔

جب سامنے ہو گئے تو ملاقات ہو ہی جائے گی۔ لیکن راز رکھنا پہلے میری حاضری کا نہ بتانا۔ ورنہ حضرت نظام الاولیاء ملیں گے نہیں۔ امیر خسرو نے حامی بھر لی۔ لیکن رات حضرت خواجہ نظام الاولیاء کو عرض کر دیا کہ کل سلطان علاؤ الدین خلجی ملنے آنا چاہتے ہیں۔ حضرت نظام الاولیاء یہ سنتے ہی اپنے شیخ حضرت فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ گنج شکر کے ہاں پاک پتن چلے گئے۔ سلطان کو پتہ چلا کہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ دہلی سے باہر چلے گئے تو امیر خسرو کو بلایا کہ آپ نے میرا راز بتا دیا۔ اس لئے حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ چلے گئے تو امیر خسرو نے کیا حکیمانہ جواب دیا کہ: ''حضرت سلطان اگر حضرت خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کو نہ بتاتا تو میرے ایمان کو خطرہ تھا۔ بتا دیتا تو آپ کی ناراضگی سے جان کو خطرہ تھا۔ میں نے جان کا خطرہ مول لے کر ایمان کو بچا لیا ہے۔'' بادشاہ امیر خسرو کی اس صدق مقالی سے بہت مسرور ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے یوں امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کا ایمان و جان دونوں بچا دیئے۔

امیر خسرو بنگال کی طرف گئے ہوئے تھے۔ اس دوران دہلی میں حضرت نظام الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو گیا۔ امیر خسرو کو پتہ چلا تو روتے پیٹتے دہلی آئے۔ جو کچھ تھا فقراء، غرباء میں تقسیم کر دیا۔ سیاہ ماتمی لباس پہن لیا اور دنیا سے فراق شیخ میں تعلق منقطع کر لیا۔ حتیٰ کہ ۱۰ ارشوال ۷۲۵ھ کو وصال کر گئے۔ گویا حضرت نظام الاولیاء کے وصال کے چھ ماہ بعد امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے قدموں میں پہنچ گئے۔ کہتے ہیں کہ حضرت نظام الاولیاء فرماتے تھے کہ: ''ترک! تمہاری زندگی ہماری زندگی سے وابستہ ہے۔'' امیر خسرو جواب میں فرماتے تھے۔

نکل جائے دم ترے قدموں کے نیچے　　　یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

یہ بھی سنا ہے کہ حضرت نظام الاولیاء فرماتے تھے کہ ''خسرو میرا راز دان ہے۔''

آج مرشد کامل کے پہلو میں حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ بھی یہیں آرام فرما ہیں۔ یہاں پر حاضری دی۔ ایصال ثواب سے فارغ ہوئے۔ ابھی باہر نہ نکلنے پائے تھے کہ فقیر کو وضو کا تقاضا ہوا۔ اس بہانے خانقاہ کے دیگر ماحول کو بھی سرسری دیکھ لیا۔ کہاں کہاں کس کے قدم لگے۔ وہاں ہم بھی دیوانہ وار ہو آئے۔ حضرت نظام الدین نظام الاولیاء محبوب الٰہی و جناب حضرت امیر خسرو زندہ باد۔ ہم مسافر چلے۔

تبلیغی مرکز

اب حضرت خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک سے چلے تو قریب میں تبلیغی جماعت کا مرکز ہے۔ یہاں پر تبلیغی مرکز میں ظہر کی نماز اپنی علیحدہ جماعت کے ساتھ پڑھی۔ خوب

وسیع و عریض مرکز ہے۔ کئی منزلہ عمارت ہوگی۔ جماعتوں کا آنا جانا رہتا ہے۔ ساقی کا میخانہ جاری ہے۔ مہمان بدلتے رہتے ہیں۔ نماز کے بعد کسی دوست نے بتایا کہ یہ آپ کے پہلو میں جو حجرہ ہے اس میں حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ بانی جماعت کے والد گرامی، مولانا محمد اسماعیل کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ امیر ثانی تبلیغی جماعت، حضرت مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا اظہار الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات ہیں۔ کمرہ مقفل تھا اور چابی برادر تبلیغ پر گئے ہوئے تھے۔ لب دریا پہنچ کر مزارات کی زیارت سے پیاسے رہے۔ حجرہ کی کھڑکی کے باہر دعا کی سعادت تو حاصل ہو ہی گئی۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات

حضرت خواجہ نظام الاولیاء کے مرقد مبارک کے قریب چونسٹھ کھمبے کے نام پر ایک عمارت ہے۔ اس عمارت کو چونسٹھ کھمبہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے چونسٹھ پلر ہیں جن پر یہ عمارت کھڑی ہے۔ اس لئے اسے چونسٹھ کھمبہ کہتے ہیں۔ اس عمارت کے سرخ پھاٹک پر ایک عمارت میں ایک بزرگ رہتے تھے جن کا نام مولانا محمد اسماعیل صاحب تھا۔ یہ بزرگ مولانا محمد الیاس بانی تبلیغی جماعت کے والد گرامی اور حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دادا محترم تھے۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب اصلاً جھنجھانہ کے تھے۔ پہلی بیوی سے مولانا محمد ہوئے۔ ان کے وصال کے بعد کاندھلہ میں حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان میں عقد ثانی ہوا۔ اس دوسرے عقد سے مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ (والد مولانا محمد زکریا کاندھلوی) مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ بانی تبلیغی جماعت پیدا ہوئے۔ مولانا محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ اب کاندھلہ اور پھر دہلی میں قیام پذیر ہوگئے۔

یاد رہے مفتی الٰہی بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ مفتی الٰہی بخش رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی بھتیجے مولانا مظفر حسین کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ان کی نواسی مولانا محمد اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عقد میں آئیں اور ان سے مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ و مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔ بہادر شاہ ظفر کے سمدھی مرزا الٰہی بخش تھے۔ مولانا محمد اسماعیل کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ان کے بچوں کو پڑھاتے تھے۔ سرخ پھاٹک کے اوپر مکان میں رہتے تھے۔ قریب میں چھوٹی سی مسجد تھی۔ جس کے سامنے بہادر شاہ ظفر کے سمدھی مرزا الٰہی بخش کی نشست گاہ تھی اس لئے اس مسجد کو بنگلہ والی مسجد کہتے تھے۔ آپ نے اس مسجد میں پڑھنا پڑھانا

شروع کیا۔ مولانا محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔ آپ ہمہ وقت ذکر و عبادت میں منہمک رہتے تھے۔ خدمت خلق آپ کا خاص امتیازی وصف تھا۔ دوپہر کو غریب تھکے ماندہ مسافروں کو ڈول سے تازہ پانی نکال کر پلاتے تھے۔ مزدور مسافر کا بوجھ اتار کر نیچے رکھتے پھر تازہ پانی کنوئیں سے ڈول کے ذریعہ نکال کر اس کو پلاتے اور پھر دو رکعت نفل شکرانہ ادا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ تو نے مجھے اپنی مخلوق کی خدمت کی توفیق رفیق کی۔ میں اس قابل نہ تھا۔ حضرت نظام الاولیاء کے مزار مبارک پر اجتماع ہوتا یا ویسے کوئی ہجوم ہوتا تو پانی اور لوٹوں کا بہت اہتمام کرتے۔ مخلوق خدا کی خدمت ان کا خاص ذوق تھا۔ اسی ذکر و عبادت اور خدمت خلق سے آپ کو مرتبہ احسان حاصل تھا۔ مولانا محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ مجھے طریق تصوف میں جوڑا جائے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص قرآن مجید پڑھا ہوا ہو اسے نورانی قاعدہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ آپ مرتبہ احسان پر پہلے سے فائز ہیں اور یہی تصوف کا مقصد ہے۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ تلاوت قرآن مجید کے بھی دلدادہ تھے۔

ایک بار مسجد سے نکلے کہ کوئی مسلمان مل جائے۔ اسے ساتھ ملا کر مسجد میں جماعت سے نماز پڑھ لیں۔ چند آدمی ملے۔ پوچھا کہاں جاتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ مزدوری کے لئے۔ فرمایا مزدوری تمہیں یہاں مل جائے تو پھر؟ وہ ٹک گئے۔ آپ نے ان کو کلمہ شریف، نماز یاد کرائی۔ مسائل بتائے اور نمازی بنایا۔ وہ پکے نمازی ہو گئے تو مزدوری بھی کرتے اور نماز میں ناغہ بھی نہ ہوتا۔ یومیہ مزدوری دینا اور ان کو پڑھنے اور سیکھنے میں مصروف رکھنا مولانا کا کمال تھا۔ یہ بنگلہ مسجد جو اب تبلیغی جماعت کا عالمی مرکز ہے اس کی یہاں سے ابتداء ہوئی۔ پھر یہی نمازی مزدور یا ان کی اولاد سے دس بارہ طالب علم میوات کے اس مسجد میں پڑھنے سیکھنے کے لئے رہنے لگے۔ یوں اہل میوات سے بانی تبلیغ مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی مولانا محمد اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رابطہ ہوا۔ ۷ر شوال ۱۳۱۵ھ مطابق ۲۶ر فروری ۱۸۹۸ء کو مولانا محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے وفات پائی۔ آپ کے منجھلے صاحبزادہ مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے نماز پڑھائی۔ ہجوم اتنا تھا کہ بار بار لوگوں نے نماز جنازہ پڑھی۔ ایک صاحب کشف بزرگ پر منکشف ہوا کہ مولانا محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میری جلدی تدفین کرو۔ میں دیر کی وجہ سے شرمسار ہو رہا ہوں کہ رحمت عالم ﷺ اور صحابہ کرامؓ میرا انتظار کر رہے ہیں۔ دیر نہ کرو۔'' وہ یہاں حجرہ میں مدفون ہیں جو تبلیغی مرکز کی عمارت میں آ گیا ہے۔ یہاں بھی ایصال ثواب دعا کی سعادت نصیب ہوئی۔

مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ بانی تبلیغی جماعت

مولانا محمد اسماعیل صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے چھوٹے بیٹے مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ تھے جو ۱۳۰۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ننھیال کاندھلہ اور والد گرامی کے ہاں نظام الدین میں تعلیم حاصل کی۔ پھر والد صاحب کی اجازت سے اپنے بڑے بھائی مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ گنگوہ چلے گئے۔ مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ جب گنگوہ آئے تو دس بارہ سال کے تھے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال تک دس سال آپ یہاں رہے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے وقت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ بیس سال کے تھے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ چھوٹے بچوں اور طالب علموں کو بیعت نہ کرتے تھے۔ لیکن مولانا محمد یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کے کہنے پر مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کو طلب علمی کے زمانہ میں مرید کر لیا۔ اس سے مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ایسا قلبی تعلق ہوا کہ بسا اوقات بیٹھے یا لیٹے اٹھ کر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حجرہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر صرف زیارت کر کے واپس آ جاتے تھے۔ ایک دفعہ مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بڑے بھائی مولانا یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ میں مطالعہ حضرت کے کمرہ میں بیٹھ کر کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اجازت لے کر دیں۔ مولانا یحییٰ نے حضرت گنگوہی سے مولانا الیاس کی اس خواہش کا اظہار کیا تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھنے سے میری خلوت میں فرق نہ آئے گا۔ وہ یہاں حجرہ میں مطالعہ کر لیا کرے۔ ایک بار حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ ذکر کے دوران تخت بوجھ پڑتا ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ سنتے ہی "حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تھرا گئے" اور فرمایا کہ یہی بات مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمائی تھی تو حضرت حاجی صاحب نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ تم سے کام لے گا۔ فقیر راقم عرض گزار ہے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ شیخ اور مسترشد دونوں کی بات سو فیصد پوری نکلی کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم دیوبند کے قیام کا کام لیا اور حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ سے اللہ تعالیٰ نے تبلیغی جماعت کے قائم کرنے کا کام لیا۔ آج دونوں اداروں کا...... ایک ادارہ تعلیم کا دوسرا تعلم کا...... پوری دنیا میں ان کا فیض جاری ہے۔ فالحمد للہ!

ان دونوں اداروں کی زیارت کا فقیر نے شرف حاصل کیا۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ زندگی میں دو غم پیش آئے۔ جو تمام غموں سے بڑھ کر

ہوئے۔ایک والد مرحوم کی وفات، دوسرے مولانا گنگوہی ؒ کی وفات۔ بعد میں فرماتے تھے کہ حضرت! ساری زندگی کا رونا حضرت گنگوہی ؒ کی وفات پر رو لئے تھے۔ ۱۳۲۶ھ میں آپ نے حضرت شیخ الہند ؒ کے ہاں دارالعلوم دیوبند میں بخاری شریف و ترمذی شریف پڑھی۔ پھر کئی سال بعد اپنے برادر اکبر مولانا محمد یحییٰ صاحب ؒ سے چار ماہ میں دوبارہ دورہ حدیث شریف کی کتب پڑھیں۔ حضرت شیخ الہند ؒ اپنے شاگرد مولانا محمد الیاس ؒ میں تعلیمی انہماک، دینی اقدار کے احیاء اور سنت کی ترویج کی جو لگن تھی اسے دیکھتے تو فرماتے تھے کہ یہ محمد الیاس ؒ حضرات صحابہ کرامؓ کے دینی جذبہ کے علمبردار ہیں۔ حضرت مولانا محمد الیاس ؒ نے مظاہر علوم میں اپنے گرامی قدر برادر مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی کے علاوہ مولانا خلیل احمد سہارنپوری ؒ سے بھی کسب فیض کیا۔

حضرت گنگوہی ؒ کے وصال کے بعد حضرت شیخ الہند ؒ سے بیعت جہاد بھی کی اور سلوک کا تعلق قائم کرنے کی درخواست کی۔ حضرت شیخ الہند ؒ کے مشورہ پر سلوک کا تعلق حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری ؒ سے قائم کیا۔ ۱۷ اکتوبر ۱۹۱۲ء کو مولانا محمد الیاس کاندھلوی ؒ کا نکاح حقیقی ماموں جناب مولانا رؤف الحسن کی صاحبزادی سے ہوا۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری ؒ، مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری ؒ اور حضرت حکیم الامت شیخ تھانوی ؒ مجلس نکاح میں موجود تھے۔ ستمبر ۱۹۱۵ء میں پہلے حج کے لئے حجاز مقدس تشریف لے گئے۔

مولانا الیاس ؒ میوات میں بطور مدرس

مولانا محمد الیاس کاندھلوی کے والد گرامی مولانا محمد اسماعیل ؒ کے وصال کے بعد آپ کے جانشین بڑے صاحبزادے مولانا محمد ؒ بنے جو حضرت گنگوہی ؒ کے شاگرد تھے۔ جو والد گرامی کی مسجد اور مدرسہ کے منتظم تھے۔ میوات کے بچوں کو آپ نے پڑھانا شروع کیا۔ یہ عرصہ تک یہاں خدمات سرانجام دیتے رہے۔ ان کا وصال ۸ فروری ۱۹۱۸ء کو ہوا تو اب مولانا محمد اسماعیل صاحب کے چھوٹے صاحبزادے راقم کے ممدوح مولانا محمد الیاس صاحب ؒ کا نظام الدین میں رہنا طے پایا۔ اپنے والد مولانا محمد اسماعیل ؒ، اپنے برادر مولانا محمد ؒ صاحب کے جانشین کے طور پر نظام الدین میں قیام کرنا شروع فرمایا۔

اس زمانہ میں بنگلہ کی مختصر مسجد چند مکانات، قریب میں حضرت خواجہ نظام الاولیاء کی خانقاہ اس کی بھی اس زمانہ میں مختصر آبادی اور یہ بستی نظام الدین دہلی سے کئی میل دور تھی۔ قرب

وجوار میں جنگل۔ مولانا محمد الیاس ؒ یہاں تشریف لائے تو طلبہ کی تعداد ستر، اسی سے بھی اوپر چلی گئی۔ یہ دور آپ کے مجاہدہ کا دور ہے۔ فاقوں پر گزارہ ہوا۔ بسا اوقات خودرو پودوں کے پتوں سے پیٹ بھر لیا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں آپ پر خلوت نشینی کا بھی غلبہ ہوا۔ اسباق سے فارغ ہوتے تو ہمایوں کے مقبرہ کی دوسرے سائیڈ پر ایک ویران مسجد میں چلے جاتے۔ کبھی مرزا مظہر جان جاناں ؒ کے شیخ ومرشد جناب سید نور محمد بدایونی ؒ کے مقبرہ پر چلے جاتے تھے۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب ؒ نے میوات میں تبلیغ کے کام کا آغاز کیا۔ مولانا محمد ؒ آپ کے صاحبزادہ نے اس شمع کو روشن رکھا۔ اب مولانا محمد الیاس کاندھلوی ؒ اس مسند پر نظام الدین تشریف لائے تو اس کام کو وسعت دی۔ میوات کے آپ نے کئی دورے کیے۔ بیان کرتے۔ لوگوں سے ملاقاتیں ہوتیں۔ قرآنی مکاتب قائم کرتے۔ مساجد بنواتے۔ پہلے سے بنی مساجد کو آباد کرنے کا شوق دلاتے۔ مختصر وقت میں ایک سو سے زائد مکاتب قرآنی کھل گئے۔ ان مدارس ومکاتب کے اخراجات، اساتذہ کی تنخواہیں سب کا حضرت مولانا محمد الیاس ؒ خیال رکھتے۔ نظم بناتے اور یہ سب کچھ آپ کے ذریعہ سے پورا ہوتا تھا۔

اب ان مکاتب سے وابستہ افراد، بچوں کے والدین، ان کے خاندانوں کے سرکردہ حضرات سے رابطہ رکھا۔ انہیں دینی تعلیم کے حصول کے لئے مزید متوجہ کیا اور پھر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری ؒ کا ربیع الاول ۱۳۴۴ھ میں میوات کا تبلیغی سفر کرایا۔ ان تمام حضرات جن پر آپ محنت کر چکے تھے ان سب کو حضرت سہارنپوری ؒ سے بیعت کرا دیا۔

دوسرا بڑا کام آپ نے یہ کیا کہ میواتی قوم کی باہمی رنجشوں کو ختم کرانے کے لئے ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ مطابق ۲ اگست ۱۹۳۴ء کو قصبہ نوح ضلع گڑگاؤں میں پنچایت بلائی۔ اس میں باہمی رنجشوں کے علاوہ رسوم شرکیہ سے اجتناب بلکہ نماز کا اہتمام عقائد کے تحفظ کا وعدہ ہوا اور ان تمام امور پر مشتمل تحریر مرتب ہوکر ایک سو سربرآوردہ چوہدری صاحبان کے دستخط ہوئے۔

آپ نے دوسرا حج ۱۹۲۶ء میں کیا۔ حج کے بعد مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو مزید قیام کے لئے طبیعت میں بے چینی پیدا ہوئی۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری ؒ نے آپ کے ہمراہیوں سے فرمایا کہ یا تو تم بھی اپنا قیام مدینہ بڑھا لو یا مولانا محمد الیاس ؒ کو یہاں چھوڑ کر ان کے بغیر واپس چلے جاؤ۔ چنانچہ تمام ہمراہی قیام کے بڑھانے پر متفق ہوگئے۔ حضرت مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری دامت برکاتہم نے اپنی تصنیف ”حضرت مولانا محمد انعام الحسن

کاندھلوی ؒ" کی پہلی جلد کے پہلے باب میں لکھا ہے کہ اس سفر میں مولانا محمد الیاس صاحب ؒ کو آنحضرت ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی اور بتلایا گیا کہ ہم تم سے کام لیں گے۔" اس بشارت پر قلب میں مزید بے چینی بڑھ گئی کہ ضعیف و ناتواں سے کیا کام لیا جائے گا؟ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی ؒ کے برادر اکبر مولانا سید احمد صاحب ؒ سے خواب اور اپنی پریشانی کا ذکر کیا۔ انہوں نے تسلی دی کہ خواب میں یہ تو نہیں کہا گیا کہ "تم کام کرو گے" بلکہ یہ کہا گیا کہ "ہم تم سے کام لیں گے" آپ کیوں فکر کرتے رہتے ہیں۔ کام لینے والے خود کام لے لیں گے۔ اس پر مولانا محمد الیاس ؒ کو تسلی ہوگئی۔

پہلا تبلیغی اجتماع

میوات میں مکاتب کا اجراء، مدارس کا قیام، مساجد کا قیام اور آبادی کا جال بچھایا جا چکا۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری ؒ کا دورہ میوات بھی ہوا۔ تو اب مولانا محمد الیاس کاندھلوی ؒ تبلیغ کے کام کے جزم کے درجہ پر فائز ہو چکے تھے۔ چنانچہ "پہلا تبلیغی اجتماع" ۲۹/اپریل ۱۹۳۰ء کو سہارنپور میں طے کیا۔ پانچ، چھ دن مسلسل مشوروں کے بعد تبلیغ کے اصول مبلغین کے اوصاف، امیر جماعت اور گشت وغیرہ طے کئے۔ اس اجتماع میں خصوصیت سے مظاہر علوم سہارنپور کے اساتذہ کو تبلیغ کے کام کے لئے بارش کا پہلا قطرہ بننے کی دعوت دی گئی۔ چنانچہ ۲۸/اپریل ۱۹۳۰ء کو مظاہر العلوم کا سالانہ اجلاس ختم ہوا۔ ۲۹/اپریل کو اکابر مدرسین کو جمع کر کے مولانا محمد الیاس ؒ نے ضرورت تبلیغ پر مبسوط تقریر فرمائی۔ اسی روز افتتاح ہو کر کام کا آغاز ہوگیا۔ چنانچہ سہارنپور کے محلہ نیا بانس میں مغرب کی نماز مولانا محمد الیاس کاندھلوی ؒ، مولانا عبداللطیف ؒ ناظم جامعہ مظاہر العلوم، مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری ؒ، مولانا محمد زکریا کاندھلوی ؒ، مولانا محمد زکریا قدوسی گنگوہی ؒ، مولانا اسعد اللہ ؒ، مولانا عبدالشکور ؒ علاقہ چھچھ اٹک، مولانا محمد منظور سہارنپوری ؒ نے یہاں اسی محلہ نیا بانس میں ادا کی۔ لوگوں کو جمع کیا۔ اتنے بڑے حضرات اکابر علماء کرام کا پہلی تبلیغی جماعت میں نکلنا۔ رب کریم کی رحمت کو متوجہ کرنے کا وسیلہ بنا۔

نماز مغرب کے بعد مبلغین محلوں کے لئے تجویز ہوئے۔ ملا احمد جان، حبیب احمد، حاجی نور، حافظ محمد اسماعیل، حافظ محمد صدیق صاحب نے نام لکھوائے کہ وہ نمازوں کے لئے لوگوں کو اکٹھا کریں گے۔ مغرب و فجر میں بطور خاص بلانے کا اہتمام کریں گے۔ جامع مسجد کبیر

میں اگلے دن، مسجد تیلیاں، محلہ ٹھٹھریاں، محلہ بنجاراں میں تو خود مولانا محمد الیاس ؒ نے پھر پھر کر علماء کے ہمراہ تبلیغ کے پودے کو لگایا۔

پہلے اجتماع میں جو تبلیغ کے پندرہ اصول مقرر ہوئے۔ انہیں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا ؒ نے قلمبند کیا۔ بعد میں ان کو چھ نمبروں میں سمو دیا گیا۔ مولانا محمد الیاس ؒ نے ۱۹۳۳ء میں بھی حج کیا۔ اس سفر سے واپسی پر آپ نے تسلسل کے ساتھ جماعتوں کو مختلف علاقوں میں بھیجنا شروع کیا۔ اب سہارنپور میں کام کے آغاز کے بعد باہر جو جماعتیں بھیجی گئیں۔ پہلی جماعت کاندھلہ میں حافظ مقبول حسین ؒ کے ساتھ گئی۔ دوسری جماعت رائے پور میں حافظ محمد داؤد صاحب ؒ کے ساتھ گئی۔ اس موقع پر ہی اہل میوات کے لئے "پنج کوسہ" پروگرام بنایا۔ ہر وہ شخص جو تبلیغ کے کام سے جڑے وہ کم از کم اپنے علاقہ کے پنچ کوس کے ایریا میں تبلیغ کا کام کرے۔ گشت کریں۔ لوگوں کو تبلیغ کے لئے نکالیں۔ جو نکلیں ان کو کلمے، نماز یاد کرائی جائیں۔ نماز، وضو کے لئے ضروری مسائل سکھلائے جائیں۔ ۱۹۳۸ء میں آپ نے آخری حج کیا۔

غرض سفر و حضر میں حضرت مولانا محمد الیاس ؒ کو تبلیغ کے کام کی فکر رہتی تھی۔ آپ نے چھوٹے بڑے کئی اجتماع اس عرصہ میں کر ڈالے۔ تبلیغ کے لئے جماعتوں کو نکالنا گشت کے وغیرہ کے معمولات صبح و شام محلہ محلہ، مسجد مسجد، قریہ قریہ، شہر شہر، عالم عالم، جو محنت اس وقت نظر آ رہی ہے یہ اکیلے حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی ؒ کا اخلاص ہے۔ جس نے پوری دنیا کو تبلیغ کے کام کے لئے کھڑا کر دیا۔ آپ کے دعا گو حضرت گنگوہی ؒ، حضرت شیخ الہند ؒ، حضرت سہارنپوری ؒ اور حضرت رائے پوری ؒ تھے اور آپ کے مشیر کار آپ کے بھتیجا حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی ؒ اور دوسرے مشیر کار شاہ عبدالقادر رائے پوری ؒ تھے۔ حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی ؒ نے اپنے قلم سے تبلیغ کے میدان میں علمی خزانہ لا کر "فضائل اعمال" کے نام پر چہار دانگ عالم میں عام کر دیا۔ آج ہر سمت جو بہاریں نظر آتی ہیں یہ ہمارے حضرت المخدوم مولانا محمد الیاس کاندھلوی ؒ کا فیض ہے۔ مولانا محمد الیاس کاندھلوی ؒ پر اللہ رب العزت کی عنایات بے پایاں کا تصور کیجئے۔ آپ اپنے ایک مکتوب گرامی میں مولانا محمد زکریا صاحب ؒ کو تحریر کرتے ہیں کہ فلاں فلاں دو گاؤں میں جانا ہوا۔

"ان دونوں جگہوں میں تمام لوگ دیوبندیت کے نہایت مخالف اور نہایت برے خیالات ہم سے لئے ہوئے ملے۔ لیکن ان سفروں میں غیبی، ازلی، سرمدی، قدسی، مدد اور برکت

دستگیری ایسی شامل حال ہوتی ہے کہ جس سے حیرت اور عجب کیفیت رہتی ہے۔ خدا کی عجیب قدرت ہے کہ حق تعالیٰ شانہ قلوب کو نرم ہونے کی عجیب تاثیر پیدا فرماتے ہیں۔ یہ لوگ دونوں جانے سے پہلے ستانے اور پرخاش پر مشتعل تھے۔ لیکن پہنچنے پر سب لوگ بیعت ہو گئے اور مقاصد میں کوشش کرنے کے لئے تیار۔" (مولانا انعام الحسن ج ۱ص ۵۰)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ تبلیغ کے کام کے لئے اہل مدارس کو متوجہ کرنے کے اقدامات کرتے رہے۔ مدرسہ امینیہ تشریف لے گئے۔ دارالعلوم دیوبند حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ کو خطوط اور وفود کے ذریعہ متوجہ فرمایا۔ ندوۃ العلماء مظاہر علوم سے تو حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ہمراہ رہے۔ ۲۹ ر مارچ ۱۹۴۴ء کو نظام الدین میں مشورہ ہوا۔ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری، مولانا محمد زکریا کاندھلوی، مولانا عبداللطیف، قاری سعید مظاہر علوم، مولانا قاری محمد طیب، مولانا اعزاز علی دیوبند، مولانا مفتی کفایت اللہ مدرسہ امینیہ، مولانا محمد شفیع مدرسہ عبدالرب دہلی، مولانا سجاد صاحب جمع ہوئے۔ اس اجلاس میں طے ہوا کہ دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سے دس، دس طلباء اور دو دو اساتذہ کی جماعتیں نکالی جائیں۔

حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث شریف والے سال ۱۹۴۱ء ہم نظام الدین میں حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ بانی تبلیغ سے ملنے کے لئے گئے تو آپ نے فرمایا کہ علماء تبلیغ کے اس کام میں جڑیں۔ ورنہ عوام کے جڑنے اور علماء کے نہ جڑنے سے مفاسد پیدا ہوں گے۔ چنانچہ آج بھی اللہ کا فضل ہے کہ علماء و عوام حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی مساعی سے برابر تبلیغ کے میدان میں نظر آتے ہیں۔ ۲۱ ر رجب ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۳ ر جولائی ۱۹۴۴ء صبح اذان سے قبل آپ رحمۃ اللہ علیہ نے وصال فرمایا۔ وصال سے قبل آپ کے جانشین کے طور پر آپ کے صاحبزادہ مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ ہو گیا تھا۔ بہت بڑا اجتماع ہو گیا۔ مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا بیان جاری رہا۔ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لوگوں کو صبر کی تلقین فرمائی۔

ظہر کے بعد نماز جنازہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی۔ والد مولانا محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ، بھائی مولانا محمد رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں اس حجرہ میں مدفون ہوئے۔ جہاں وفات کے ستر سال بعد (۱۹۴۴ تا ۲۰۱۴ء) فقیر نے کھڑے ہو کر ایصال ثواب کی سعادت حاصل کی۔

مولانا محمد یوسف کاندھلوی ؒ کے مختصر حالات

مولانا محمد یوسف کاندھلوی ؒ، یہ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی ؒ کے صاحبزادہ اور آپ کے جانشین ہیں۔ تبلیغی جماعت کے دوسرے سربراہ یعنی حضرت جی ؒ ثانی ہیں۔ مولانا محمد یوسف کی پیدائش ۲۵ رجمادی الاول ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۰ رمارچ ۱۹۱۷ء کو کاندھلہ میں ہوئی۔ عمر کے دسویں سال حافظ قرآن بن گئے تھے۔ یہ حفظ قرآن انہوں نے والد اور والدہ کے پاس کیا۔ ابتدائی عربی کتب والد صاحب سے پڑھیں۔ مشق اور تجوید قاری معین الدین آروی ؒ سے حاصل کی۔ حضرت مولانا محمد الیاس ؒ ۱۳۵۱ھ میں حج پر تشریف لے گئے تو مولانا محمد یوسف ؒ کو سہارنپور مظاہر علوم میں بھیج دیا تھا۔ یہاں آپ نے ہدایہ اولین، میبذی، قطبی اور دیگر کتب مولانا محمد زکریا قدوسی گنگوہی، مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی، مولانا محمد صدیق اور مولانا عبدالشکور کیمپوری سے پڑھیں۔ مشکوٰۃ شریف اور دیگر کتب اگلے سال اپنے والد صاحب سے پڑھتے رہے۔ جنوری ۱۹۳۶ء سے مدرسہ مظاہر علوم میں دورہ حدیث شریف کے لئے داخل ہوگئے۔ (بخاری ج ۱، ابوداؤد)

بخاری جلد اوّل اور ابوداؤد حضرت شیخ الحدیث صاحب ؒ سے، بخاری جلد دوم مولانا عبداللطیف ؒ، مسلم ونسائی مولانا منظور احمد خان ؒ، ترمذی طحاوی حضرت عبدالرحمٰن کامل پوری ؒ سے پڑھیں۔ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب ؒ بھی آپ کے ہمدرس تھے۔ مولانا محمد الیاس صاحب ؒ کے بیمار ہونے پر اختتام سال سے قبل دہلی آگئے۔ مذکورہ کتب کا بقیہ، نیز ابن ماجہ، نسائی، طحاوی، معانی آثار اور مستدرک حاکم بھی مولانا محمد الیاس ؒ اپنے والد گرامی سے پڑھیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب ؒ کی بیٹی سے مولانا محمد یوسف صاحب ؒ کا نکاح ۷ر اپریل ۱۹۳۵ء کو شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ نے پڑھایا۔ ۳ رجون ۱۹۳۶ء کو رخصتی ہوئی۔ اسی اہلیہ سے مولانا محمد ہارون ؒ پیدا ہوئے۔ شادی کے تیرہ سال بعد ۱۵ رستمبر ۱۹۴۷ء کو بحالت سجدہ آپ کی اہلیہ کا وصال ہوا۔ ۸ رفروری ۱۹۵۰ء کو حضرت شیخ الحدیث کی دوسری صاحبزادی سے آپ کا نکاح حضرت مدنی ؒ نے پڑھایا۔

مولانا محمد یوسف ؒ اپنے والدگرامی مولانا محمد الیاس ؒ سے بمشورہ وبحکم حضرت شیخ الحدیث ؒ بیعت ہوئے۔ پھر خلافت ملی۔ جانشین بنے۔ مولانا محمد یوسف ؒ صاحب کی پہلی تقریر قصبہ نوح، دوسری تقریر موضوع کنسالی میں تبلیغ کے بانی اور اپنے والدگرامی کی موجودگی

میں ہوئیں۔ جنوری ۱۹۴۳ء میں میوات میں ایک چلہ بھی لگایا۔ اس کے بعد مئی میں کراچی اور سندھ میں مولانا محمد یوسف رحمہ اللہ نے چلہ لگایا۔ مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ کی زندگی کے آخری دنوں میں مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ، مولانا ظفر احمد تھانوی رحمہ اللہ، حافظ فخر الدین رحمہ اللہ، مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ، مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ اور حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے مشورہ سے مولانا محمد یوسف صاحب رحمہ اللہ کو تبلیغ کا امیر ثانی اور مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ کا جانشین مقرر کیا گیا۔

تبلیغی جماعت کے امیر ثانی

مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ کے وصال کے بعد حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ کا عمامہ مولانا محمد یوسف صاحب رحمہ اللہ کے سر پر باندھا اور برابر میں بیٹھ کر لوگوں کو بیعت کرائی اور پھر مولانا محمد یوسف رحمہ اللہ کا بیان کرایا۔ جہاں ہزاروں کا اجتماع جنازہ کے لئے سراپا انتظار تھا۔ چنانچہ بعد میں مرکز سے تمام جماعتوں کو خط کے ذریعہ امیر ثانی مقرر ہو جانے کی اطلاع کی گئی۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ نے سرپرستی کا حق ادا کر دیا۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ بھی برابر متوجہ رہے۔ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا چار پانچ ماہ تو مسلسل قیام رہا۔ پھر ہر ماہ میں ایک سفر نظام الدین کا ہوتا رہا اور جمعرات کے تمام اہم اجتماعوں میں بھی حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ لازمی شرکت فرماتے۔ ایک دفعہ مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری اور حضرت شیخ الحدیث کی موجودگی میں مولانا محمد الیاس نے اپنا خواب سنایا کہ: "میں نے دیکھا کہ میں آگے چل رہا ہوں۔ شیخ الحدیث میرے پیچھے اور شیخ الحدیث کے پیچھے مولانا خلیل احمد سہارنپوری چلے آ رہے ہیں۔ اس کی تعبیر دیں تو حضرت رائے پوری نے فرمایا کہ اس کی تعبیر تو حضرت شیخ الحدیث دیں گے۔ حضرت شیخ الحدیث نے فرمایا کہ پہلا جز تو خواب کا واضح ہے کہ میں آپ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ مگر مکمل چل نہیں سکتا۔ البتہ خواب کا دوسرا جز سمجھ نہیں آ رہا تو حضرت مولانا محمد الیاس نے فرمایا کہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ آپ میری پشت پناہی کر رہے ہیں۔ آپ نہ ہوں تو معاصرین مجھے دبالیں اور آپ کی پشت پناہی حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ فرماتے رہے ہیں۔ انہی کی وجہ سے یہ سب حضرات آپ سے دب جاتے ہیں۔"

تو شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی تبلیغ کے حضرات کی یہ پشت پناہی حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمہ اللہ کے زمانہ امارت میں خوب عروج پر نظر آتی ہے۔ مولانا محمد یوسف صاحب رحمہ اللہ کے

دورِ امارت میں پہلا اجتماع ۱۳؍اگست ۱۹۴۴ء کو میوات کے قصبہ نوح میں ہوا۔ مولانا محمد یوسف صاحب ؒ نے حضرت شیخ الحدیث ؒ اور حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری ؒ سے ۱۱تا۱۹؍۱۷اکتوبر ۱۹۴۵ء کے ایام نظام الدین مرکز میں قیام کے لئے مقرر کرائے اور تبلیغ کے تمام پرانے حضرات کو خصوصیت سے طلب کر کے کام کو بڑھانے کا فکر ہوتا رہا۔

یکم نومبر ۱۹۵۴ء مطابق ۴ ربیع الاوّل ۱۳۷۴ھ میں مرکز نظام الدین کے مدرسہ کاشف العلوم میں دورہ حدیث کا آغاز ہوا۔ مولانا محمد یوسف نے ابوداؤد، مولانا انعام الحسن نے بخاری شریف اور مولانا عبیداللہ نے ترمذی شریف کا افتتاح فرمایا۔ مولانا محمد یوسف صاحب جہاں تبلیغ کے سربراہ تھے وہاں شیخ وقت بھی تھے۔ آپ کی بیعت میں بیک وقت ہزاروں افراد شریک ہوتے۔ جسے اللہ تعالیٰ اپنے دین کی سربلندی کی محنت کے لئے قبول فرمالیں۔ پگڑیاں، عمامے، چادریں پھیلا دی جاتیں۔ لوگ ان کے کونوں کو پکڑ کر شریک بیعت ہوتے۔ جہاں تشریف لے جاتے یہی منظر ہوتا۔ تقسیم ہند کے بعد مشرقی پنجاب میں جو تباہی آئی، مساجد، مدارس، خانقاہوں پر جو ابتلاء اس خطہ میں آیا۔ حضرت رائے پوری، حضرت مدنی، حضرت شیخ الحدیث، مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کے قیام ہند سے مسلمانوں کو کچھ حوصلہ ملا۔ باقی کام مولانا محمد یوسف نے سنبھالا۔ صلوٰۃ الحاجۃ، اجتماعی دعاؤں، تہجد کا بہت کثرت سے کہہ کہہ کر اہتمام کرایا۔

میوات کے شورش زدہ علاقہ میں سات افراد کی جماعت بھیجی۔ گویا آگ اور خون کے سمندر میں ان کو بھیجا۔ پناہ گزیں مراکز میں مسلمانوں کی مدد کے لئے جماعتیں بھیجی گئیں۔ آج ہند میں اسلام کا جتنا نام و کام ہے وہ دینی مدارس، علماء کرام اور تبلیغی جماعت کے صدقہ میں ہے۔ پاکستان کی کل آبادی سے ہند میں زیادہ مسلمانوں کی آبادی ہے اور یہ سب ان حضرات کی جدوجہد کا ثمرہ وصدقہ ہے۔ حجاز مقدس میں مولانا علی میاں ؒ کے ذریعہ تبلیغ کے کام کا آغاز مولانا محمد یوسف ؒ کے دور میں ہوا۔

بیرون ممالک میں تبلیغ کا کام

مولانا محمد یوسف صاحب ؒ کے عہدِ امارت میں پیدل تبلیغی جماعتیں حج کو بھیجنے کا نظم طے ہوا کہ یہ اپنے اپنے روٹ کے مطابق سال بھر جاتے اور آتے تبلیغ کرتے ہوئے جائیں۔ تبلیغ کرتے ہوئے آئیں۔ اس طرح ایک تو تبلیغ کا دائرہ وسیع ہوگا۔ دوسرا یہ کہ خیرالقرون کے مسلمان جو پیدل حج کو جاتے تھے، وہ سنت تازہ ہوگی۔ اکابر کے مشورہ کے بعد اس پر ۱۹۴۷ء کے

آخر یا ۱۹۴۸ء کے اوائل میں عمل شروع ہوگیا۔ چنانچہ پیدل حج کی تبلیغ جماعتوں کے ذریعہ پہلے سال ایران، افغانستان، بحرین، قطر، کویت، یمن، شام، بیت المقدس، برما، افریقہ تک تبلیغ کا کام پھیل گیا۔

حضرت جی ثانی مولانا محمد یوسف صاحب ؒ نے تین حج اور دو عمرے کئے۔ مولانا محمد یوسف ؒ مظاہر علوم کی شوریٰ کے رکن بھی بنے اور آپ کو حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری ؒ کے وصال کے بعد ان کی جگہ رکن شوریٰ بنایا گیا۔ مولانا محمد یوسف ؒ نے آٹھواں اور اپنی زندگی کا آخری سفر پاکستان کا کیا۔ ۱۲ر فروری ۱۹۶۵ء میں آپ بمع مولانا محمد عمر پالن پوری اور مولانا انعام الحسن ؒ صاحب کے تشریف لائے۔ پہلے آپ ڈھاکہ گئے۔ یہاں سالانہ اجتماع میں ایک لاکھ سے زائد افراد نے شرکت کی۔ ڈیڑھ سو جماعتیں، سہ چلہ اور چلہ کی نکلیں۔ آپ ڈھاکہ سے کراچی تشریف لائے۔ کراچی، ملتان، تل، کوہاٹ، کنگن پور، راولپنڈی میں بڑے بڑے اجتماع سے خطاب فرمایا۔ ۲۱ تا ۲۳ر مارچ ۱۹۶۵ء میں رائے ونڈ کے سالانہ اجتماع میں شرکت فرمائی۔ آخری جمعہ گوجرانوالہ پڑھا۔ جمعہ سے قبل و بعد بیان بھی ہوا۔ ۳۰ر مارچ سے یکم ر اپریل تک پھر رائے ونڈ قیام رہا۔ اس دوران بڑے درد انگیز اور فکر سے بھرپور بیانات فرمائے۔

زندگی کی آخری تقریر اور سفر آخرت

اپنی حیات کی آخری تقریر یکم ر اپریل ۱۹۶۵ء بروز جمعرات کو شب جمعہ مغرب کے بعد بلال پارک لاہور میں فرمائی۔ مولانا انعام الحسن کاندھلوی ؒ، مولانا مفتی زین العابدین ؒ جو آپ کے عاشق صادق تھے۔ (مفتی صاحب کے چار صاحبزادے ہیں۔ چاروں کا نام یوسف، یوسف اوّل، یوسف ثانی، ثالث اور رابع رکھا) مولانا انعام الحسن اور مفتی صاحب سے فرمایا: میرا کام ختم ہو چلا۔ میرے معدہ سے سانس کی نالی میں کچھ ہے۔ پانی پیتا ہوں تو آرام رہتا ہے۔ ورنہ درد ہوتا ہے۔ مولانا انعام سے یہ بھی فرمایا: بھائی ہماری منزل پوری ہوگئی۔ انہوں نے عرض کیا حضرت ابھی تو امریکہ، روس، چین میں کام کا آغاز کرنا ہے۔ اس پر فرمایا: پالیسی بن چکی، کام کا آغاز ہو چکا۔ اب تو آگے چلانا ہے۔ کام کرنے والے چلاتے رہیں گے۔ رات گزاری، پھر وہی تکلیف۔ انتقال سے تھوڑی دیر قبل فرمایا کہ میری کتاب حیات الصحابہ پر جو رقم لگ چکی اس کی زکوٰۃ دے دینا اور کہا سنا بھی معاف کرنا۔ مولانا انعام الحسن سے فرمایا کہ مجھے نماز پڑھا دو۔ لیکن

مختصر۔انہوں نے نماز پڑھائی۔۱۲/اپریل ۱۹۶۵ء بروز جمعہ ۲ بج کر پچاس منٹ پر شام کو آپ کا رائے ونڈ میں وصال ہوا۔ دوست ہسپتال لے گئے۔ لیکن بے فائدہ۔ جلدی سے بلال پارک لاہور لائے۔ ۹/بجے شب مولانا انعام الحسن نے نماز جنازہ پڑھائی۔ شب ڈیڑھ بجے ایئرپورٹ سے نظام الدین کے لئے جنازہ چلا۔ مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ مولانا ہارون صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کو سہارنپور سے لے کر ایسے وقت نظام الدین آئے کہ جنازہ پہنچ چکا تھا۔ اگلے روز یعنی ہفتہ کو دس بجے صبح حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور مولانا محمد یوسف حضرت جی ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد گرامی حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ ان کے لئے بھی حجرہ سے باہر ایصال ثواب کی سعادت حاصل کی۔ یہاں پر چوتھی قبر مبارک مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔

حضرت مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات

حضرت جی مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ صاحب کے بعد مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ صاحب تبلیغی جماعت کے تیسرے امیر قرار پائے۔ مولانا اکرام الحسن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی بھانجے اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے پھوپھازاد بھائی تھے۔ ان کے بیٹے کا نام مولانا انعام الحسن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ ۸/جمادی الاول ۱۳۳۶ھ مطابق ۲۰/فروری ۱۹۱۸ء کو کاندھلا اپنے آبائی وطن پیدا ہوئے۔ اپنی عمر کے دسویں سال قرآن مجید کے حافظ بن گئے تھے۔ اپنی خاندانی مسجد محلہ مولویان میں پہلی بار محراب سنائی۔

والد صاحب کی ترغیب وحکمت سے نوعمری میں نماز کی پختہ عادت ہوگئی تھی۔ ابتدائی فارسی سے گلستان بوستان تک اپنے نانا حکیم عبدالحمید رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں۔ فارسی نصاب کی تکمیل کے بعد ۱۱/اگست ۱۹۳۰ء کو حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ہمراہ نظام الدین دہلی لے گئے تاکہ عربی تعلیم حاصل کرسکیں۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۳ سال تھی۔ آپ کو مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھانا شروع کیا۔ صرف ونحو کا آغاز ہوا۔ میزان الصرف چھ دنوں میں یاد کر کے سنادی۔ مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ امیر ثانی تبلیغ اور مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ تقریباً ہمدرس رہے۔ فروری ۱۹۳۳ء میں دونوں حضرات نے مظاہر علوم میں داخلہ لیا۔ اگلے سال پھر نظام الدین میں مشکوٰۃ شریف حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی۔ دورہ حدیث شریف پھر مظاہر علوم شروع کیا۔ ختم سے کچھ پہلے پھر نظام الدین گئے۔ حدیث شریف کی کتب کی تکمیل

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ سے کی۔ حضرت شیخ الحدیث نے شرکاء دورہ میں سب سے زیادہ نمبر لینے والوں کو بذل المجہود شرح ابی داؤد کا مکمل نسخہ انعام میں دینے کا اعلان کیا۔ چار آدمی اس کے مستحق قرار پائے۔ مولانا ابرار الحق رحمہ اللہ ہردوئی، مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ، مولانا انعام الحسن کاندھلوی رحمہ اللہ، مولانا منظور احمد بہاول پوری رحمہ اللہ۔ (موخر الذکر بزرگ کے کہیں سے حالات مل جائیں تو بہت خوشی ہو)

بجز چند کتب کے باقی مولانا محمد یوسف صاحب رحمہ اللہ اور مولانا انعام الحسن صاحب رحمہ اللہ کا ساتھ رہا۔ ایک جگہ مذکور ہے کہ نصف رات ایک ساتھی مطالعہ کرتے، نصف حصہ رات گزرنے پر چائے تیار کرتے۔ سوئے ہوئے ساتھی کو جگاتے انہیں چائے پلاتے اور خود چائے پی کر سو جاتے۔ اب نصف رات کے بعد دوسرے ساتھی فجر سے قبل تک مطالعہ کرتے اور نماز فجر سے قبل سونے والے ساتھی کو جگا دیتے۔ اگلے دن ترتیب بدل جاتی۔ جو پہلے حصہ رات جاگے تھے وہ آخری حصہ رات پر چلے جاتے اور آخری حصہ رات والے پہلے حصہ رات پر آجاتے۔ ان دونوں حضرات میں خوب محبت تھی۔ مولانا انعام الحسن رحمہ اللہ نے ایک موقع پر فرمایا کہ مولانا یوسف صاحب رحمہ اللہ نے دہلی سے صبح آنا تھا تو میں ساری رات انتظار میں جاگتا رہا۔ مولانا انعام الحسن رحمہ اللہ مطالعہ اور کتابوں کی خریداری کے حریص تھے۔ مولانا انعام صاحب رحمہ اللہ، مولانا یوسف صاحب رحمہ اللہ نے طے کیا کہ تبلیغ میں جڑنے سے علمی ترقی رک جائے گی۔ فراغت کے بعد پہلے کچھ پڑھانا شروع کریں تاکہ پختگی ہو جائے۔ پھر تبلیغ سے جڑیں گے۔ اس پر مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا۔ ''میری تحریک (تبلیغ) سے علم کو ذرا ٹھیس پہنچے، یہ میرے لئے خسران عظیم ہے۔ میرا مطلب تبلیغ سے علم کی طرف ترقی کرنے والوں کو ذرا بھی روکنا یا نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اس سے زیادہ ترقیات (علم میں) کی ضرورت ہے اور موجودہ جہاں تک ترقی کر رہے ہیں، بہت ناکافی ہے۔'' (سوانح مولانا انعام الحسن کاندھلوی ج ا ص ۱۹۵)

مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ نے مولانا انعام الحسن رحمہ اللہ کے متعلق تحریر فرمایا: ''ان کی علمی نظر اچھی اور فنون درسیہ میں ملکہ راسخہ حاصل تھا۔ بعض علمی ماخذ اور شروح حدیث کی بعض تحقیقات و معلومات کی نشاندہی بھی ہوئی اور ان سے فائدہ بھی اٹھایا گیا۔''

''لامع الدراری کی تصنیف کے زمانہ میں حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے سہارنپور ملنے کے لئے مولانا انعام تشریف لائے تو حضرت شیخ صاحب رحمہ اللہ نے مولانا محمد عاقل رحمہ اللہ سے فرمایا

کہ جو جو اشکالات ہیں، مولانا انعام ﷫ صاحب سے پوچھ لینا۔ مولانا عاقل، مولانا انعام صاحب کو حضرت الشیخ کے دارالتصنیف لے جانے لگے تو پوچھنے پر اشکالات پیش کرنے شروع کر دیئے۔ چلتے چلتے مولانا انعام ﷫ نے سب اشکالات کا دفعیہ کر دیا۔'' (ایضاً ص ۱۹۶)

عالمی تبلیغی مرکز نظام الدین میں عربی مدرسہ کاشف العلوم کے نام سے قائم ہے۔ مولانا محمد یوسف صاحب ﷫ کے زمانہ امارت میں اس کا اہتمام مولانا انعام الحسن ﷫ کے ذمہ تھا۔ مولانا انعام الحسن ﷫ یہاں بخاری شریف پڑھاتے تھے۔ مولانا عزیز الرحمٰن بجنوری ﷫ سے مولانا انعام ﷫ نے فرمایا کہ پانچ پانچ مرتبہ کامل طور پر فتح الباری اور عمدۃ القاری کا اور دو مرتبہ فتاویٰ عالمگیری کا مطالعہ کیا ہے۔ ایک موقع پر یہ بھی فرمایا کہ بخاری شریف کی ایک ایک روایت پر علی وجہ البصیرت نظر ہے اور بخاری شریف کی شروحات وغیرہ جتنی میں نے جمع کی ہیں، اتنی شاید دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم کے کتب خانوں میں بھی نہ ہوں۔ یہ ان کی علمی وسعت اور پختگی کی دلیل تھی۔ آپ مزاجاً کم گو تھے۔ مشکوٰۃ شریف، مختصر معانی، ہدایہ، الادب المفرد، شرح جامی ایسی کتب بھی کاشف العلوم میں آپ نے متعدد بار پڑھائیں۔ حضرت شیخ الحدیث ﷫ کے صاحبزادہ حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی نے بھی دورہ حدیث شریف کاشف العلوم میں کیا اور بخاری شریف مولانا انعام الحسن صاحب ﷫ سے پڑھی تھی۔

مولانا انعام الحسن ﷫ کا بیعت کا تعلق حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی ﷫ سے تھا۔ یہ ۱۹۳۵ء کی بات ہے۔ مولانا انعام صاحب کو بارہ ہزار اسم ذات کا فرمایا جو پھر ستر ہزار یومیہ تک بھی بڑھایا۔ سات آٹھ گھنٹے معمولات پورے کرنے پر لگاتے تھے۔ پندرہ پارے یومیہ تلاوت کا معمول تھا۔ ہمارے مخدوم حضرت مولانا میاں سراج احمد صاحب دین پوری مدظلہ بھی ہر دوسرے روز ختم کرتے ہیں۔ آج کل صاحب فراش ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا سایہ صحت وسلامتی سے امت مسلمہ کے سروں پر تادیر قائم وسلامت رکھیں۔ آمین!

مولانا انعام صاحب ﷫ نے ایک رمضان میں اکسٹھ قرآن مجید کے ختم کیے۔ یعنی یومیہ دو ختم سے بھی اوپر بنتے ہیں۔ مولانا انعام الحسن صاحب ﷫ کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ متواتر پندرہ سال وہ حضرت بانی تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاس ﷫ کی معیت وصحبت سے فیضیاب ہوئے۔ خطوط کے جوابات تو حضرت جی ﷫ نے مولانا انعام الحسن ﷫ کے ذمہ لگا رکھے تھے۔ ایک موقع پر مولانا الیاس ﷫ صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب ﷫ کے

لئے جیسے مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہی ؒ تھے اسی طرح میرے لئے یوسف ؒ و انعام ؒ ہیں۔ مولانا محمد الیاس صاحب ؒ نے اپنی زندگی کے آخری دن مولانا انعام الحسن ؒ کو خلافت سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔

۷راپریل ۱۹۳۵ء کو مولانا انعام الحسن ؒ کا نکاح حضرت شیخ الحدیث ؒ کی صاحبزادی سے ہوا۔ جو حضرت مدنی ؒ نے پڑھایا۔ ۳رجون ۱۹۳۶ء کو رخصتی ہوئی۔ رخصتی کے موقع پر حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری ؒ، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی ؒ اور مولانا محمد الیاس صاحب ؒ بھی موجود تھے۔ مولانا یوسف صاحب ؒ اور مولانا انعام الحسن صاحب ؒ کا ایک ہی دن نکاح مظاہر علوم کے سالانہ جلسہ پر ہوا۔ دونوں مظاہر العلوم میں پڑھتے تھے تو حضرت شیخ الحدیث ؒ نے اپنے مکان پر ان دونوں کے علیحدہ علیحدہ رہنے کے لئے اسی رات کمرے مختص کر دیئے۔ جون ۱۹۳۶ء میں پڑھائی کے بعد سال کے اختتام پر گھر گئے تو اپنی اپنی گھر والیوں کو ہمراہ لے گئے۔

مولانا انعام الحسن ؒ صاحب کے بیٹے (۱) انوار الحسن، ۱۱رجولائی ۱۹۳۹ء کو پیدا اور ۲۲رجولائی ۱۹۴۰ء کو ذخیرۂ آخرت ہوئے۔ (۲) معاذ الحسن پیدائش ۱۱رجون ۱۹۴۳ء اور وفات ۱۶رمئی ۱۹۵۰ء ہے۔ (۳) مولانا زبیر الحسن ۳۰رمارچ ۱۹۵۰ء کو پیدا ہوئے اور اب مارچ ۲۰۱۴ء میں آپ کا وصال ہوا ہے۔ مولانا محمد انعام الحسن صاحب ؒ کے بعد تبلیغ کے امیر مقرر کرنے کی بجائے سہ رکنی مجلس شوریٰ بنی۔ مولانا زبیر الحسن ؒ بھی اس کے رکن اعظم تھے۔ مولانا انعام الحسن ؒ صاحب بیمار ہوئے تو علاج کی غرض سے آپ کاندھلہ آگئے۔ بیماری نے طول پکڑا۔ دو سال چار ماہ کاندھلہ زیر علاج رہے۔ کچھ افاقہ ہوا۔ ۱۰رمارچ ۱۹۴۹ء کو آپ دہلی نظام الدین تشریف لائے۔ دو ماہ دس یوم بعد ۷رمئی ۱۹۴۹ء کو دوبارہ کاندھلہ جانا ہوا۔ اب کے کاندھلہ ساڑھے چھ ماہ قیام رہا۔ ۲۵رنومبر ۱۹۴۹ء نظام الدین آگئے۔ اب الحمدللہ! طبیعت بحال ہوگئی۔ اسفار شروع ہوگئے۔ مولانا انعام الحسن ؒ اب اسفار میں حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب ؒ کے ساتھ رہتے تھے۔

تبلیغی جماعت کے تیسرے امیر

زندگی کے آخری سفر پر پاکستان میں ۲راپریل ۱۹۶۵ء کو مولانا محمد یوسف ؒ کا لاہور میں وصال ہوا تو مولانا انعام الحسن ؒ ہمراہ تھے۔ مولانا محمد یوسف صاحب ؒ کی نظام الدین

میں تدفین کے بعد حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے مشورہ سے مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو تبلیغی جماعت کا تیسرا امیر مقرر فرمایا۔ مولانا محمد عمر پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ بیان فرمارہے تھے ان کا بیان رکوا کر مولانا فخر الحسن رحمۃ اللہ علیہ مدرس دارالعلوم دیوبند نے فیصلہ کا اعلان کیا کہ اب تبلیغ کے کام کے ذمہ دار مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ ہوں گے۔ اس اعلان کے متصل بعد مولانا پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ نے تشکیل شروع کردی اور کام جہاں مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے چھوڑا تھا وہاں سے اس کا آغاز کردیا گیا۔ سب پرانے حضرات نے اس فیصلہ پر اطمینان کا اظہار کیا۔

مولانا ہارون رحمۃ اللہ علیہ جو مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ اور مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے تھے۔ وہ اس وقت زندہ تھے۔ اہل میوات کو ان سے جذباتی محبت ولگاؤ تھا۔ مگر انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے امیر مقرر ہونے پر سب کو اطمینان ہوگیا۔ مولانا ہارون رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سعادت مندی اور وسعت قلبی سے اس فیصلہ کو قبول کیا۔ بعض لوگوں نے اس فیصلہ پر خطوط، وفود، اشتہارات کے ذریعہ اپنے تحفظات کا اظہار کیا کہ مولانا ہارون رحمۃ اللہ علیہ سے زیادتی ہوئی۔ مگر مولانا ہارون رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے فیصلہ پر ڈٹے رہے کہ جو فیصلہ ہوا، سو فیصد صحیح ہے تو برائے نام یورش بھی ٹل گئی۔

۳؍اپریل کو امیر جماعت بننے کے بعد مولانا ہارون رحمۃ اللہ علیہ نے اعلان کر کے مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر تجدید بیعت کرائی۔ مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے امیر بننے کے بعد ہر جگہ خطوط بھجوائے کہ: ''حضرت جی مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اصل تعزیت یہ ہے کہ تبلیغ کے کام کے ساتھ جڑا جائے اور دوسروں کو جوڑا جائے۔ نظام الدین تعزیت کے لئے آنے پر جو رقم و وقت خرچ کرنا ہے۔ وہ رقم و وقت تبلیغ کے کام پر لگائیں اور اس کا ثواب مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ایصال کریں۔'' چنانچہ سینکڑوں جماعتیں اس نیت سے نکلیں اور ایصال ثواب کے عنوان پر روانہ ہوئیں۔ اب کے مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ کی بھی حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے خوب پشت پناہی کی۔

نظام الدین میں قیام فرمایا۔ مشورے دیئے۔ مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی مشورہ کے لئے سہارنپور تشریف لاتے۔ کبھی اپنے ساتھ نظام الدین میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو لے کر جاتے۔ مولانا یوسف امیر ثانی رحمۃ اللہ علیہ یومیہ سات آٹھ گھنٹہ بیان کر لیتے تھے۔ ان کی زندگی میں مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے کبھی تقریر نہ کی۔ البتہ مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کے دوران پشت کی جانب بیٹھ کر مراقب رہتے تھے۔ اس پر مولانا عمران خان ندوی نے خوب تبصرہ کیا کہ:

"تبلیغ کے بانی مولانا الیاس ؒ الکن (لکنت والے) تھے۔ مولانا انعام الحسن ؒ قلیل الکلام ہیں اور درمیان میں یوسف صاحب ؒ ابوالکلام ہیں۔" سچ ہے ہر گلے را رنگ بوئے دیگر است ا

مولانا انعام صاحب ؒ نے امیر بننے کے بعد تقاریر شروع کریں۔ پہلے مختصر پھر تو دو، دو گھنٹے کے بھی بیانات ہوئے۔ آخر عمر میں پھر عوارض کے باعث مختصر بیان فرماتے تھے۔ آپ کی امارت میں ۳۲ ر رمضان المبارک آئے۔ متعدد حج کئے۔ چھ عمرے کئے۔ رہے آپ کے تبلیغی اسفار، تو اس سوال کا جواب ہمارے مخدوم حضرت مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری دامت برکاتہم کی کتاب "سوانح مولانا محمد الیاس ؒ کی جلد دوم اور جلد سوم" ہیں جو ہزار صفحات سے زائد صفحات پر مشتمل ہیں۔ ان میں آپ کے تبلیغی اسفار کی تفصیلات ہیں۔ اس وقت دنیا کا شاید کوئی ملک ایسا نہ ہوگا جہاں تبلیغ کا کام نہ ہو رہا ہو۔ یہ انہی حضرات کا اخلاص ہے کہ پوری دنیا اس تبلیغی عالمی نظام میں منسلک ہے۔ اس وقت ہر ملک کا اپنا اپنا سالانہ اجتماع ہوتا ہے۔ جو دین اسلام کی اشاعت کے لئے اتمام حجت کا حکم رکھتا ہے۔

مولانا انعام الحسن ؒ نے ان اسفار کے لئے دن رات ایک کر دیئے۔ اسی طرح کے برطانیہ کے ایک سفر میں فقیر نے بھی آپ سے ڈیوزبری (برطانیہ) میں خصوصی ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ ۱۹۸۵ء میں پہلی سالانہ ختم نبوت کانفرنس تھی۔ حضرت مولانا انعام الحسن ؒ برطانیہ کے سالانہ اجتماع کے لئے ڈیوزبری تشریف لائے ہوئے تھے۔ تو حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی مرحوم کی معیت میں فقیر نے بھی آپ کی زیارت کی۔ اسی طرح ۲۰۱۳ء میں مولانا انعام الحسن ؒ کے صاحبزادہ حضرت مولانا زبیر الحسن صاحب ؒ کی رائے ونڈ سالانہ اجتماع کے موقع پر زیارت کی۔ اس زیارت کا باعث حضرت مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری ہے جن کی تصنیف لطیف "سوانح مولانا انعام الحسن ؒ" جو تین جلدوں پر مشتمل ہے، سے اس حصہ مضمون کی تکمیل کی سعادت حاصل کی ہے۔ اس سفر رائے ونڈ میں حضرت پیر طریقت مولانا صغیر احمد صاحب لاہوری دامت برکاتہم کی قیادت وسیادت کے شرف سے بھی مشرف ہوا۔

اسپین، برما، بلجیم، ترکی، تنزانیہ، جاپان، انڈونیشیا، ری یونین، سوڈان، شام، عراق، کویت، کینیا، کینیڈا، لبنان، انڈونیشیا، مراکش، موزمبیق، ماریشس کا ایک ایک دفعہ سفر کیا۔ متحدہ عرب امارات، امریکہ، زامبیا، ملائیشیا، ملاوی کے دو دو مرتبہ سفر ہوئے۔ تھائی لینڈ، سنگاپور کے تین تین بار سفر ہوئے۔ فرانس کا چار مرتبہ، سری لنکا کا پانچ مرتبہ، برطانیہ کا چھ مرتبہ، سعودی عرب کا

تیئس مرتبہ، بنگلہ دیش کا چوبیس مرتبہ اور پاکستان کا سینتالیس مرتبہ سفر کیا۔ ان اسفار کی تفصیل ''سوانح مولانا انعام الحسن کاندھلوی کی تیسری جلد'' میں ہے۔ ۶ رجون ۱۹۹۵ء کو کیسر ودہ ضلع مظفر نگر کے اجتماع میں آپ نے اپنی زندگی کے آخری اجتماع کی آخری دعا کرائی۔ ۹ رجون ۱۹۹۵ء کو زندگی کا آخری جمعہ پڑھا۔ جمعہ کے بعد قلب میں درد شروع ہوا۔ ہسپتال لے جایا گیا۔ راستہ میں آپ کے صاحبزادہ مولانا محمد صالح نے پوچھا: ابا کیسی طبیعت ہے؟ اس پر فرمایا: ''اللہ کا شکر ہے'' یہ آخری جملہ تھا جو آپ کی زبان سے نکلا۔ ہسپتال گئے لیکن وقت موعود آن پہنچا۔ مولانا زبیر الحسن آپ کو نظام الدین لائے۔ اگلے روز ۱۰ رجون ہمایوں کے مقبرہ کے قریب وسیع پارک میں جنازہ ہوا۔ مولانا زبیر الحسن نے نماز جنازہ پڑھائی۔ چار لاکھ سے زائد افراد شریک جنازہ ہوئے۔ مولانا محمد اسماعیل، مولانا محمد الیاس، مولانا محمد یوسف کے ساتھ چوتھی قبر مبارک آپ کی ہے۔ یہاں بھی فقیر نے دعا کی سعادت حاصل کی۔

حضرت مولانا محمد ہارون ؒ کے مختصر حالات زندگی

مولانا محمد ہارون ؒ، مولانا محمد یوسف کاندھلوی ؒ امیر دوم تبلیغی جماعت کے صاحبزادہ ہیں۔ مولانا ہارون کی پیدائش ۸ رنومبر ۱۹۳۹ء کو ہوئی۔ مظاہر علوم سے دورہ حدیث کیا۔ حضرت شیخ الحدیث ؒ کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے۔ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری ؒ سے بیعت ہوئے۔ خلافت حضرت شیخ الحدیث صاحب ؒ نے مرحمت فرمائی اور خلافت بھی آنحضرت ﷺ کے اقدام عالیہ کی جانب مسجد نبوی میں عنایت فرمائی۔ زہے نصیب! مولانا ہارون صاحب ؒ، بانی تبلیغ مولانا محمد الیاس صاحب ؒ کے پوتا ہیں۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی ؒ کے پاس مولانا محمد الیاس ؒ کا عمامہ تھا۔ وہ بھی مولانا محمد ہارون ؒ کو عنایت ہوا۔ عالم جوانی میں مولانا ہارون صاحب ؒ ۲۷ رستمبر ۱۹۷۳ء کو وصال فرماگئے۔ مولانا انعام الحسن صاحب ؒ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مرکز نظام الدین کے مغربی حصہ میں آپ بھی مدفون ہیں۔ آپ کی یادگار حضرت مولانا محمد سعد صاحب جو ۱۰ رمئی ۱۹۶۵ء کو پیدا ہوئے مدرسہ کاشف العلوم مرکز دہلی سے فارغ التحصیل ہیں۔ تبلیغ کے سرکردہ حضرات میں سے ہیں۔

تبلیغی مرکز میں نماز ظہر پڑھی۔ ان مزارات کے باہر قبور مبارکہ کے متصل حجرہ پر دعا سے فارغ ہوئے۔ تبلیغی مرکز تو تفصیل سے ملاحظہ نہ کیا جاسکا۔ کہاں وہ میدان، کہاں اب کئی منزلہ کوہ قامت بلڈنگ۔ کہاں وہ جنگل اور کہاں اب مارکیٹ اور وہ بھی رش سے اٹی ہوئی۔ یہاں سے

نکلے حضرت مولانا محمد عبدالقیوم نعمانی، آپ کے صاحبزادہ مولانا ابوبکر اور فقیر راقم ''گھاچہ'' کی تلاش میں مارے مارے پھرے۔ جاتے ہوئے بھی، واپسی پر بھی۔ عزیزی انس صاحب کا حکم تھا۔ بہت تلاش ہوئی مگر یہاں کامیابی نہ ہوئی۔

مرزا غالب مرحوم کے مزار پر

اب اپنی کوچ کی طرف روانہ ہوئے تو حضرت نظام الاولیاء کے مزار مبارک اور مرکز تبلیغ کے درمیان ایک متوسط چار دیواری میں چار ستونوں پر کھڑی سنگ مرمر سے آراستہ چھت اور خوبصورت باغیچہ نظر آیا۔ فقیر نے دوستوں کو متوجہ کیا۔ اندر گئے تو ہم اردو کے سب سے بڑے شاعر جناب مرزا اسد اللہ غالب ؒ کے مزار مبارک پر تھے۔ مختصری جگہ۔ باغیچہ بھی مختصر۔ مختصر جگہ پر سنگ مرمر کا دیدہ زیب فرش بھی لگا ہوا۔ چار دیواری پر ایک بڑا سا سنگ مرمر کا کتبہ ہے۔ جس پر مرزا غالب کا یہ شعر کندہ کیا ہوا ہے۔

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا، تو خدا ہوتا ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں، تو کیا ہوتا

یہ شعر پڑھے تو مولانا زاہد الراشدی پھڑک اٹھے۔ فرمایا اوہو! جناب مرزا غالب تو ہمہ اوستی ہیں۔ اب ''ہمہ اوست'' اور ''ہمہ از اوست'' کو اس دور میں کون سمجھے یا سمجھائے۔

غرض حضرت مرزا غالب ؒ صاحب کے مزار پر حاضری کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ دعا کی سعادت حاصل کی۔ آگے چلے تو مولانا زاہد الراشدی سے مسطورہ بالا شعر لکھوالئے۔ مرزا غالب کی مکمل رباعی جو دیوان غالب بخط نفیس کے ایڈیشن کے ص ۳۹ پر چھپی ہے۔ مکمل ملاحظہ ہو۔

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا
ہوا جب غم سے یوں بے حس تو غم کیا سر کے کٹنے کا نہ ہوتا گر جدا تن سے، تو زانو پر دھرا ہوتا
ہوئی مدت کہ غالب مر گیا، پر یاد آتا ہے وہ ہر اک بات پر کہنا، کہ یوں ہوتا، تو کیا ہوتا

مرزا اسد اللہ خان غالب سال ۱۷۹۶ء میں آگرہ میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں آگرہ سے دہلی منتقل ہوئے۔ زندگی بھر کرایہ کے مکان میں محلہ بلی ماراں میں رہے۔ آپ کی معروف رہائش گاہ محلہ بلی ماراں میں مسجد سے ملحق ہے۔ جس سے متعلق آپ کا یہ شعر ہے۔

مسجد کے زیر سایہ ایک گھر بنالیا ہے یہ بندۂ کمینہ ہمسایۂ خدا ہے

مرزا صاحب ۱۸۶۹ء میں وصال فرمائے آخرت ہوئے۔ اب ہم یہاں سے چلے تو

راستہ میں مولانا زاہد الراشدی صاحب نے دیوبندی موزے خرید کیے۔ نام رکھنے میں بھی دوست کمال کرتے ہیں۔ کوئی صاحب دیوبند کے رہنے والوں نے موزے بنانے کی دکان بنائی ہوگی تو موزوں کا نام "دیوبندی موزے" رکھ لیا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ایک بار جمعیت علماء پاکستان کے زیر اہتمام سنی کانفرنس قلعہ کہنہ قاسم باغ ملتان رکھی گئی تو اس موقع پر جو خورد ونوش کے سٹال لگے ان پر نورانی حلوہ، نورانی پراٹھے، نیازی کھراڑے، نیازی نان اور پتہ نہیں کیا کیا نام سے بینرز لگا دیئے گئے۔ اس وقت دل ودماغ پر کیا گزرتی ہے جب "مدنی شوز" دکان پر لکھا ہوتا ہے۔ بس "فکر ہر کس بقدر ہمت اوست" والی بات ہے۔ چلئے میں ابھی "ہمہ اوست" اور "ہمہ از واست" کے چکر میں گھر گیا۔ حضرت خواجہ نظام الاولیاء، تبلیغی مرکز نظام الدین، مرزا اسد اللہ خان غالب کے مزارات سے راشٹر یا بھون (ایوان صدر) انڈین گیٹ، مولانا آزاد روڈ سے جامع مسجد دلال قلعہ کی جانب چلے۔

خانقاہ مظہریہ دہلی

راستہ میں چتلی قبر کے علاقہ میں "خانقاہ مظہریہ دہلی" ہے۔ وہاں پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ ہوا یہ کہ ہمارے جو رہبر تھے وہ گھنی آبادی کے محلہ کی گلیوں در گلیوں سے گزار کر ہمیں خانقاہ مظہریہ دہلی لے گئے۔ حضرت مولانا زاہد الراشدی، مولانا عبدالقیوم نعمانی صاحب اور یاد نہیں کہ کون کون سے حضرات ساتھ تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی ؒ کے صاحبزادہ حضرت خواجہ محمد معصوم ؒ صاحب تھے۔ آپ سے سلطان اورنگزیب عالمگیر نے درخواست کی کہ ہماری تربیت کے لئے آپ دہلی میں کسی کی نامزدگی فرمائیں۔ چنانچہ آپ نے اپنے صاحبزادہ حضرت خواجہ سیف الدین صاحب ؒ کو دہلی بھجوادیا۔ خواجہ سیف الدین (وفات ۱۶۸۵ء) کی دہلی تشریف آوری ۱۶۶۵ء میں ہوئی۔ آپ کی تشریف آوری سے سلسلہ نقشبندی مجددی کا یہاں دہلی میں فیض رسانی کا چشمہ جاری ہوگیا۔ دہلی میں حضرت خواجہ سیف الدین ؒ کے خلیفہ مجاز ہوئے حضرت مولانا سید نور محمد بدایونی (وفات ۱۷۲۳ء)۔ حضرت بدایونی کے خلیفہ دہلی میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں ؒ ہوئے۔ ان کی خانقاہ مبارکہ کو "خانقاہ مظہریہ دہلی" کہا جاتا ہے۔ جہاں آج ۱۶ ردسمبر ۲۰۱۳ء کو حق تعالیٰ نے بعد از ظہر حاضری کی توفیق سے سرفراز فرمایا۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں ؒ کے خلیفہ عبداللہ شاہ المعروف شاہ غلام علی دہلوی ؒ تھے۔ ان کے خلیفہ شاہ ابوسعید مجددی ؒ (وفات ۱۸۳۵ء) تھے۔ شاہ ابوسعید

مجددی ﷫ کے صاحبزادہ، جانشین اور خلیفہ شاہ احمد سعید مجددی ﷫ (وفات ۱۸۶۰ء) تھے۔ ان حضرات کے قدوم میمنت لزوم اور انفاس قدسیہ سے حق تعالیٰ نے اس خانقاہ مظہریہ دہلی سے پہلے دہلی اور اس کے اطراف، پھر اطراف عالم میں روحانیت کے فیض کو تقسیم کیا۔

ابتداء میں یہ خانقاہ کہاں واقع تھی۔ اس کی صورت کیا تھی۔ بتانا مشکل ہوگا۔ البتہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں ﷫ کی رہائش محلہ ''امام'' میں تھی جو جامع مسجد دہلی کے مقابل پر واقع تھا۔ حضرت شاہ غلام علی ﷫ فرماتے ہیں کہ: ''حضرت مرزا مظہر جان جاناں ﷫ سے ہزاروں ہزار خلق خدا نے فیض حاصل کیا۔ دو سو حضرات تعلیم طریقہ کی اجازت سے سرفراز ہو کر مخلوق خدا کی ہدایت کے لئے مصروف عمل ہوئے۔ پچاس افراد صرف امبالہ کے، فیض صحبت سے سرفراز ہوئے۔ صبح و شام دو سو افراد کو آپ طریقہ مجددیہ نقشبندیہ کے مطابق توجہ دیتے تھے۔'' یہ آپ کے گھر پر ہوتا تھا۔ یا جہاں آپ نماز پڑھتے تھے وہاں ہوتا تھا؟ سلسلہ سلوک کے راہی یا تاریخ کے طالب علم کا یہ موضوع ہے۔ مجھے تو سرسری طور پر جو معلوم ہوا وہ یہ کہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں ﷫ کی اہلیہ نے پختی قبر کے متصل ایک حویلی خریدی تھی۔ وہاں پر حضرت مرزا صاحب ﷫ کو دفن کیا گیا۔ جہاں پر آج مزار مبارک واقع ہے۔ پھر آپ کی اہلیہ نے اسی حویلی کے متصل دوسری حویلی خریدی اور یہ دونوں حویلیاں یکجا کر کے خانقاہ شریف اور اس کے متعلقین کے لئے وقف کر دیں۔ دوسری حویلی ۱۹۰۱ء میں خریدی گئی۔ دونوں حویلیوں کا اہلیہ محترمہ حضرت مرزا صاحب ﷫ نے وقف نامہ تحریر کرایا۔ اس پر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ﷫ (وفات ۱۸۲۳ء) مولانا حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی ﷫ (وفات ۱۸۱۰ء) کے بطور گواہ دستخط کرائے۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں ﷫ کی قبر مبارک ''مزار شریف'' کا جو احاطہ ہے اس میں مسجد، لائبریری، مہمانوں کے کمرے، سجادہ نشین حضرات کی بیعت و ارشاد کی مسند، ہال، مہمان خانے وغیرہ کی صاف ستھری عمارت اور نفیس فرش اور عمدہ صفائی کا اہتمام کی جو موجودہ شکل ہے اس کے بانی حضرت شاہ غلام علی دہلوی ﷫ تھے۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے مزار کے چبوترہ پر چار قبور مبارکہ ہیں۔

۱..... حضرت مرزا مظہر جان جاناں ﷫ (وفات: ۱۷۸۱ء)

۲..... حضرت شاہ غلام علی دہلوی ﷫ (وفات: ۱۸۲۴ء)

۳...... شاہ ابوسعید مجددی ؒ (وفات: ۱۸۳۵ء)

۴...... حضرت شاہ ابوالخیر مجددی ؒ (وفات: ۱۹۲۳ء)

حضرت شاہ ابوسعید مجددی ؒ کے خلیفہ وجانشین وصاحبزادہ گرامی حضرت شاہ احمد سعید مجددی ؒ تھے۔ جن کی وفات ۱۸۶۰ء حجاز مقدس میں ہوئی۔ انہوں نے اپنے والد گرامی کے بعد چوبیس برس تک مسند کی رونقوں کو بحال رکھا۔ شاہ احمد سعید مجددی ؒ نے ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد دہلی سے حجاز مقدس کی طرف ہجرت کی۔ دہلی سے آپ ڈیرہ اسماعیل خان، موسیٰ زئی شریف تشریف لائے۔ اپنے نامور خلیفہ حضرت حاجی دوست محمد قندھاری ؒ کو خانقاہ مظہریہ دہلی کی تولیت سپرد کی اور خود حجاز مقدس تشریف لے گئے۔ حضرت حاجی دوست محمد صاحب قندھاری ؒ نے اپنے ایک خلیفہ مولوی رحیم بخش اجمیری (وفات ۱۸۶۶ء) کو یہاں قیام پذیر ہونے کا حکم دیا۔ جو اپنے دم واپسیں تک اس خانقاہ عالیہ کے متولی رہے۔

ان کے وصال کے بعد حضرت حاجی دوست محمد صاحب قندھاری ؒ (وفات ۱۸۶۸ء) نے اس خانقاہ مظہریہ دہلی کا نظم حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی ؒ (وفات ۱۸۹۷ء) کے سپرد کیا۔ پہلے عرض ہو چکا کہ خواجہ احمد سعید مجددی ؒ حجاز مقدس ہجرت فرما گئے تھے۔ آپ کے صاحبزادہ شیخ محمود ؒ تھے۔ ان کے صاحبزادہ شاہ ابوالخیر مجددی ؒ تھے۔ شاہ ابوالخیر مجددی حجاز مقدس سے دہلی واپس آئے تو مولانا خواجہ محمد عثمان دامانی ؒ نے دہلی تشریف لاکر شاہ ابوالخیر مجددی ؒ کو یہ خانقاہ مظہریہ سپرد کی۔ آپ اپنے وصال ۱۹۲۳ء تک اس خانقاہ شریف کے امین وسجادہ نشین رہے۔ شاہ ابوالخیر مجددی ؒ کے صاحبزادہ ابوالحسن زید فاروقی ؒ تھے۔ جو ۱۹۲۳ء سے اپنے وصال ۱۹۹۳ء تک اس خانقاہ شریف کے سجادہ نشین رہے۔

شاہ عبدالغنی مجددی ؒ کے مختصر حالات

حضرت مجدد الف ثانی ؒ کے صاحبزادہ حضرت خواجہ محمد معصوم ؒ تھے۔ ان کے صاحبزادہ خواجہ سیف الدین ؒ تھے۔ ان کے صاحبزادہ شاہ محمد عیسیٰ ؒ تھے۔ ان کے صاحبزادہ عزیز القدر ؒ تھے۔ ان کے صاحبزادہ صفی القدر ؒ تھے۔ ان کے صاحبزادہ شاہ ابوسعید ؒ تھے۔ ان کے صاحبزادہ شاہ عبدالغنی مجددی ؒ تھے۔ یہ شاہ عبدالغنی مجددی ؒ، حضرت نانوتوی ؒ اور حضرت گنگوہی ؒ اور مولانا خلیل احمد سہارنپوری ؒ کے استاذ ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم شاہ رفیع الدین ؒ بھی شاہ عبدالغنی مجددی ؒ کے شاگرد اور خلیفہ

تھے۔ اس تفصیل سے یہ دکھانا مطلوب ہے کہ دیو بندی مکتب فکر کی سند حدیث میں جو شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر مبارک آتا ہے اس سے مراد شاہ عبدالغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے چھوٹے صاحبزادہ کا نام بھی شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ دیو بندی مکتب فکر کی سند حدیث میں شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ مراد نہیں ہیں۔ بلکہ شاہ عبدالغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ یہ شاہ عبدالغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ جو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ یوں دیو بندی مکتب فکر کے اکابر کی سند حدیث شاہ عبدالغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ سے آگے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ سند سے متصل ہو جاتی ہے۔ غرض دیو بندیت کا سلسلہ فیض حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایسے بزرگوں کے خانوادہ علم سے مرکب ہے۔ جس میں شریعت، طریقت، اتباع سنت اور سلوک کے دونوں پہیوں پر دیو بندی علم و فضل کی گاڑی سوئے منزل رواں دواں ہے۔

فقیر دوسری تفصیلات میں کھو گیا۔ لیکن ایک لائق اعتناء ضروری امر یہ ہے کہ حضرت خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ بن خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ بن حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اولا د در اولاد میں خواجہ محمد آفاق رحمۃ اللہ علیہ صاحب ہیں۔ ان کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے خلیفہ حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جو رد قادیانیت کے میدان میں اپنے دور میں آیت من آیات اللہ کا مصداق تھے۔ یہی حضرت مونگیری رحمۃ اللہ علیہ ندوۃ العلماء کے بانی بھی ہیں۔ جس کے ستون اعظم حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ اسی طرح خواجہ سیف الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ سندھ میں حضرت مخدوم ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ تھے اور حضرت خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی حضرت خواجہ محمد معصوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مخدوم آدم ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ، ان کے اور مخدوم ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ سے سندھ باب الاسلام میں سلسلہ نقشبندیہ کو عروج حاصل ہوا اور پھر خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خلیفہ شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ان کے خلیفہ خالد رومی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ان کے ذریعہ سے روم و شام اور عرب میں سلسلہ نقشبندیہ کو جو عروج حاصل ہوا ملاحظہ ہو کہ حضرت خالد رومی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید صاحب رد المحتار شرح درمختار (علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ) ایسے حضرات بھی تھے۔

اسی طرح مولانا فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مولانا عبدالغفور عباسی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ان کے

ذریعہ بھی سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے اثرات حجاز مقدس میں پہنچے۔ غرض دارالعلوم دیوبند ہو یا ندوۃ العلماء، سرہند شریف ہو یا خانقاہ مظہریہ دہلی ہو، روم وشام ہو یا عرب، ہر چہار جانب حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے سلسلہ سلوک کے فیض کے اثرات اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی خدمت حدیث کے برکات وثمرات سے ایک عالم نفع اٹھا رہا ہے۔ اس پورے سلسلہ میں دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتگان اس وقت نمایاں ہیں۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمہ اللہ کے آگے چل کر خلفاء میں حاجی دوست محمد قندھاری رحمہ اللہ، حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی رحمہ اللہ، حضرت خواجہ سراج الدین رحمہ اللہ اور حضرت خواجہ ابوالسعد احمد خان رحمہ اللہ بانی خانقاہ سراجیہ اور پھر ان کے خلیفہ حضرت مولانا محمد عبداللہ حضرت ثانی رحمہ اللہ ہوں یا ان کے خلیفہ خواجہ خواجگان حضرت خواجہ خان محمد صاحب رحمہ اللہ بیک وقت اگر یہ نقشبندی ومجددی ہیں تو ساتھ ہی دارالعلوم دیوبند کے فضلاء بھی ہیں۔ زہے نصیب! نقشبندی ومجددی ودیوبندی وحنفی تمام نسبتوں کا پرتو دیکھنا ہو تو پھر اسی راستہ پر بڑھتے چلو آؤ! جہاں آج فقیر ان کے تذکروں سے اپنے من کی دنیا کو شاد کر رہا ہے۔ معافی چاہتا ہوں بہت دور چلا گیا۔ اب واپس آتے ہیں۔ خانقاہ مظہریہ دہلی حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمہ اللہ کے نام سے معروف ہے۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمہ اللہ کے مختصر حالات زندگی

اورنگزیب عالمگیر رحمہ اللہ کے شاہی امراء میں ایک نامور نام ''مرزا جان رحمہ اللہ'' کا ہے۔ مرزا جان رحمہ اللہ کے ہاں صاحبزادہ تولد ہوئے۔ جن کا نام مرزا مظہر جان جاناں رحمہ اللہ، عالمگیر نے تجویز کیا۔ مرزا مظہر جان جاناں رحمہ اللہ کی ولادت ۱۱۱۱ھ یا ۱۱۱۳ھ ماہ رمضان المبارک میں ہوئی۔ آپ کا بچپن والدین کے ساتھ آگرہ میں گزرا۔ پھر آپ والدین کے ساتھ دہلی آ گئے۔ فارسی کی ابتدائی تعلیم آپ نے والد گرامی سے حاصل کی۔ آپ کے والد گرامی مولانا میر زاہد رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ مولانا میر زاہد رحمہ اللہ کا ایک قول مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ سے منقول ہے۔ ''مرزا جان رحمہ اللہ کی تقریر میری جان ہے۔'' یاد رہے کہ مولانا میر زاہد رحمہ اللہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے والد گرامی حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمہ اللہ کے بھی استاذ تھے۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمہ اللہ نے قاری عبدالرسول رحمہ اللہ سے قرآن مجید پڑھا۔ تجوید وقرأت کی بھی ان سے سند حاصل کی۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمہ اللہ نے والد گرامی کی وفات ۱۱۳۰ھ کے بعد کئی مبسوط کتب حاجی محمد افضل سیالکوٹی رحمہ اللہ سے پڑھیں۔ حدیث وتفسیر کی بھی اجازت

حاصل کی۔ تحصیل علوم کے بعد جب حضرت الاستاذ سیالکوٹی سے اجازت چاہی تو انہوں نے پندرہ سال سے عمامہ کے نیچے زیر استعمال کلاہ اتار کر حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے سر پر رکھ دیا۔ فراغت کے بعد آپ عرصہ تک طلباء کو درسی کتب پڑھاتے بھی رہے۔ علاوہ ازیں سپاہ گری، گھڑ سواری، تیر اندازی ایسے فنون میں بھی آپ نے کمال حاصل کیا۔

آپ کے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ ایک بار آپ گھوڑے پر سوار جارہے تھے سامنے سے مست ہاتھی آتا دکھائی دیا۔ فیل بان نے دہائی دی، ہٹ جایئے! آپ نے جانور سے ڈر جانا بزدلی گردانا۔ اسی طرح چلتے رہے۔ ہاتھی نے اپنی سونڈ کی لپیٹ میں آپ کو لیا۔ آپ نے خنجر سے اس کی سونڈ پر وار کیا۔ ہاتھی نے بلبلا کر آپ کو دور اچھال دیا۔ آپ کو قدرت نے بچالیا۔ کوئی گزند نہ پہنچا۔ اس سے آپ کی جرأت کو سمجھا جاسکتا ہے۔

والد صاحب کے وصال کے بعد والد صاحب کے دوست آپ کو بادشاہ ''فرخ سیر'' کے دربار میں لے کر گئے کہ والد گرامی کی اسامی شاہی امراء پر آپ کا تقرر ہو جائے۔ اس دن اتفاق سے بادشاہ نے دربار نہ لگایا۔ اسی رات آپ نے خواب بھی دیکھا کہ ایک بزرگ نے آپ کے سر پر اپنا کلاہ رکھا ہے۔ صبح بیدار ہوئے تو اسے منجانب اللہ اشارہ غیبی سمجھ کر شاہی امراء کے زمرہ میں داخل ہونے کی بجائے زمرۂ فقراء میں شامل ہونے کے لئے ساعی ہوئے۔

آپ نے اپنے وقت کے متعدد سلوک کے ائمہ سے اکتساب کیا۔ بالآخر حضرت خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت سید نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے۔ بیعت ہوتے ہی پیر و مرید میں اتنا انس پیدا ہوا کہ صبح و شام مرشد کی خدمت میں حاضر باش رہنے لگے۔ پھر وقت آیا کہ آپ کو حضرت بدایونی رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت ملی اور پھر یہ بھی وقت آیا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایسے کامل نے حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کو داعی سنت قرار دیا اور فرمایا کہ: ''میری نظر میں روئے زمین کے کسی شہر و اقلیم میں مرزا مظہر جان جاناں کا مثل نہیں ہے۔ سلوک کے آرزومندان کی خدمت میں جائیں۔'' اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے رفقاء کو حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کسب فیض کے لئے بھیجتے تھے اور پھر مکتوبات میں جس طرح حضرت شاہ ولی اللہ نے حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق وقیع القاب استعمال فرمائے ہیں۔ اس سے آپ کے علو شان کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ صفائی قلب کے لئے قرآن مجید کی تلاوت پر زور

دیتے تھے۔شیخ اپنے مرید کے لئے بمنزلہ حکیم کے ہوتا ہے کہ طبیعت کے میلان یا برداشت کے مطابق نسخہ علاج تجویز کرتا ہے۔کوئی منازل سلوک کے لئے ذکر واذکار پر زور دیتے ہیں۔کوئی نوافل پر زور دیتے ہیں۔کوئی تلاوت کلام اللہ پر زور دیتے ہیں۔مقصود ان تمام سے سلوک کی منزل درجہ ''احسان'' تک پہنچانا ہوتا ہے اور بس۔غرض مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ متفقہ طور پر اہل نظر کاملین کے نزدیک اکابر صوفیاء میں سے تھے۔

آپ بہت ہی نفیس الطبع بزرگ تھے۔اس کے باوجود مزاج میں سادگی تھی۔استغناء کا یہ عالم تھا کہ ایک بار نظام الملک نے تیس ہزار روپے نذر کئے۔آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔انہوں نے اصرار سے عرض کیا کہ لے کر رکھ لیں۔فقراء میں تقسیم فرما دیجئے۔آپ نے فرمایا کہ میں تمہارا قلی نہیں کہ رقم بانٹتا پھروں۔آپ خود میرے ہاں سے باہر نکلتے ہی تقسیم کرنا شروع کر دیں۔گھر تک پہنچنے سے قبل رقم تقسیم ہو جائے گی۔

سفر آخرت

۳ رجنوری ۱۷۸۱ء کو عشاء کے بعد تین آدمی ملاقات کے لئے آئے۔خادم نے عرض کیا، آپ نے ملاقات کی اجازت دے دی۔تینوں آکر آپ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ایک نے آپ سے پوچھا کہ مرزا مظہر جان جاناں آپ ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں میں ہی ہوں۔اس آدمی کے جو ہمراہی تھے، انہوں نے بھی تصدیق کی کہ واقعی آپ مرزا مظہر جان جاناں ہیں۔اس آدمی نے گولی چلادی جو قلب کے قریب سینے سے پار ہو گئی۔یہ تینوں دوڑ گئے اور آپ تین دن تک صاحب فراش رہنے کے بعد راہی ملک عدم ہوئے۔شہید اسلام مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۰ رمحرم ۱۱۹۵ھ مطابق ۶ رجنوری ۱۷۸۱ء بروز جمعہ بوقت عصر حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ دن ابھی کتنا باقی ہے۔انہوں نے عرض کیا کہ چار گھڑی باقی ہے۔فرمایا کہ مغرب ابھی دور ہے؟ مغرب کی نماز کے وقت سانس مبارک میں شدت پیدا ہوئی اور روح مبارک نے عالم بالا کی طرف کوچ کیا۔آپ کے مزار کی چاردیواری کے دروازہ پر آپ کے دیوان سے آپ کا یہ شعر کندہ ہے۔

بہ لوح تربت من یافتند از غیب تحریرے   کہ ایں مقتول را جز بے گناہی نیست تقصیرے

ترجمہ: انہوں نے میری قبر کی لوح پر غیب سے یہ تحریر پائی کہ اس مقتول کا بے گناہی کے سوا کوئی گناہ نہیں ہے۔

آپ کے خلیفہ حضرت اخوند ملا نسیم ؒ کی خانقاہ واقع نورمحل ڈیرہ صوبہ سرحد میں خون آلود کپڑے، ایک پوٹلی جس میں روئی کی وہ دھجیاں ہیں جن سے آپ کا خون پونچھا گیا، موجود ہیں۔

حضرت شاہ غلام علی دہلوی ؒ آپ کے خلیفہ اور آپ کے جانشین نامزد ہوئے۔ آپ کے کئی نامور خلفاء تھے۔ ان سے ایک حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی (وفات ۲ راگست ۱۸۱۰ء) بھی شامل ہیں۔ اگر خلیفہ حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی ؒ جیسے بزرگ تھے تو شیخ کے مقام کا کیا ٹھکانا ہوگا؟

حضرت مرزا مظہر جان جاناں ؒ نے وصیت فرمائی تھی کہ میری لائبریری کی تمام کتب حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی ؒ کے سپرد کر دی جائیں۔ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب ؒ نے اپنی شہرہ آفاق تفسیر کا نام "المظہری" اپنے شیخ کے نام کی نسبت سے رکھا تھا۔ آپ فارسی شاعری کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔

حمدیہ و نعتیہ اشعار آپ کی اللہ کریم اور اس کے رسول مقبول ﷺ سے بے پناہ محبت وعقیدت کے آئینہ دار ہیں۔

خدا در انتظار حمد مانیست	محمد چشم بر راہ ثنانیست
خدا خود مدح گوئے مصطفی بس	محمد حامد حمد خدا بس
مناجات اگر باید تواں کرد	بہ بیتے ہم قناعت میتواں کرد
محمد از تو می خواہم خدارا	الٰہی از تو عشق مصطفی را

ترجمہ: خدا ہمارے حمد کرنے کے انتظار میں نہیں ہے۔ (حضرت) محمد ﷺ ہمارے تعریف کرنے کے انتظار میں نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہی (حضرت محمد) مصطفیٰ (ﷺ) کی تعریف کرنے کے لئے کافی ہے۔ اگر کوئی مناجات بیان کرنا چاہے تو ایک شعر پر ہی قناعت کی جاسکتی ہے۔ (اے حضرت) محمد (ﷺ) آپ کے طفیل خدا کو چاہتا ہوں اور (اے) اللہ تعالیٰ (تیری ذات) سے (حضرت محمد) مصطفیٰ (ﷺ) کی محبت چاہتا ہوں۔

یہ آپ کے اشعار ہیں۔ برصغیر کے نامور خطیب مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی ؒ اپنے خطاب کا آغاز ان اشعار سے کیا کرتے تھے۔ برصغیر کے نامور تعلیمی ادارہ

دارالعلوم دیوبند کے پون صدی تک فائز رہنے والے مہتمم اور حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمہ اللہ نے حضرت مولانا احمد سعید دہلوی رحمہ اللہ کی تفسیر ''کشف الرحمٰن'' پر گراں قدر مقالہ افتتاحیہ کا آغاز انہیں اشعار سے کیا ہے۔ اسی پر حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمہ اللہ کے مبارک ذکر کا اختتام کرتا ہوں۔

یاد رہے کہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمہ اللہ سادات علویہ میں سے تھے۔ آپ کا نسب اٹھائیس واسطوں سے بتوسط محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ (وفات ۸۱ھ مطابق ۷۰۱ء) امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ تک پہنچتا ہے۔ زہے نصیب!

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمہ اللہ کے بعد آپ کے خلیفہ اور جانشین حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمہ اللہ تھے۔ آپ نے اپنے شیخ اور مرشد حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمہ اللہ کے وصال کے بعد ان کے مرقد کے پاس مسجد و خانقاہ و لائبریری تعمیر کی۔ آپ کی قبر مبارک بھی مرزا مظہر جان جاناں رحمہ اللہ کے مقبرہ کے چبوترہ پر آپ کے ساتھ ہے۔ یہاں بھی اللہ رب العزت نے حاضری کی سعادت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمہ اللہ کے مختصر حالات

حضرت شاہ غلام علی رحمہ اللہ کے والد گرامی کا نام شاہ عبداللطیف رحمہ اللہ تھا۔ سیدنا علی المرتضیٰ امیر المومنین کو آپ نے خواب میں دیکھا کہ وہ بشارت دے رہے ہیں: ''عبداللطیف اللہ تعالیٰ تمہیں بیٹا دیں گے۔ ان کا نام میرے نام پر رکھنا۔''

شاہ عبداللطیف صاحب رحمہ اللہ بٹالہ کے رہنے والے تھے۔ قادری، چشتی سلسلہ سے تعلق تھا۔ ان کے شیخ ناصر الدین قادری رحمہ اللہ (وفات ۱۱۷۱ء) تھے۔ یہ دہلی کے رہنے والے تھے۔ اس لئے شاہ عبداللطیف رحمہ اللہ بٹالہ سے مستقل شیخ کا قرب حاصل کرنے کے لئے دہلی میں مقیم ہو گئے۔ شاہ عبداللطیف صاحب رحمہ اللہ کے ہاں صاحبزادہ صاحب پیدا ہوئے۔ انہوں نے ان کا نام علی رکھا۔ صاحبزادہ علی بٹالہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت ۱۷۴۳ء یا ۱۷۳۵ء بیان کی جاتی ہے۔ یاد رہے کہ والد صاحب نے سیدنا علی المرتضیٰ کی بشارت و حکم پر آپ کا نام علی رکھا۔ لیکن بڑے ہو کر آپ نے خود اپنے نام کے ساتھ ابتداء میں غلام کا اضافہ کر دیا۔ اب آپ غلام علی کہلائے۔ بعد میں شاہ غلام علی دہلوی رحمہ اللہ کے نام سے شہرت پائی۔ جس طرح والد گرامی نے خواب میں آپ

کے نام "علی" کی بشارت پائی تھی۔ اس طرح آپ کی والدہ نے بھی آپ کی پیدائش سے قبل خواب دیکھا کہ اپنے بیٹے کا نام عبدالقادر رکھنا۔ اسی طرح آپ کے چچا حضور نے خواب میں آنحضرت ﷺ کی زیارت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نومولود کا نام عبداللہ رکھنا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ غلام علی اپنی تالیفات میں اپنا نام، "فقیر عبداللہ عرف غلام علی" لکھتے تھے۔ لیکن عوام وخواص میں آپ نے "حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ" نام سے شہرت پائی۔

سولہ سال کی عمر تک آپ بٹالہ میں رہے۔ جب کہ آپ کے والد دہلی میں اپنے مرشد حضرت ناصر الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں رہتے تھے۔ جب آپ سولہ سال کی عمر کو پہنچے تو والد گرامی نے آپ کو دہلی بلا بھیجا تاکہ اپنے مرشد سے اپنے صاحبزادہ کی بیعت کرائیں۔ آپ ۱۷۶۱ء کو دہلی حاضر ہوئے۔ جس دن آپ نے دہلی قدم رکھا اس رات آپ کے والد گرامی حضرت شاہ عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد، ناصر الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوگیا تو والد صاحب نے آپ سے فرمایا کہ خدا کو یہی منظور تھا۔ اب اپنے مرشد کا خود انتخاب کریں۔

اس خبر سے اندازہ یہی ہوتا ہے کہ سولہ سال کی عمر میں بٹالہ ہی میں آپ نے قرآن مجید اور قرأت اور عربی کتب کی تعلیم حاصل کی۔ آپ نے دہلی پہنچ کر مزید چار سال عربی کتب کی تکمیل کی۔ آپ نے شاہ ضیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہ، شاہ عبدالعدل رحمۃ اللہ علیہ، شاہ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ سے کسب علم کیا۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث شریف پڑھی اور سند حاصل کی۔ اپنے مرشد حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ سے بھی حدیث شریف کا علم حاصل کیا۔

حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی عمر بائیس سال کو پہنچی تو آپ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوئے۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "جہاں ذوق وشوق پاؤ وہاں بیعت کرو۔ یہاں تو بغیر نمک کے پتھر چاٹنا ہوگا۔" حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ: "مجھے منظور ہے۔" حضرت نے فرمایا کہ: "پھر مبارک ہو۔" چنانچہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوگئے۔ برابر پندرہ سال اپنے شیخ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہ کر سلوک کی تکمیل کی۔

ایک مرتبہ شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ابتداء میں معاش کی بہت تنگی تھی۔ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر راہ توکل اختیار کرلیا۔ پرانی بوری کا بستر اور اینٹ کا سرہانہ بنالیا۔ ایک مرتبہ

شدت ضعف میں حجرہ کا دروازہ بند کرلیا کہ یہی میری قبر ہے۔ انہوں نے کمرہ کا دروازہ بند کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فتوحات کا دروازہ کھول دیا۔ فرماتے تھے کہ اب پچاس سال سے ذات الٰہی پر قناعت کر کے بیٹھا ہوں۔

پہلے آپ نے پڑھ لیا کہ حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ کے تولد سے قبل والدہ نے خواب دیکھا کہ نومولود کا نام عبدالقادر رکھنا۔ ایک وقت آیا کہ آپ نے حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ سے کسب فیض کیا اور شیخ کامل بنے۔ اچانک طبیعت میں وہ "عبدالقادر نام رکھنا" کی بات کا اثر شروع ہو گیا کہ کہیں نقشبندی سلسلہ میں انہماک سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ناراض نہ ہو جائیں۔ اب اس امر کا بہت ہی غلبہ ہوا تو خواب میں دیکھا کہ برابر میں دو مکان ہیں۔ ایک مکان میں حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما ہیں۔ دوسرے میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تو میں حضرت نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے مکان کی جانب بڑھا تو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "ہاں ٹھیک ہے۔ آپ اسی طرف ہی جائیں۔ یہی خدا کی منشاء ہے۔ جاؤ کوئی مضائقہ نہیں۔" اب خواب سے بیدار ہونے تو طبیعت کا اضطراب رفع ہو چکا تھا۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ان کے جانشین ہوئے اور طالبان کی تربیت شروع کی۔ اشغال طریقہ نقشبندی میں جاری کیا۔ اس سلسلہ کی ترویج واشاعت فرمائی۔ آپ کے عقیدت مند آپ کو الف ثالث کا مجدد سمجھنے لگے۔ اس لئے کہ خالد رومی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ عرب، ترکی، شام، روم، عراق وغیرہ میں اس طریقہ کی بھرپور ترویج ہوئی اور خود دہلی میں ایک طرف اگر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مدرسہ رحیمیہ تھا جس میں میانہ روی سے علم وعرفان کی بارش تھی۔ دوسری طرف خانقاہ مظہریہ تھی۔ جس میں مجددی طریقہ کا ذوق احیائی اور تصوف وسلوک کا رنگ نمایاں تھا۔

صرف انبالہ شہر میں آپ کے خلفاء عظام کی تعداد پچاس تھی۔ بقول سرسید "آپ کی ذات فیض آیات سے تمام جہاں میں فیض پھیلا اور ملکوں ملکوں کے لوگوں نے آ کر بیعت کی۔ آپ کی خانقاہ شریف میں روم، شام، بغداد، مصر، چین اور حبش کے لوگ حاضر خدمت ہو کر بیعت ہوئے اور انہوں نے خانقاہ مظہری شریف کی خدمت کو سعادت ابدی سمجھا اور قریب قریب کے شہروں کا مثل ہندوستان، پنجاب اور افغانستان کا تو کچھ ذکر نہیں کہ ٹڈی دل کی طرح امنڈتے تھے۔ آپ کی

خانقاہ شریف میں پانچ سو فقیر سے کم نہیں رہتا تھا اور سب کا روٹی کپڑا آپ کے ذمہ تھا اور باوجودیکہ کہیں سے ایک حبہ مقرر نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ غیب سے کام چلاتا تھا۔" (آثار الصنادید ص ۴۶۴)

شاہ عبدالروف مجددی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک روز طالبان میں سمرقند، بخارا، غزنی، تاشقند، حصار، قندھار، کابل، کشمیر، پشاور، ملتان، لاہور، سرہند، امروہہ، سنبھل، رام پور، بریلی، لکھنؤ، جائس، بہرائچ، گورکھ پور، عظیم آباد، ڈھاکہ، حیدرآباد اور پونا وغیرہ کے لوگ سینکڑوں میں جمع تھے اور یہ بات ۲۷/اپریل ۱۸۱۶ء کی ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ کے ذریعہ حق تعالیٰ نے کس طرح نقشبندی مجددی سلسلہ کو عروج بخشا۔ خانقاہ شریف میں ایک ہی کھانا ہوتا جو آپ کھاتے۔ وہی سب لوگوں کو ملتا اور جو آپ پہنتے، وہی کھدر سب خانقاہ کے مقیمین کو ملتا۔

آپ کے مطالعہ و کتب بینی اور علم دوستی کا یہ عالم تھا کہ جب آپ کا وصال ہوا تو ترمذی شریف کا آپ مطالعہ فرما رہے تھے۔ ۱۶/اکتوبر ۱۸۲۴ء کو صبح اشراق کے بعد مولانا خواجہ شاہ ابوسعید مجددی رحمۃ اللہ علیہ کو بلوایا۔ ان کی طرف توجہ فرمائی اور آپ کا وصال ہو گیا۔ حضرت شاہ ابوسعید مجددی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے خلیفہ و جانشین مقرر ہوئے۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے مقبرہ کے چبوترہ پر چار قبور مبارکہ میں سے ایک قبر مبارک حضرت شاہ ابوسعید مجددی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ چنانچہ اس پر بھی حاضری اور دعاء و ایصال ثواب کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت شاہ ابوسعید مجددی رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات

مولانا شاہ ابوسعید مجددی رحمۃ اللہ علیہ ۹/اکتوبر ۱۷۸۲ء کو رام پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام ذکی القدر اور کنیت ابوسعید تھی۔ آپ کا سلسلہ نسب پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ آپ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان سے تھے۔ ۱۰ سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ بعد میں قاری نسیم رحمۃ اللہ علیہ سے تجوید بھی پڑھی۔ آپ قرآن مجید خوبصورت دلکش ترنم کے ساتھ پڑھتے تھے۔ جو سنتا محو ہو جاتا تھا۔ آپ نے کتب مفتی شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ حنفی رام پوری سے حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ سراج احمد مجددی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں اور علم حدیث شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا۔ پہلے والد صاحب سے سلوک حاصل کیا۔ پھر شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور خلافت حاصل کی اور پھر ان کے جانشین بنے۔ ۳/جنوری ۱۸۳۵ء کو ریاست ٹونک میں حجاز مقدس کے سفر حج سے واپسی پر رحلت فرمائی۔ آپ کی

میت مبارک ٹونک سے دہلی لائی گئی اور خانقاہ مظہریہ میں مدفون ہوئے۔ آپ کے تین صاحبزادے تھے شاہ احمد سعید مجددی ؒ، شاہ عبدالغنی مجددی ؒ مہاجر مدنی اور شاہ عبدالمغنی ؒ۔ حق تعالیٰ سب کی ارواح مبارکہ کو مزید قرب نصیب فرمائے۔

خانقاہ مظہریہ کے مزارات کے چبوترہ پر چوتھی قبر مبارک ''شاہ ابوالخیرؒ'' کی ہے۔ یہ حالات ایسی جگہ بیٹھ کر لکھ رہا ہوں جہاں ان کے حالات ملنے مشکل ہو رہے ہیں۔ لہٰذا ''خانقاہ مظہریہ دہلی'' کے ذکر میں آپ کے جتنے حالات لکھے جاچکے اسی پر اکتفاء کرتا ہوں باقی ترک کرتا ہوں۔ ان مزارات پر حاضری دی۔ مسجد کو صحن میں کھڑے ہوکر دیکھا۔ باہر سے لائبریری کو دیکھا۔ خانقاہ شریف کے خدام میں سے کسی نے صاحبزادہ کو اطلاع کردی وہ تشریف لائے۔ انہوں نے اپنا حجرہ کھلوایا۔ ہم سب زائرین وہاں پر آپ سے ملے۔ حضرت مولانا زاہد الراشدی نے حضرت مولانا ابوالزاہد سرفراز خان صفدر ؒ۔ اپنے والد گرامی کے خلیفہ مولانا حسین علی واں بھچراں ؒ اور حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب ؒ سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ کے حوالہ سے تعارف کرایا تو موجودہ سجادہ نشین خانقاہ مظہریہ نے بھرپور محبت سے سرفراز فرمایا۔ انہوں نے چائے کی دعوت دی۔ لیکن وفد نے قلت وقت کا عذر کر کے اجازت چاہی۔ یہاں سے واپس آئے تو اب دہلی جامع مسجد کی زیارت کرنا تھی۔

دہلی جامع مسجد

یہاں سے چلے تو دہلی جامع مسجد پہنچنا تھا۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں جامع مسجد دہلی ولال قلعہ کے درمیان کی تمام آبادی منہدم کردی گئی۔ دہلی مسجد کی سیڑھیوں پر کھڑے ہوں تو سامنے لال قلعہ ہے۔ لیکن اب یہاں بہت بڑی کھوکھا مارکیٹ بھی بن گئی ہے۔ البتہ وہ بالکل نیچے میدان میں ہے۔ اس لئے وہ مسجد وقلعہ کے حسن کے سامنے رکاوٹ نہیں ہے۔ اسی مارکیٹ کے ایک جانب بس کھڑی ہوئی۔ دن بھر کے تھکے ماندے تھے۔ چلنا دوبھر ہو رہا تھا۔ بس سے خاصہ چل کر مارکیٹ کراس کر کے جامع مسجد دہلی میں اپنی عصر کی نماز پڑھی۔ جماعت ہوچکی تھی۔ فقیر تو اتنا تھک گیا تھا کہ مسجد کے صحن میں ہی نماز پڑھ لی۔ اب جب اٹھے تو مسجد کے اندرونی حصہ گنبد والے ہال میں بھی حاضری دی۔ لاہور کی شاہی مسجد اس سے وسیع وعریض ہے۔ یہی حال لال قلعہ کا ہے۔ دہلی لال قلعہ سے لاہور کا شاہی قلعہ بڑا اور زیادہ خوبصورت ہے۔ فقیر نے لاہور کے

قلعہ کو اندر سے پھر کر بھی دیکھا ہے۔ جب کہ لال قلعہ دہلی کا باہر سے کھڑے کھڑے نظارہ کیا۔ جس پر انڈیا کا جھنڈا بڑی بج دھج سے لہرا رہا تھا۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ اب تھکے ماندے سیڑھیوں سے اترے، کھوکھا مارکیٹ کے درمیان سے گزرے پھر سیڑھیاں چڑھے تو ایک خوبصورت قدرے کشادہ پارک میں تھے۔ یہ مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ پارک ہے اور اس میں اونچے چبوترہ پر چار ستونوں پر کھڑی چھت سنگ مرمر سے آراستہ، کے نیچے خوبصورت اور دیدہ زیب قبر مبارک ہے۔ یہ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی آخری آرام گاہ ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات

اب جب کہ ''سفرنامے'' کے آخری دن کی آخری زیارت گاہ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ پر مجھے لکھنا ہے۔ ایسی صورتحال پیدا ہوئی کہ ادھر تو بالکل تھک گیا ہوں۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے یہ فضل فرمایا کہ: ''ہیں بڑے مسلمان'' کتاب میں مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی سوانحی زندگی پر ''انڈکس'' مل گیا۔ اس کے بعد مزید سوانح پر لکھنا غیر ضروری ہوگیا۔ اسی کتاب میں میرے مرشد آغا شورش کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کے سفر آخرت کے حالات مل گئے اور پھر ۱۹۴۷ء میں تقسیم کے موقع پر آپ کی دہلی جامع مسجد میں تقریر مل گئی۔ ان چیزوں کے ہوتے ہوئے مزید لکھنا عبث سمجھتا ہوں۔ عجیب ہے کہ سفرنامہ کا آخری حصہ لکھا لکھایا شامل کر رہا ہوں۔ ورنہ اس سے قبل تو ایک ایک حرف لکھا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کا اصل نام محی الدین احمد تھا۔ لیکن ابوالکلام کے نام سے مشہور ہوئے۔

۱۸۸۸ء......۱۱ر نومبر کو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔

۱۸۹۸ء......مکہ معظمہ سے کلکتہ آئے۔

۱۹۰۲ء......رسالہ لسان الصدق جاری کیا۔

۱۹۰۳ء......انجمن حیات اسلام لاہور کے سالانہ اجلاس میں خطبہ پڑھا۔

۱۹۰۹ء......آپ کے والد ماجد کا انتقال ہوا۔

۱۹۱۲ء...... اردو اخبار ''الہلال'' جاری کیا۔

۱۹۱۴ء...... حکومت نے ''الہلال'' کی ضمانت ضبط کر لی اور اخبار بند ہوگیا۔ ''البلاغ'' جاری کیا۔

۱۹۱۵ء...... حکومت بنگال نے بنگال سے جلاوطن کر دیا۔

۱۹۱۶ء...... رانچی (بہار) میں نظر بند کر دیے گئے۔

۱۹۲۰ء...... رہا کر دیے گئے۔ دہلی میں پہلی مرتبہ مہاتما گاندھی سے ملاقات ہوئی۔ مہاتما گاندھی کی قیادت میں تحریک عدم تعاون میں حصہ لیا۔ گرفتار ہوئے اور دو سال کے لئے قید کر دیے گئے۔

۱۹۲۳ء...... ستمبر میں انڈین نیشنل کانگریس کے خصوصی اجلاس منعقدہ دہلی کے صدر ہوئے۔

۱۹۳۰ء...... کانگریس کے قائمقام صدر ہوئے۔ پھر گرفتار کر لئے گئے اور ۱۹۳۴ء تک جیل میں رہے۔

۱۹۳۷ء...... کانگریس پارلیمنٹری سب کمیٹی کے ممبر ہوئے۔

۱۹۴۰ء...... پھر کانگریس کے صدر منتخب ہوئے اور ۱۹۴۶ء تک اس عہدے پر رہے۔

۱۹۴۲ء...... کانگریس کے خصوصی ترجمان کی حیثیت سے سر سٹیفورڈ کرپس سے بات چیت کی۔ اگست میں "ہندوستان چھوڑ دو" تحریک کے سلسلہ میں گرفتار کر لئے گئے اور تین سال تک نظر بند رہے۔

۱۹۴۳ء...... بیگم آزاد کا انتقال ہوا۔ آپ جیل میں تھے۔

۱۹۴۵ء...... دوسرے کانگریسی لیڈروں کے ساتھ رہا ہوئے۔ وائسرائے کی طرف سے منعقدہ شملہ کانفرنس میں کانگریس کے ترجمان کی حیثیت سے شریک ہوئے۔

۱۹۴۶ء...... کیبنٹ مشن کے ساتھ مذاکرات میں حصہ لیا۔

۱۹۴۷ء...... دستور ساز اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ عبوری حکومت میں تعلیم اور فنون لطیفہ کے ممبر ہوئے۔ ملک کی آزادی کے بعد ۱۵ اگست سے حکومت ہند کے وفاقی وزیر تعلیم ہوئے۔

۱۹۵۱ء...... پارلیمنٹ میں کانگریس پارٹی کے ڈپٹی لیڈر منتخب ہوئے۔

۱۹۵۲ء...... پہلے عام انتخابات میں پارلیمنٹ کے ممبر منتخب ہوئے۔ تعلیم، قدرتی ذرائع اور سائنسی تحقیقات کے وفاقی وزیر مقرر ہوئے۔

۱۹۵۵ء...... دوبارہ پارلیمنٹ میں کانگریس پارٹی کے ڈپٹی لیڈر منتخب ہوئے۔

۱۹۵۵ء...... دو ماہ کے لئے یورپ اور مغربی ایشیاء کے خیر سگالی دورے پر تشریف لے گئے۔

۱۹۵۶ء...... یونیسکو کی نویں عام کانفرنس منعقدہ دہلی کی صدارت کی۔

۱۹۵۷ء...... دوبارہ گوڑگاؤں کے حلقہ انتخاب سے لوک سبھا کے ممبر منتخب ہوئے۔ وزیر تعلیم، سائنسی تحقیقات کے عہدے پر برقرار رہے۔

۱۹۵۸ء...... ۲۲ رفروری کو دہلی میں رحلت فرما گئے۔

سفر آخرت

آپ کے "سفر آخرت" کے حالات پر آغا شورش کاشمیری رحمہ اللہ نے تحریر کیا کہ:

"۱۹؍فروری ۱۹۵۸ء کو پانچ بجے صبح حسب معمول امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ چائے پی کر غسل خانہ میں گئے کہ یکایک جسم کے دائیں حصہ پر فالج نے حملہ کیا اور بے بس ہو گئے اور بالآخر ۲۱ اور ۲۲؍فروری کی درمیانی شب میں دو بج کر دس منٹ پر موت نے اس عظیم انسان کے لئے اپنا دامن وا کر دیا جو اس دور میں سب سے بڑا ہندوستانی، سب سے بڑا انسان اور سب سے بڑا مسلمان تھا۔ تمام ہندوستان نے اشکبار چہروں کے ساتھ اپنے جھنڈوں کو سرنگوں کر دیا۔ جہاں جھنڈے سر جھکا رہے تھے وہاں لوگوں نے اپنے دلوں کے پرچم جھکا دیئے کہ اس دور کا ابن تیمیہ رحمہ اللہ رحمت خداوندی کی گود میں چلا گیا ہے۔ دم زدن میں موت کی خبر ہندوستان کی وساطت سے تمام دنیا میں نکل گئی۔ ہندوستان دیکھتے ہی دیکھتے تعزیت کدہ نظر آنے لگا۔ کاروبار بند ہو گئے۔ حتیٰ کہ بینکوں میں بھی ہڑتال ہو گئی۔

رحلت کا اعلان ہوتے ہی تین چار لاکھ انسان کوٹھی کے باہر جمع ہو گئے۔ گریہ وبکا کا طوفان بڑھتا رہا۔ لوگوں کے غول لگاتار چھ گھنٹے تک قطار اندر قطار کوٹھی کے صحن میں اپنے عظیم الشان راہنما کی زیارت کے لئے آتے ہی گئے۔ ہر مذہب، ہر عقیدہ، ہر فرقہ کے انسانوں کا سمندر جوار بھاٹا دینے لگا۔ ہندو اور سکھ عورتیں اور مرد نعش کے پاس سے گزرتے تو دونوں ہاتھ جوڑ کر نمسکار کرتے، ہر آنکھ میں آنسو تھے۔ ایک طرف راجندر پرشاد صدر جمہوریہ، ڈاکٹر رادھا کرشن نائب صدر، پنڈت جواہر لال نہرو اور دوسرے عمائدین ملک وقوم تصویر ماتم بنے کھڑے تھے جیسے وہ اس دن جینا نہیں چاہتے تھے۔ دوسری طرف لوگ آنسوؤں کی مالائیں چڑھاتے گزرتے جاتے تھے۔ کئی ہزار برقعہ پوش مسلمان خواتین، آزادی کے بعد پہلی مرتبہ نئی دہلی میں اس طرح یکجا اشکبار نظر آ رہی تھیں۔ حضرت مولانا تاریخ انسانی کے تنہا مسلمان تھے جن کے ماتم میں کعبہ وبت خانہ اس شدت سے سینہ کوب تھے۔

پنڈت جواہر لال نہرو سراپا گریہ تھے۔ انہیں سنبھالنے والے ہزاروں تھے۔ لیکن وہ لوگوں کو سنبھالنے کے لئے دوڑے پھر رہے تھے۔ تمام کوٹھی کے وسیع باغات انسانوں سے اٹ چکے تھے۔ لیکن لوگ اندر آنے کے لئے دروازہ پر ہجوم کرتے رہے۔ پنڈت نہرو پورٹیکو کے باہر لوگوں کو ایک عام رضا کار کی طرح ہاتھ پھیلا کر روکتے رہے اور جب جنازہ اٹھاتے کے لئے ان کو

بلایا تو ان کی نظریں، ہمرکاب سیکورٹی آفیسر پر رک گئیں۔ استفسار کیا۔ آپ کون؟ جواب ملا۔ سیکورٹی آفیسر، آپ کی حفاظت کے لئے۔ پنڈت نہرو نے کہا۔ کیسی حفاظت؟ موت تو اپنے وقت پر آتی ہے۔ بچا سکتے تو مولانا کو بچالیتے۔ یہ کہہ کر پنڈت نہرو بلک بلک کر رونے لگے۔

پونے بجے میت اٹھائی گئی۔ پہلا کندھا عرب ملکوں کے سفیروں نے دیا۔ جب کلمہ شہادت کی صداؤں میں جنازہ اٹھا تو عربی سفراء کاندھا دیتے وقت پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ پنڈت جواہر لال نہرو، خان محمد یونس خان، مسٹر کرشنا مینن، مسٹر پر بودھ چندر اور بخشی غلام محمد نے احاطہ سے باہر میت کو توپ گاڑی پر رکھا۔ راجندر بابو، دمہ کے مریض ہونے کے باوجود صبح ہی سے تصویر یاس بنے کھڑے تھے۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ "آج ۳۸ سال کی دوستی اور رفاقت کا انت ہو گیا۔" پنڈت پنت نے درد سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا: "مولانا ایسے لوگ پھر کبھی پیدا نہ ہوں گے اور ہم تو کبھی نہ دیکھ سکیں گے۔"

پنڈت نہرو کی ہچکی بندھ گئی۔ مولانا احمد سعید صاحب کی سفید داڑھی پر آنسوؤں کے موتی جگمگا اٹھے۔ تمام فضا میں نالہ ہائے شیون تیرنے لگے۔ مولانا کی بڑی بہن آرزو بیگم نے کوٹھی کی چھت سے بھائی کی میت پر آخری نظر ڈالی اور کہا: "اب کوئی آرزو باقی نہیں رہی۔"

جنازہ کی گاڑی میں سرہانے کی سمت دائیں رخ پر پنڈت نہرو اور بائیں طرف پر صدر کانگریس ڈھیبر بھائی کھڑے تھے۔ ان کے پیچھے جنرل شاہنواز، ڈھیبر بھائی کے ساتھ بخشی غلام محمد اور پروفیسر ہمایوں کبیر موجود تھے۔

جسم پر کھدر کا کفن تھا۔ میت ہندوستان کے قومی جھنڈے میں لپٹی ہوئی تھی جس پر کشمیری شال پڑا تھا۔ جنازہ کے پیچھے صدر جمہوریہ اور نائب صدر کار میں بیٹھے تھے۔ ان کے پیچھے پارلیمنٹ کے ارکان، مختلف صوبوں کے وزراء اعلیٰ، اکثر صوبائی گورنر اور غیر ملکی سفارتی نمائندے چلے آرہے تھے۔ بھارتی افواج کے چیف آف سٹاف جنازہ کے دائیں بائیں تھے۔ جب جنازہ کا جلوس انڈیا گیٹ اور ہارڈنگ برج سے ہوتا ہوا لاکھوں انسانوں کی عقیدت و محبت کو لئے دریا گنج کے علاقہ میں داخل ہوا تو سڑک کے دونوں کناروں درمیانی فٹ پاتھ اور دراز قد مکانوں کی چھتوں سے پھول ہی پھول برسنے لگے۔ یہاں پھولوں اور پنکھڑیوں کی موسلا دھار بارش کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا اور جب جنازہ جامع مسجد کے قرب و جوار میں پہنچا تو عالم ہی دوسرا تھا۔ جامع مسجد کی بالائی چھت، سیڑھیوں کے لمبے سلسلے، محرابوں کی پیوست زنجیریں،

حجروں کی ہم آغوش صفیں، مکانوں کی منڈیریں، اور دکانوں کے چھجے انسانی سروں سے لدے پڑے تھے۔ پریڈ گراؤنڈ میں محتاط سے محتاط اندازہ کے مطابق بھی پانچ لاکھ افراد جمع تھے۔ قبر کے ایک طرف علماء وحفاظ قرآن مجید پڑھ رہے تھے اور دوسری طرف اکابر وفضلاء سر جھکائے کھڑے تھے۔ یہاں سب سے پہلے بری فوج کے ایک ہزار سپاہیوں، ہوائی فوج کے تین سو جانبازوں اور بحری فوج کے پانچ سو نو جوانوں نے اپنے عسکری بانکپن کے ساتھ میت کو سلام کیا۔ پھر مولانا احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ نے دو بج کر پچاس منٹ پر نماز جنازہ پڑھائی...... ادھر نماز جنازہ پڑھائی جارہی تھی ادھر پنڈت نہرو قبر کے قریب فرش زمین پر بیٹھے ٹک ٹک دیکھ رہے تھے۔ امام نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا اور میت لحد کے قریب لائی گئی تو ہزار ہا ہندو سکھ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ فوج نے تعزیتی بگل بجائے۔ ستاروں کی طرح پھیلے ہوئے مسلمانوں کی آنکھیں پھر اشکبار ہو گئیں۔ مولانا احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ نے لحد میں اتارا۔ کوئی تابوت تیار نہ کیا گیا تھا۔ ایک یادگار جسم سفید کفن میں لپٹا ہوا خاک کے حوالہ کر دیا گیا۔ راجندر بابو نے آنسوؤں کی شکل میں جھک کر پھول نچھاور کئے۔ پنڈت نہرو نے گلاب چھڑکا تو بے اختیار ہو گئے۔ لوگوں نے سہارا دیا اور جب مٹی دینے لگے تو بلک بلک کر رو رہے تھے۔ ہر چہرہ روتا ہوا نظر آتا تھا۔

مسلمانوں کی عہد آفریں ہستیوں پر خود مسلمانوں کے ہاتھوں جو گذری، اس سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ ہمیشہ بڑوں کی عظمت پر ان کی موت نے شہادت دی ہے۔ آج جن لوگوں پر ہمارے علم وعمل اور فکر ونظر کی عمارتیں استوار ہیں، اپنی حیات میں ان پر تبرّیٰ کیا گیا۔ قید میں ڈالا گیا۔ زنجیریں پہنائی گئیں۔ بسا اوقات وہ عوام کے سب وشتم اور خواص کے جور وستم کی تاب نہ لا کر موت کی پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ حتیٰ کہ مسلمانوں نے انہیں گور وکفن سے بھی محروم رکھا۔ غرض رسوائی اور تشہیر کا تمام گرد وغبار ان کی ذات پر ڈالا گیا...... مگر جب وقت نے کروٹ لی تو ان کی ذات سورج کی طرح ابھر کر سامنے آ گئی اور تاریخ کی پیشانی ان کے آستانہ عظمت پر ہمیشہ کے لئے جھک گئی...... امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ان جانکاہ راستوں سے گذرنا پڑا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں: ''وقت کی کوئی گالی نہ تھی جو ایک زمانہ میں مسلمانوں نے ان کے خلاف استعمال نہ کی ہو۔ مگر وہ تحمل کے اعتبار سے پہاڑ تھے۔ انہوں نے ہمیشہ صبر کیا۔'' ان کی اور ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں حیرت انگیز مماثلت ہے اور یہ مماثلت موت کے بعد بھی نظر آتی ہے۔ جس طرح ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت پر زندگی کا کوئی شعبہ ماتم سے خالی نہ رہا تھا۔ اسی طرح

حضرت مولانا کی وفات پر زندگی کا ہر شعبہ ماتم گسار ہے۔ جب تک حیات تھے وقت کی سیاسی مصلحتیں ان کے گریبان پر ہاتھ اٹھاتی تھیں۔ آج اٹھ گئے ہیں تو مزار، عوام وخواص کا مرجع ہے۔

اس کو بے مہریٔ عالم کا صلہ کہتے ہیں
مر گئے ہم، تو زمانہ نے بہت یاد کیا

جامع مسجد دہلی میں یادگار تقریر

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد ؒ کی ایک یادگار تقریر پیش خدمت ہے۔ آپ نے تقسیم کے بعد نقل آبادی کے موقع پر اگست ۱۹۴۷ء میں دہلی جامع مسجد میں تقریر کی۔ وہ پڑھیں اور پھر سمجھیں کہ مولانا آزاد ؒ کتنے بڑے بیدار مغز قائد، قادر الکلام خطیب، معاملہ فہم اور زیرک قومی راہنما تھے۔ وہ تقریر یہ ہے۔

''عزیزانِ گرامی! آپ جانتے ہیں کہ وہ کون سی چیز ہے جو مجھے یہاں لے آئی ہے۔ میرے لئے شاہ جہاں کی اس یادگار مسجد میں یہ اجتماع نیا نہیں۔ میں نے اس زمانہ میں جس پر لیل ونہار کی بہت سی گردشیں بیت چکی ہیں، تمہیں یہیں سے خطاب کیا تھا۔ جب تمہارے چہروں پر اضمحلال کی بجائے اطمینان تھا اور تمہارے دلوں میں شک کی بجائے اعتماد، اور آج تمہارے چہروں کا اضطراب اور دلوں کی ویرانی دیکھتا ہوں تو مجھے بے اختیار پچھلے چند برسوں کی بھولی بسری کہانیاں یاد آجاتی ہیں۔ تمہیں یاد ہے میں نے تمہیں پکارا، تم نے میری زبان کاٹ لی۔ میں نے قلم اٹھایا اور تم نے میرے ہاتھ قلم کر دیئے۔ میں نے چلنا چاہا تم نے میرے پاؤں کاٹ دیئے۔ میں نے کروٹ لینی چاہی اور تم نے میری کمر توڑ دی۔ حتیٰ کہ پچھلے سات برس کی تلخ نوا سیاست جو تمہیں آج داغِ جدائی دے گئی ہے۔ اس کے عہدِ شباب میں بھی میں نے تمہیں خطرے کی راہ پر جھنجھوڑا۔ لیکن تم نے میری صدا سے نہ صرف اعراض کیا بلکہ غفلت وانکار کی ساری سنتیں تازہ کر دیں۔ نتیجہ معلوم کہ آج ہی ان خطروں نے تمہیں گھیر لیا ہے جن کا اندیشہ تمہیں صراطِ مستقیم سے دور لے گیا تھا۔

سچ پوچھو تو اب میں ایک جمود ہوں یا ایک دور افتادہ صدا، جس نے وطن میں رہ کر بھی غریب الوطنی کی زندگی گزاری ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو مقام میں نے پہلے دن اپنے لئے چن لیا تھا وہاں میرے بال وپر کاٹ لئے گئے ہیں یا میرے آشیانے کے لئے جگہ نہیں رہی۔ بلکہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میرے دامن کو تمہاری دست درازیوں سے گلہ ہے۔ میرا احساس زخمی ہے

اور میرے دل کو صدمہ ہے۔ سوچو تو سہی تم نے کون سی راہ اختیار کی؟ کہاں پہنچے اور اب کہاں کھڑے ہو؟ خوف کی زندگی نہیں۔ آہ! کیا تمہارے حواس میں اختلال نہیں آ گیا ہے؟ یہ خوف تم نے خود ہی فراہم کیا ہے۔ یہ تمہارے اپنے ہی اعمال کے پھل ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ وقت نے تمہاری خواہش کے مطابق انگڑائی نہیں لی۔ بلکہ اس نے ایک قوم کے پیدائشی حق کے احترام میں کروٹ بدلی اور یہی وہ انقلاب ہے جس کی ایک کروٹ نے تمہیں بہت حد تک خوفزدہ کر دیا ہے۔ تم خیال کرتے ہو کہ تم سے کوئی اچھی شے چھن گئی اور اس کی جگہ بری شے آ گئی۔ ہاں! تمہاری بے قراری اسی لئے ہے کہ تم نے اپنے تئیں اچھی شے کے لئے تیار نہیں کیا تھا اور بری شے کو ملجا و ماوی سمجھ رکھا تھا۔ میری مراد غیر ملکی غلامی سے ہے۔ جس کے ہاتھوں تم نے مدتوں حاکمانہ طمع کا کھلونا بن کر زندگی بسر کی ہے۔ ایک دن تھا کہ جب کسی قوم کے قدم کسی جنگ کے آغاز کی طرف تھے اور آج تم اس جنگ کے انجام سے مضطرب ہو۔ آخر تمہاری اس عجلت پر کیا کہوں؟ کہ ادھر ابھی سفر کی جستجو ختم نہیں ہوئی اور ادھر گمراہی کا خطرہ بھی پیش آ گیا۔ میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم کو ہمارے سوا کوئی زیر نہیں کر سکتا۔ میں نے ہمیشہ کہا اور آج پھر کہتا ہوں کہ تذبذب کا راستہ چھوڑ دو۔ شک سے ہاتھ اٹھا لو اور بدعملی ترک کر دو۔ یہ تین دھار کا انوکھا خنجر، لوہے کی اس دو دھاری تلوار سے زیادہ کاری ہے۔ جس کے گھاؤ کی کہانیاں میں نے تمہارے نوجوانوں کی زبانی سنی ہیں۔

یہ فرار کی زندگی جو تم نے ہجرت کے مقدس نام پر اختیار کی ہے اس پر غور کرو۔ اپنے دلوں کو مضبوط بناؤ اور اپنے دماغوں کو سوچنے کی عادت ڈالو اور پھر دیکھو کہ تمہارے یہ فیصلے عاجلانہ ہیں۔ آخر کہاں جا رہے ہو اور کیوں جا رہے ہو؟

یہ دیکھو مسجد کے مینار تم سے جھک کر سوال کرتے ہیں کہ تم نے اپنی تاریخ کے صفحات کو کہاں گم کر دیا ہے؟ ابھی کل کی بات ہے کہ جمنا کے کنارے تمہارے قافلوں نے وضو کیا تھا اور آج تم ہو کہ تمہیں یہاں رہتے ہوئے خوف محسوس ہوتا ہے۔ حالانکہ دہلی تمہارے خون سے سینچی ہوئی ہے۔ عزیزو! اپنے اندر ایک بنیادی تبدیلی پیدا کرو۔ جس طرح آج سے کچھ عرصہ پہلے تمہارا جوش و خروش بے جا تھا۔ اسی طرح آج یہ تمہارا خوف و ہراس بھی بے جا ہے۔ مسلمان اور بزدلی یا مسلمان اور اشتعال ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ مسلمان کو نہ تو کوئی طمع ہلا سکتی ہے اور نہ کوئی خوف ڈرا سکتا ہے۔

اگر دل ابھی تک تمہارے پاس ہیں تو اسے خدا کی جلوہ گاہ بناؤ جس نے آج سے تیرہ

سو برس پہلے عرب کے ایک اُمّی کی معرفت فرمایا تھا۔" جو خدا پر ایمان لائے اور اس پر جم گئے تو پھر ان کے لئے نہ تو کسی طرح کا ڈر ہے اور نہ کوئی غم۔" ہوائیں آتی ہیں اور گذر جاتی ہیں۔ یہ صرصر سہی، لیکن اس کی عمر کچھ زیادہ نہیں۔ ابھی دیکھتی آنکھوں ابتلاء کا موسم گذرنے والا ہے۔ یوں بدل جاؤ جیسے تم پہلے کبھی اس حالت میں نہ تھے۔

میں کلام میں تکرار کا عادی نہیں۔ لیکن مجھے تمہاری تغافل کیشی کے پیش نظر بار بار یہ کہنا پڑتا ہے کہ تیسری طاقت اپنا گھمنڈ کا پشتارہ اٹھا کر رخصت ہو چکی ہے جو ہونا تھا وہ ہو کر رہا۔ سیاسی ذہنیت اپنا پچھلا سانچہ توڑ چکی ہے اور اب نیا سانچہ ڈھل رہا ہے۔ اگر اب بھی تمہارے دلوں کا معاملہ بدلا نہیں اور دماغوں کی چبھن ختم نہیں ہوئی تو پھر حالت دوسری ہے۔ لیکن اگر واقعی تمہارے اندر سچی تبدیلی کی خواہش پیدا ہو گئی تو پھر اس طرح بدلو۔ جس طرح تاریخ نے اپنے تئیں بدل لیا ہے۔ آج بھی کہ ہم ایک دور انقلاب کو پورا کر چکے ہیں۔ ہمارے ملک کی تاریخ میں کچھ صفحے خالی ہیں اور ہم ان صفحوں میں زیب عنوان بن سکتے ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ ہم اس کے لئے تیار بھی ہوں۔

میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ تم حاکمانہ اقتدار کے مدرسے سے وفاداری کا سرٹیفکیٹ حاصل کرو اور کاسہ لیسی کی وہی زندگی اختیار کرو جو غیر ملکی حاکموں کے عہد میں تمہارا شعار رہا ہے۔ میں کہتا ہوں جو اجلے نقش و نگار تمہیں اس ہندوستان میں ماضی کی یادگار کے طور پر نظر آ رہے ہیں وہ تمہارا ہی قافلہ لایا تھا۔ انہیں بھلاؤ نہیں۔ انہیں چھوڑو نہیں۔ ان کے وارث بن کر رہو اور سمجھ لو کہ اگر تم بھاگنے کے لئے تیار نہیں تو پھر تمہیں کوئی طاقت بھگا نہیں سکتی۔ آج زلزلوں سے ڈرتے ہو کبھی تم خود اک زلزلہ تھے۔ آج اندھیرے سے کانپتے ہو کیا یاد نہیں کہ تمہارا وجود ایک اجالا تھا۔ یہ پانی کی سیل کیا ہے کہ تم نے بھیگ جانے کے ڈر سے پائینچے چڑھا لئے ہیں۔ وہ تمہارے ہی اسلاف تھے جو سمندروں میں اتر گئے۔ پہاڑوں کی چھاتیوں کو روند ڈالا، بجلیاں آئیں تو ان پر مسکرا دیئے۔ بادل گرجے تو قہقہوں سے جواب دیا۔ صرصر اٹھی تو اس کا رخ پھیر دیا۔ آندھیاں آئیں تو ان سے کہا کہ تمہارا راستہ یہ نہیں ہے۔ یہ ایمان کی جانکنی ہے کہ شہنشاہوں کے گریبانوں سے کھیلنے والے آج خود اپنے گریبانوں سے کھیلنے لگے اور خدا سے اس درجہ غافل ہو گئے کہ جیسے اس پر کبھی ایمان نہیں تھا۔

عزیزو! میرے پاس تمہارے لئے کوئی نیا نسخہ نہیں ہے۔ وہی پرانا نسخہ ہے جو برسوں

پہلے کا ہے۔ وہ نسخہ جس کو کائنات انسانی کا سب سے بڑا محسن لایا تھا۔ وہ نسخہ ہے قرآن کا یہ اعلان ”لا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین“ آج کی صحبت ختم ہوگئی۔ مجھے جو کچھ کہنا تھا وہ میں اختصار کے ساتھ کہہ چکا۔ پھر کہتا ہوں اور بار بار کہتا ہوں اپنے حواس پر قابو رکھو۔ اپنے گرد و پیش اپنی زندگی خود فراہم کرو۔ یہ منڈی کی چیز نہیں کہ تمہیں خرید کر لا دوں۔ یہ تو دل ہی کی دکان سے اعمال صالحہ کی نقدی سے دستیاب ہوسکتی ہے۔ والسلام!“

لیجئے! اب مولانا کی تقریر سن کر آپ ہم سب فارغ ہوئے تو اب پھر واپس چلتے ہیں۔

مولانا ابوالکلام ؒ پر ایک افتراء کی حقیقت

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم پر قادیانی پریس میں بڑے تواتر کے ساتھ یہ الزام شائع ہوتا رہا کہ:

۱...... مولانا آزاد ؒ مرزا قادیانی کی کتب سے متاثر تھے۔

۲...... مولانا آزاد ؒ مرزا قادیانی کے جنازہ ٹرین پر امرتسر سے بٹالہ تک ساتھ گئے۔

۳...... اخبار وکیل میں آپ کا مرزا قادیانی کی وفات پر تعزیتی مضمون شائع ہوا تھا۔

قادیانی ہزار بار تردید ہو جانے کے بعد برابر جھوٹ بولتے رہتے ہیں۔ ان کا خمیر ہی جھوٹ سے اٹھایا گیا ہے۔ بار بار جھوٹ بول کر جھوٹ پر پکا ہو جانا قادیانی نبوت کی سرشت بد ہے۔ اس خوئے بد کی تفصیل لکھنا چاہیں تو پوری قادیانیت اس کی لپیٹ میں آجائے۔ وہ کون سی شخصیت ہے جس پر قادیانیت نے اپنے کذب کا طومار نہ باندھا ہو؟ قادیانیوں کی کذب بیانی سے اللہ رب العزت، رحمت عالم ﷺ، انبیائے علیہم السلام، صحابہ کرامؓ، تابعین عظام، مفسرین، محدثین، ائمہ مجتہدین، اولیائے عظام رحمہم اللہ تعالیٰ اگر محفوظ نہیں رہے تو اور کون ہے جن کی نسبت مرزا قادیانی اور مرزائیوں نے کذب صریح کا بہتان نہ تراشا ہو؟ کل کی بات ہے حضرت خواجہ غلام فرید ؒ چاچڑاں شریف، علامہ اقبال ؒ پر انہوں نے مرزائیت سے متاثر ہونے کے الزامات نہ صرف لگائے بلکہ آج تک کے قادیانی وہی پرانے قادیانیوں کے نکلے ہوئے کذب و افتراء کے فضلہ سے اپنے پیٹ بھر رہے ہیں۔ مرزا قادیانی کی بروزی نبوت نے اس کذب کے بول و براز سے نشو و نما پائی ہے۔ کذب سے بھرپور ایک سوال قادیانی کریں۔ آپ اس کا جواب دے دیں۔ جو حقائق سے لبریز ہو۔ وقتی طور پر قادیانی چپ سادھ لیں گے۔ لیکن پھر موقع بموقع اسی کذب سے بھرپور سوال کا اعادہ کبھی ترک نہ کریں گے۔ حالانکہ سوال کرنے والے قادیانی کو معلوم ہوگا کہ

اس کا یہ جواب شافی وکافی امت کی طرف سے دیا جاچکا ہے۔ کذب وافتراء سے لوگوں کو گمراہ کرنے کا سارا کھیل اسی طرز پر کھیلا جارہا ہے۔

اب لیجئے کہ قادیانیوں نے مولانا ابوالکلام آزاد کے متعلق یہ تین جھوٹ تراشے۔ بار ہا ان کا جواب دیا گیا۔ لیکن قادیانی کذاب باز نہ آئے۔ کذب کے منہ میں وہ...... کہ یہی فضلہ ایک جنونی قادیانی کے بیٹے یعنی قادیانی کمائی کے ماحصل عبدالمجید سالک (جو خود قادیانی کا بیٹا، قادیانی ماحول کا پروردہ، مرزابشیر محمود کا جگری دوست، مرزا محمود کی ملعون جلوتوں اور خلوتوں کا حاضر باش تھا) نے کتاب شائع کی۔ ''یاران کہن'' جو مکتبہ ''چٹان'' سے شائع ہوئی۔ اس میں اس قادیانی کمینہ فطرت کے شاہکار عبدالمجید سالک نے مولانا ابوالکلام آزاد پر ان قادیانی الزامات کو پھر جنوری ۱۹۵۶ء میں شائع کر دیا۔ اللہ رب العزت کے کرم کو دیکھیں کہ مولانا ابوالکلام آزاد کو یہ کتاب ملی تو مولانا ابوالکلام کی طرف سے آپ کے پرائیویٹ سیکرٹری خان محمد اجمل خان نے آغا شورش مدیر ''چٹان'' کے نام مکتوب لکھا جس میں ان تینوں باتوں کی تردید موجود تھی۔ خط ملتے ہی مدیر ''چٹان'' نے ہفت روزہ ''چٹان'' لاہور کی ۱۳ رفروری ۱۹۵۶ء کی اشاعت ص ۵ پہ چوکھٹا شائع کیا:

> ''یاران کہن'' میں مولانا ابوالکلام آزاد سے بے بنیاد باتیں منسوب کی گئی ہیں۔
>
> مناسب یہ ہے سالک صاحب خود اس کی تردید کریں۔
>
> مولانا آزاد کے پرائیویٹ سیکرٹری خان محمد اجمل خان کا مکتوب۔
>
> حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے پرائیویٹ سیکرٹری خان محمد اجمل خان اپنے ایک مکتوب میں رقمطراز ہیں: ''مولانا عبدالمجید صاحب سالک نے ایک کتاب یاران کہن کے نام سے لکھی ہے۔ اس میں بعض بے بنیاد باتیں مولانا (آزاد) کے متعلق درج ہیں۔ مثلاً یہ کہ آزاد، مرزا غلام احمد کی کتب سے بہت متاثر ہوئے یا جنازہ کے ساتھ قادیان گئے وغیرہ۔ مناسب یہ ہے کہ سالک صاحب خود اس کی تردید کردیں...... وکیل (رسالہ امرتسر) میں مرزا غلام احمد قادیانی کی وفات پر جو مقالہ افتتاحیہ چھپا تھا وہ منشی عبدالحمید کپورتھلوی کا تھا۔ مولانا (آزاد) کا اس اداریہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔''
>
> (ہفت روزہ چٹان لاہور مورخہ ۱۳ رفروری ۱۹۵۶ء ص ۵)

اس تردید کے شائع ہونے کے بعد جس میں تینوں قادیانی الزامات کا جواب شافی موجود تھا۔ قادیانی گماشتے یا مولانا ابوالکلام آزاد ؒ کے معاند بدخواہوں کے چہروں پر جھوٹ کے کالک کا برش پھر گیا۔ اب بھی اگر کوئی ان الزامات کو دہراتا ہے تو یا تو وہ انصاف کا خون کر کے اپنی قبر کالی کرتا ہے یا قادیانیوں کی کذب بیانی کے عمل کے تسلسل کو آگے بڑھا کر ملعون قادیانی کی سنت ملعونہ پر عمل پیرا ہے۔ لیکن دیکھئے کہ جھوٹے کے منہ میں دہ..... عبدالمجید سالک جس نے یہ قادیانی الزامات دہرائے تھے۔ وہ چٹان میں اس تردید کے بعد پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ ادھر ادھر فرار، اقرار و انکار کے بعد سالک صاحب نے مولانا آزاد ؒ کے سیکرٹری خان محمد اجمل خان کو جوابی خط لکھا جو ہفت روزہ ''چٹان'' لاہور کی اشاعت مورخہ ۲۰ر فروری ۱۹۵۶ء کے ص ۵ پر شائع ہوا۔ اس کے یہ جملے قادیانی الزامات کی تردید کے لئے خود عبدالمجید سالک کے قلم سے کافی ہیں۔ عبدالمجید صاحب سالک نے لکھا: ''ہوسکتا ہے کہ ان امور میں میرے (سالک) حافظہ نے میرا ساتھ نہ دیا ہو اور حضرت مولانا ہی کے وہ ارشادات درست ہوں۔ جن کی بناء پر آپ نے شورش صاحب کو مکتوب لکھا۔ بہرحال مجھے ''یاران کہن'' میں بیان کردہ واقعات کی صحت پر اصرار نہیں اور میں آپ کی تردید کے آگے سر تسلیم خم کرتا ہوں..... سالک!''

قادیانی دماغ کا شاہکار عبدالمجید سالک تو تردید کے سامنے ''سر تسلیم خم'' ہوگیا۔ باقی معاندین اور دیگر قادیانی اسی کذب و افتراء سے پر، متعفن ہڈی کے چوسنے پر مصر ہیں تو انہیں فقیر راقم بھی حوالۂ حالات کرتا ہے۔

البتہ ایک ستر بہتر سالہ کذاب نے یہ نیا انکشاف کیا ہے کہ مولانا آزاد ؒ کی طرف سے ان کے سیکرٹری نے میرے توجہ دلانے پر یہ تردید ''چٹان'' میں شائع کی تھی۔ فقیر راقم نے ۱۳ر فروری اور ۲۰ر فروری ۱۹۵۶ء کے ''چٹان'' کے اصل شمارہ کو سامنے رکھا ہوا ہے۔ بہت ہی افسوس ہورہا ہے کہ اس کا کہیں نام تک بھی نہیں ہے۔ آج جب کہ مولانا آزاد ؒ، آپ کے سیکرٹری اجمل خان ؒ، آغا شورش کاشمیری ؒ، سالک سب وفات پاچکے ہیں تو ایک آدمی پانچواں شاہسوار بننے کے لئے یہ جھوٹ تراشتا ہے تو اسے بھی حوالہ حالات کئے بغیر چارہ نہیں۔ ورنہ حالات صاف صاف گواہی دیتے ہیں کہ یہ بھی کذب بیانی کا دو..... منہ میں رکھنے کی دوڑ میں پاگلوں کی طرح دوڑا جارہا ہے۔ خیر!

مزار آزاد سے واپسی

مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ کے مزار مبارک پر حاضری کے بعد اس پارک کے باغیچہ سے انہیں سیڑھیوں سے اترے جن پر چڑھے تھے۔ اب ایک بار پھر دہلی کی جامع مسجد کی سیڑھیوں کے برابر گزرگاہ پر تھے۔ جس کے دائیں بائیں کھوکھا مارکیٹ۔ اب سب ساتھی ادھر ادھر ہو گئے۔ حضرت مولانا عبدالقیوم نعمانی، ان کے صاحبزادہ مولانا ابوبکر اور فقیر تین نفر، اب پھر تلاش ''کھاچہ'' کا چکر، ایک دکاندار نے بتایا دکان نمبر ۶۵ پر چھوٹی مسجد، شوکت علی کے سامنے چلے جائیں وہاں مل جائیں گے۔ اب دکان پر آئے تو ''کھاچہ'' کے تھان مل گئے۔ فقیر نے دو تھان لئے۔ مولانا نعمانی صاحب نے غالباً پانچ تھان لئے۔ فقیر نے دو گرم چادریں سفید رنگ دھاری والی کی مردانہ خریدیں۔ دو زنانہ گرم چادریں۔ چار دھوتیاں بھی لیں۔ قاری نذیر احمد صاحب نے گرم چادر فرمائی تھی اس نمونہ کی نہ مل سکی۔

لیجئے! اب ہماری خریداری مکمل ہوگئی۔ مغرب کی اذان ہوگئی تو جامع مسجد جانے کی بجائے اسی مارکیٹ کے سر پر اور دہلی جامع مسجد کے شمال مشرقی کونہ میں مسجد ہے اس میں گئے۔ دوسری منزل پر نیا وضو کیا۔ جماعت مغرب کی ایک آدھ رکعت بھی نصیب ہوگئی۔ جیسے ہی فرض پورے کئے، وہیں لیٹ گئے۔ یہی حال مولانا نعمانی صاحب کا تھا۔ کچھ ستائے بھی۔ اب جلدی واپس جانا ہے کہ مغرب کے بعد سب نے بس پر جمع ہونا تھا۔ مسجد کے صحن سے اٹھے تو دیکھا کہ ایک قبر کا چبوترہ یہاں بھی بنا ہوا۔ اب دیکھا تو یہ قبر مبارک مولانا شوکت علی کی تھی۔ جو مولانا محمد علی جوہر کے بڑے بھائی تھے۔ انہیں کے نام پر یہ مسجد بھی ہے۔

مولانا محمد علی جوہر کا انتقال یکم جنوری ۱۹۳۱ء کو برطانیہ میں ہوا۔ جہاں آپ گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے گئے ہوئے تھے۔ تدفین بیت المقدس کی سرزمین میں نصیب ہوئی۔ مولانا شوکت علی ساتھ تھے۔ وہ بھائی کو دفن کر کے واپس آئے۔ ان کا انتقال یہاں دہلی ہوا۔ خادم کعبہ، کعبہ کی بیٹی کی آغوش میں مدفون ہے اور فقیر راقم یہاں کھڑے ایصال ثواب کی سعادت سے بہرہ ور ہو رہا ہے۔

مغرب کے کچھ دیر بعد مسجد سے چلے، دکان سے سامان اٹھایا پھر اسی کھوکھا مارکیٹ

سے بس پر پہنچے۔ اب یکے بعد دیگرے دوست آنے شروع ہو گئے۔ کوئی چاندنی چوک دیکھ کر آئے تھے۔ کوئی، کوئی بازار، اتنے میں مولانا زاہد الراشدی مغموم اور تھکے ہوئے آئے۔ فقیر قریب ہوا تو پتا سنائی کہ جامع مسجد میں جوتی کھو گئی۔ اب نئی جوتی کی تلاش میں نکلا۔ موزوں کے ساتھ بغیر جوتی کے چلنا پہلا تجربہ تھا۔ جگہ جگہ کیچڑ و گندہ پانی بھی تھا۔ پہلے سے پہنے ہوئے موزوں کا تو برا حال ہونا ہی تھا۔ حال اپنا بھی ٹھیک نہیں۔ ہانپتے کانپتے ایک کھوکھے سے جوتی لی ہے۔ تھک گیا ہوں۔ پرانے موزے اتارے۔ شاپر میں ڈالے۔ مرزا غالب کے مزار سے خرید کردہ ''دیوبندی موزے'' پہنے اوپر جوتی پہنی تو طبیعت سنبھلی۔ عصر کے بعد سے مغرب تک جوتی نہ ہونے کے باعث مسجد میں قیام پذیر رہے۔ اب چلے تو بس تک آئے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر بہت ہی افسوس ہوا۔ اب اور دوست بھی بس پر آنے شروع ہوئے۔ یہاں سے چلے تو عشاء کی نماز جمعیت علماء ہند کے دفتر میں پڑھی۔ عشاء کے بعد کھانا کھایا۔

برطانیہ، بنگلہ دیش اور دیگر ممالک کے وفود بھی ہمراہ تھے۔ یہاں سے ہوٹل واپس آئے۔ سوئے تو گھوڑے بیچ کر۔ صبح اٹھے تو تر و تازہ طبیعت تھی۔ نماز پڑھی۔

۷ار دسمبر کی مصروفیات

۷ار دسمبر ۲۰۱۳ء آج پاکستان واپسی ہے۔ صبح جلدی ناشتہ کیا۔ پھر اندرا گاندھی ایئرپورٹ پر آئے۔ دہلی سے امرتسر جہاز سے سفر تھا۔ سامان بک ہوا۔ بہت بڑا ائیرپورٹ ہے۔ جہاں سے امرتسر کا جہاز چلنا تھا وہاں پہنچتے پہنچتے تو بہت ہی تھک گئے۔ ابھی جہاز کے جانے میں آدھ گھنٹہ باقی۔ اب اعلان ہو گیا کہ موسم خراب ہے۔ جہاز کینسل ہے۔ ہمارے وفد کے حضرات نے میزبانوں سے رابطہ کیا۔ واپس آئے۔ سامان لیا۔ باہر نکلے تو میزبانوں نے نئی پرواز کی ٹکٹیں پکڑا دیں۔ بھاگم بھاگ پھر بورڈنگ حاصل کئے۔ تو آخری مرحلہ پر اعلان ہو گیا کہ یہ جہاز بھی کینسل۔ سامان لے کر باہر آئے تو جمعیت علماء ہند کی بھیجی ہوئی سواریاں موجود تھیں۔ وہ لیں۔ جمعیت علماء ہند کے دفتر آئے۔ عصر کی نماز پڑھی۔ ظہر ائیرپورٹ پر پڑھ لی تھی۔ کھانا کھایا۔ دراز ہوئے۔ کمر سیدھی بھی نہ ہوئی تھی کہ مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا۔ عشاء بھی یہاں پڑھی۔ دس بجے

رات بس آئی۔ اس بس کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ رات کو لمبے روٹ پر سفر کے لئے ڈیزائن کی گئی ہے۔ اس میں گدے بچھائیں۔ اپنا اپنا کیبن بند کریں اور دو دو آدمی آرام سے لیٹ جائیں۔ اوپر نیچے کیبن تھے۔ اس میں لیٹ گئے۔ ہم سفید ریشوں پر رحم کیا گیا کہ اوپر کے کیبن میں جانے سے بچ گئے۔ گنجائش سواریوں کی بہت زیادہ تھی۔ سواریاں کم تھیں۔ اس لئے ہر کیبن میں ایک ایک ساتھی گدا بچھا کر کمبل اوڑھ کر لیٹ گیا۔ چادروں، تکیوں اور کمبل کا انتظام بس روانہ کرتے وقت جمعیت علماء ہند نے کر دیا تھا۔ خوب سردی اور دھند تھی۔ جو سفر عموماً دس گیارہ گھنٹے میں ہو جانا چاہئے تھا۔ وہ اٹھارہ گھنٹہ میں ہوا۔ بس والے گاڑی کے تیل اور اپنی چائے کے لئے رکتے رہے۔ ایک جگہ وفد نے تقاضہ کے لئے بھی بس رکوائی۔

۱۸ر دسمبر کی مصروفیات

نماز فجر کے لئے بھی رکنا ہوا۔ چار بجے باڈر سیل ہو جاتا ہے۔ ہمیں امرتسر پہنچتے پہنچتے تین بج گئے تھے۔ چنانچہ امرتسر شہر میں گئے بغیر، بائی پاس سے اٹاری کی طرف آ گئے۔ وہاں کھانا کے پیکٹ مل گئے تھے۔

اٹاری بارڈر کی بلڈنگ میں داخل ہوئے تو سامان قلیوں نے اٹھایا۔ عملہ نے صرف نظر ڈالی ہوگی اور پاس کر دیا۔ قلیوں نے سامان دوسری طرف لگی بس میں رکھا۔ اتنے میں انڈیا سے خروج کی مہر لگی۔ چند منٹ بارڈر کا پھاٹک بند ہونے میں باقی تھے کہ وہاں پہنچے۔ بس قدرت نے پہنچا دیا۔ ورنہ ڈر بہت لگ رہا تھا کہ وقت کم تھا۔ اب بارڈر کراس ہوا تو سامنے برادر مولانا عزیز الرحمن ثانی، مخدومی جناب پیر طریقت رضوان نفیس، قاری جمیل الرحمان اختر اور ان کے صاحبزادہ مولانا محمد معاویہ نظر آئے۔ اب یقین ہو گیا کہ پاکستان پہنچ گئے ہیں۔ فقیر کے سامان کے دو بیگ تھے۔ اٹھائے، رضوان صاحب کی گاڑی میں رکھے۔ پاسپورٹ پر پاکستان پہنچنے کی مہر لگی۔ گاڑی میں بیٹھے اور لاہور کی طرف چل نکلے۔ باقی وفد کی جانب مڑ کر بھی نہ دیکھا کہ ظہر کی طرح عصر کا بھی ٹائم ختم ہو رہا تھا۔ دفتر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت لاہور آ گئے۔ نمازیں پڑھیں۔ تو اب ۱۸ر دسمبر ۲۰۱۳ء کا سورج غروب ہو رہا تھا۔ اب پتہ نہیں کہ خود کاتب سفر کا "آخری سفر" کب ہوتا ہے۔

ایک سفر
شیخ الہند کے دیس میں
مناظر ختم نبوت
حضرت مولانا
اللہ وسایا
عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان